مطالعہ بریلویت

۷

ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب

ایک تاریخی، فکری اور تحقیقی جائزہ

مُطالعۂ بریلویّت

جلد ہفتم

مُصنّف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی

ڈائرکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر

تقریظ

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

حافظی

ناشران و تاجرانِ کتب

بکڈپو دیوبند ۲۲۷۵۵۲ فون
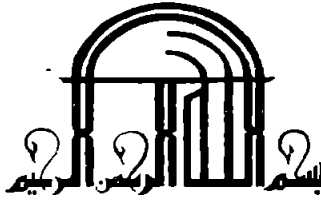
کتاب

مطالعہ بریلویت جلد ہفتم

مؤلف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

اشاعت

۲۰۰۴ء

ناشر

حافظی بکڈپو دیوبند ۲۴۷۵۵۴ یوپی

IAFZI BOOK DEPOT

DEOBAND-247554 (U.P.)

Tele-fax (01336) 222311 Mobile 9412556171

فہرست مضامین

القول الاظہر
فیما یتعلق بالاذان عند المنبر

تجلیات انوار المبین

تجلیاتِ انوار المعین

دوسری تجلی

فہمائش اوّل

فہمائش پنجم

تیسری تجلی

مقدمہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب

تبصرہ ماہر القادری البدایونی

کنزالایمان میں زبان و ترجمہ کی غلطیاں

تبصرہ بر ضیائے کنز الایمان

✪✪✪✪✪

مقدمہ

مولانا احمد رضا خاں خیر آبادی علماء کی نظر میں

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد

اہل سنت کے بالمقابل اہل بدعت دوسری صدی میں ہی رینگنے لگے۔ بدعت فی العقائد کے مجرموں نے اپنے اپنے پلیٹ فارم علیحدہ ترتیب دے لئے لیکن بدعت فی الاعمال کے مجرم اہل سنت کی صفوں میں برابر گھسے رہے اور انہیں کسی معروف مقتدر عالم نے علمی استناد مہیا نہ کیا۔ یہاں تک کہ اس امت پر پہلا ہزار سال گزر گیا اور بدعت کو اہل سنت کے حلقوں میں کہیں جماعتی سرپرستی نہ ملی۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (1034ھ) کے مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اہل سنت کے حلقوں میں کہیں کہیں بدعات کے تاریک بادل بیشک اٹھے اور کئی درویشوں نے بدعت حسنہ کے سائے میں ان کے لئے اپنی کھڑکیاں کھول دی تھیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابھی اہل بدعت نے کہیں اپنی علیحدہ دیواریں کھڑی نہ کی تھیں اور نہ ہی اہل سنت کے قلعہ میں اہل بدعت اپنے لئے کوئی علیحدہ دروازہ کھول پائے تھے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے پیرووں میں محدثین دہلی کتاب وسنت کے مسند آرائے علم (تدریس میں ہو یا تبلیغ میں) ہوئے۔ دہلی کے مسند علمی کے آخری دور میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید اور حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی حق کی صدا اور کتاب وسنت کی علمی آواز تھے۔ یہ گھر حنفیہ کا علمی گھرانہ کہلاتا تھا۔ یہ وہ دور تھا کہ سیاسی سطح پر یورپین قومیں ہندوستان آنا شروع ہوگئی تھیں۔ اس سے پہلے ان کا یہاں داخلہ صرف تجارتی پیرائے میں تھا۔ ان یورپی اقوام میں انگریز سب سے زیادہ شاطر اور ہوشیار نکلے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرلی۔

انگریزوں نے تخت ہند مسلمانوں سے چھینا تھا سو یہ ان کی سیاسی ضرورت تھی کہ جس طرح بھی بن پائے اپنے استحکام کے لئے مسلمانوں میں اختلافات کی دیواریں کھڑی کریں اور یہاں کے اہل سنت مسلمانوں میں محدثین دہلی کے علمی اعتماد کو مجروح کردیں۔ نہ یہ حلقہ علم ختم ہو نہ اس پر بہار رہے۔ ہر خیال کے علماء

یہاں رہیں اور مسلمانوں میں ان کی کوئی ایک سیاسی قوت قائم نہ رہنے پائے۔

اختلاف کا پہلا معرکہ مولانا محمد اسمٰعیل اور مولانا فضل حق میں

یہ دونوں حضرات حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ان کا معاصرت اور برابر کی علمی شہرت کے جوش میں مسئلہ امکان نظیر میں اختلاف ہوگیا۔تاہم ان حضرات نے اسے ایک علمی اختلاف کے درجہ میں ہی رکھا اور اسے کبھی اصول کا اختلاف قرار نہ دیا نہ امتناع نظیر کے قائلین نے امکان کے قائلین پر کبھی توہین رسالت کی تہمت لگائی نہ کبھی آپس میں وہ زبان استعمال کی جو آج کے بریلوی خطیب علماء دیوبند کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔یہ علمی اختلاف اس درجہ میں رہا جس درجہ میں صحابہ میں بعض آپس کے اختلافات ہوئے، کسی نے کسی کی تفسیق نہ کی۔صحابہ میں صرف سیاسی اختلاف ہی نہ ہوئے بلکہ بعض دینی مسائل میں بھی اختلافات ہوئے تھے تاہم انہوں نے انہیں کبھی امت کا اختلاف نہ بننے دیا۔ایک مسئلے میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتوے ان کے اپنے استاد حضرت زید بن ثابت (ھ) سے مختلف تھا۔بیشتر لوگوں نے ان اقوال مختلفہ میں سے ایک کو اختیار کیا اور حضرت ابن عباس سے گزارش کی:

لا ناخذ بقولك وندع قول زيد۔(صحیح بخاری جلد 1 ص 237)

(ترجمہ) ہم آپ کا قول نہ لیں گے اور حضرت زید کا قول نہ چھوڑیں گے۔

اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ صحابہ و تابعین کے دور میں بھی فتوے علماء کے اقوال پر دیئے جاتے تھے۔ ہر شخص مسئلے کو خود کتاب وسنت سے حاصل نہ کرتا تھا اور اہل علم حضرات اس دور کے آئمہ علم شمار کئے جاتے تھے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں فقہی اختلافات میں اختلاف کو مصیبت نہیں سمجھا جاتا تھا۔اہل حق کبھی نہ سمجھتے تھے کہ اختلاف امت قسمت ہے وہ اختلاف امت کو رحمت اور وسعت علم سمجھتے تھے۔صحابہ اور تابعین میں ایسے اختلافات پر مقابلے کے محاذ نہ بنتے تھے اور نہ ان سے کوئی فقہی فرقے آگے بنے تھے۔ اہل حجاز اور اہل عراق کے علمی اختلافات سے کون واقف نہیں مگر یہ اختلافات گروہ بندی کے اختلافات نہ تھے۔علماء عراق کے (مثلاً حضرت امام ابوحنیفہؒ (150ھ) اور حضرت امام سفیان الثوری (161ھ) کے بھی آپس میں بہت اختلافات تھے مگر دونوں مسائل مشہورہ میں ایک ہی مسلک (عمل اہل کوفہ) پر چلے تھے۔اگر امام ابوحنیفہ رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرتے تھے تو حضرت سفیان ثوری بھی رفع الیدین عندالرکوع کے قائل نہ تھے۔حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام احمد (241ھ) میں بھی کئی اختلافات تھے۔استاد (حضرت امام احمد) اس مسلک کے تھے کہ اگر کوئی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں مگر ان کے شاگرد امام بخاری کہتے تھے جو امام کے

پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ امت میں یہ اختلافات کوئی نئی بات نہیں، علم کے سائے جب دور تک پھیلتے ہیں تو کہیں پتے آپس میں ٹکرا ہی جاتے ہیں۔
مولانا فضل حق اور مولانا محمد اسمٰعیل کے اختلافات بھی کچھ اسی قسم کے تھے۔ اس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ جب مولانا فضل حق کو مولانا اسمٰعیل کی شہادت کی خبر ملی تو آپ طلبہ کو سبق پڑھا رہے تھے۔ یہ خبر ملی تو سبق پڑھانا چھوڑ دیا اور بجھے دل سے فرمایا:
''اسمٰعیل کو ہم مولوی ہی نہیں مانتے تھے وہ امت محمدیہ کا حکیم تھا کوئی شے نہ تھی جس کی انیت اولیت اس کے ذہن میں نہ ہو۔ امام رازی نے اگر علم حاصل کیا تو دود چراغ کھا کر اور اسمٰعیل نے محض اپنی قابلیت اور استعداد سے۔'' (الحیاۃ بعد المماۃ ص 110)
خیرآبادی سلسلہ کے نامور عالم حکیم محمود احمد صاحب برکاتی بھی حضرت مولانا محمد اسمٰعیل کے بارے میں لکھتے ہیں:۔
شاہ محمد اسمٰعیل جید عالم تھے انکے ذہن میں حدت تھی حافظہ قوی تھا علوم متحضر تھے دماغ نکتہ رس تھا۔ بلند کردار اور متقی تھے اور انکی پوری زندگی اخیار اور صلحا کی سی تھی اپنی جان تو انہوں نے اس شان سے جان آفرین کی سپرد کی اور اس ذوق وشوق سے لیلائے شہادت کو لبیک کہا کہ ہر مومن کے دل ہی آواز آتی ہے کہ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔ (حیات شاہ محمد اسحٰق دہلوی۔ 38)
حضرت مولانا علامہ عبدالحق خیرآبادی بھی اختلاف کی اسی نرم پالیسی پر رہے اور انہوں نے ردو ہابیہ کے اس قسم کے اختلافات کو کبھی ایک خبط سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ مولانا احمد رضا خان جب ان کی خدمت میں منطق پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے مولانا احمد رضا خان سے پوچھا بریلی میں آپ کا کیا شغل ہے؟ آپ نے کہا تدریس وتصنیف اور افتاء۔ انہوں نے پوچھا کس فن میں تصنیف کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ردو ہابیہ میں...... اس پر مولانا عبدالحق نے فرمایا:۔
ایک وہ ہمارا بدایونی خبطی ہے (فضل رسول بدایونی) کہ ہر وقت اس خبط میں مبتلا رہتا ہے۔ (ماہنامہ المیزان بمبئی احمد رضا نمبر ص 332)
اس سے پتہ چلا کہ دیوبندی بریلوی اختلافات کا نقطہ آغاز مولانا فضل حق خیرآبادی ہرگز نہ تھے۔ یہ نقطہ فساد مولوی فضل رسول بدایونی سے چلا جنہیں انگریزی ملازمت نے یہ خبط لگا رکھا تھا یہی وجہ ہے کہ آئندہ کے خیرآبادی سلسلہ کے علماء بھی مولانا اسمٰعیل شہید کے خلاف نہ سنے گئے جو اختلاف مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا فضل حق خیرآبادی میں چلا تھا وہ فرقہ بندی تک نہ جاسکا تھا۔
خیرآبادی سلسلے کے مشہور عالم مولانا حکیم برکات احمد (1347ھ) آخر دم تک حضرت مولانا محمد قاسم

نانوتوی کے معتقد رہے مولانا حکیم برکات احمد مولانا حکیم دائم علی (1325ھ) کے صاحبزادے تھے۔ حکیم دائم علی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بہت قریبی دوست تھے اور دونوں حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت رکھتے تھے۔ حکیم دائم علی ایک دفعہ اپنے بیٹے برکات احمد کو مولانا محمد قاسم کی زیارت کرانے کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ مولانا برکات احمد نے وہاں مولانا محمد قاسم کو کس روحانی شان میں دیکھا۔ اسے انہی کی زبان سے سنئے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا حکیم محمود احمد صاحب اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ آپ نے کہا:۔

مجھے ان سے (مولانا محمد قاسم نانوتوی) ملانے کے لئے (والد صاحب) دیوبند لے گئے جب ہم پہنچے تو (مولانا محمد قاسم) چھتہ کی مسجد میں سو رہے تھے مگر اس حالت میں بھی ان کا قلب ذاکر تھا اور ذکر بھی بالجہر کر رہا تھا۔ (حکیم سید برکات احمد ص 185 مولفہ حکیم محمود احمد برکاتی)

یہ حکیم برکات احمدؒ کون ہیں جو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اس روحانی مقام کی خبر دے رہے ہیں۔ اسے مولانا احمد رضا خان سے پوچھئے۔ آپ ان کی قبر کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

جب ان کا انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اترا مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضہ انور کے قریب پائی تھی۔ ان کے انتقال کے دن مولوی سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کہ گھوڑے پر تشریف لے جاتے ہیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ کہاں تشریف لے جاتے ہیں؟ فرمایا برکات احمد کے جنازہ کی نماز پڑھنے۔ (بلفوظات مولانا احمد رضا خان حصہ دوم ص)

اس وقت عملاً ان کی نماز جنازہ ہو چکی تھی معلوم نہیں کہ اب یہ دوبارہ نماز جنازہ کیوں پڑھی جارہی تھی؟ یہ اس لئے کہ شاید پہلی نماز صحیح ادا نہ ہوئی ہو۔

ان مولانا حکیم برکات احمد کی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں یہ شہادت بتلاتی ہے کہ یہ حضرات ہمیشہ علماء دیوبند کے بارے میں اچھے عقیدہ پر اور نیک گمان ہی رہے ہیں۔ شرعی اختلافات نے انہیں ان سے اتنا دور نہیں ہونے دیا کہ ضلالت اور گمراہی یا فسق وکفر کی دیواریں درمیان میں کھڑی کرلیں۔

اب یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ مولانا برکات احمد مولانا احمد رضا خان کے بارے میں کیا ذہن رکھتے تھے۔ حکیم محمود احمد صاحب لکھتے ہیں کہ آپ نے پوری زندگی میں صرف ایک بار مولانا احمد رضا خان کا نام لیا اور وہ بھی ایک خط میں آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ مولانا احمد رضا خان کس طرح علماء دیوبند کے خلاف ایک محاذ قائم کئے ہوئے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں: ایک دفعہ والد صاحب نے فرمایا:۔

مجھ کو نہ مولوی احمد رضا خان سے بحث ہے نہ اہل دیوبند سے کچھ تعرض، میرے عقائد عقائد سلف ہیں ان سے

تجاوز نہیں کرتا۔ آج تک میں نے مولانا احمد رضا خان کی تصانیف نہیں دیکھیں البتہ یہ سنتا ہوں کہ یہ اس عقیدے میں مشہور ہیں، تفصیل ان کے عقیدے کی مجھے معلوم نہیں اور نہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ (حکیم سید برکات احمد ص285)

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ یہ خیرآبادی حضرات مولانا احمد رضا خان کے عقیدہ سے کس قدر لاتعلق اور دور ہوں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان کی ان دنوں کوئی خاص علمی شہرت نہ تھی۔ اونچے اہل علم کے ہاں ابکی کوئی علمی شہرت نہ تھی۔

سیال شریف کے سجادہ نشین جناب خواجہ ضیاء الدین نے علمائے دیوبند سے تو تعلقات رکھے۔ تحریک خلافت میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کا کھلے طور پر ساتھ دیا لیکن مولانا احمد رضا خان کا ان کے شوق تکفیر میں بالکل ساتھ نہ دیا۔

حضرت مولانا معین الدین اجمیری خیرآبادی اجمیر کے تھے، دیوبند کے نہ تھے نہ دیوبند پڑھے تھے۔ حضرت مولانا عبدالحق خیرآبادی کے شاگرد تھے اور اجمیر شریف میں مدرسہ معینیہ کے صدر مدرس تھے۔ آپ نے جس طرح مولانا احمد رضا خان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اس سے یہ بات کھلے طور پر سمجھ آجاتی ہے کہ مولانا احمد رضا خان کی علمائے دیوبند کے خلاف محاذ آرائی خود ان کے علم وفضل کی رُو سے نہ تھی۔ ان کی علماء دیوبند کے خلاف ایک ضد تھی جس کی وہ پوری عمر پرورش کرتے رہے اور اسے اپنا دین و مذہب کہتے رہے اور اسکی اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (ھ) سے اس اختلاف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اپنی رائے یہ ظاہر فرمائی:۔

اس مقام پر امکان یا امتناع نظیر آنحضرت ﷺ کے متعلق اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا مقصود ہے نہ تصویب یا تغلیط کسی کی فریقین اسمٰعیلیہ و خیرآبادیہ میں سے۔ شکر اللہ تعالیٰ سعیھم راقم السطور دونوں کو ماجور و مثاب جانتا ہے۔ (ضمیمہ رسالہ عجالہ بردو سالہ فتاوے مہریہ ص15)

اختلاف کرنے والے دونوں ماجور و مثاب کب ہوتے ہیں؟ جب اختلاف اجتہادی درجے میں ہو۔ عقائد میں اختلاف نہ ہو صرف عمل میں ہو۔ مولانا اسمٰعیل شہید سے بعض عبارات کے اختلاف کو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے اجتہادی درجہ میں رکھا اور دونوں حلقوں کو مثاب و ماجور فرمایا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت پیر صاحب کا مولانا اسمٰعیل شہید سے ہرگز عقائد کا اختلاف نہ تھا نہ دونوں بزرگ توحید باری تعالیٰ کے باب میں دو علیحدہ علیحدہ راہوں پر کھڑے تھے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے عقیدہ توحید کی ایک جھلک

حضرت کے عقیدہ توحید کی یہ جھلک آپ جناب پیر نصیر الدین صاحب گولڑوی کی اس نظم میں دیکھئے جو آپ نے توحید باری تعالیٰ پر لکھی۔ مولانا احمد رضا خان کے پیرو کیا گولڑہ شریف کی اس صدائے توحید سے اتفاق کر سکتے ہیں؟ ایسا ان کے نصیب کہاں؟

بجائے اس کے کہ بریلوی حضرات پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کے اس کھلے اختلاف میں دربار گولڑہ کا ساتھ دیتے انہوں نے مولانا احمد رضا خان کو ہی اپنا اعلیٰ حضرت کہا اور پیر صاحب گولڑوی صرف حضرت رہ گئے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان ہی رہے یہاں تک کہ بریلوی علماء نے کھلم کھلا پیر جناب نصیر الدین صاحب گولڑوی پر جرح کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ماہنامہ طلوع مہر گولڑہ میں مارچ 1999ء کی اشاعت میں ان اعتراضات کا ذکر ہے جو مولانا احمد رضا خان کے پیرووں نے جناب پیر نصیر الدین صاحب گولڑوی پر کئے۔ ان میں تیسرا اور چوتھا اعتراض یہ رہا:۔

تیسرا یہ کہ بشمول انبیاء و اولیاء میں نے سب کو اللہ سے مانگنے والوں میں شمار کیا ہے۔ چوتھا یہ کہ یہ آیت بتوں کے بارے میں نازل ہوئی اور اس کے مخاطبین مشرکین ہیں میں نے اہل ایمان کو مخاطب بنایا ہے اور نعوذ باللہ انبیاء و اولیاء کو اصنام قرار دیا ہے۔ (طلوع مہر ص2)

پیر صاحب گولڑوی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

انبیاء و اولیاء اپنے آپ کو اللہ کا نہ صرف محتاج سمجھتے تھے بلکہ اپنی اپنی حاجات اس کی بارگاہ میں پیش کیا کرتے تھے۔ گویا ایسا کرنا سنت انبیاء و اولیاء ہے۔ اب جو لوگ ان کی اس واضح سنت پر عمل نہیں کرتے اور مختلف توجیہات پیش کر کے اپنے ذہنی مفروضات اور اختراعی عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ صریح غلطی پر ہیں۔

محولہ بالا مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب میری رباعی کے تیسرے مصرع کو پڑھئے:۔

کیوں مانگ رہا ہے مانگنے والوں سے

یعنی جن سے تو مانگ رہا ہے وہ تو خود اللہ سے مانگتے ہیں۔ (ص4)

پیر صاحب گولڑوی پہلے یہ بھی کہہ آئے ہیں:۔

پس یہ کہنا کہ اصنام اور مشرکین کے بارے میں نازل شدہ آیات کو انسانوں پر منطبق کرنا درست نہیں غلط ٹھہرا۔ (ص3)

پیر نصیر الدین صاحب نے توحید کا یہ سبق اپنے دادا پیر مہر علی شاہ صاحب سے ہی لیا ہے کسی دیوبندی سے نہیں۔ حضرت پیر مہر علی شاہ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں کو اتنی طاقت بخشی ہے کہ جس امر کی طرف دل سے متوجہ ہو جائیں اللہ تعالیٰ وہ

کام کر دیتا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ جس وقت چاہیں جو کچھ چاہیں ہو جائے کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابو طالب کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لا دیں اور ظہور میں ایسا نہ آیا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب نبی کو کلی اختیار نہیں تو ولی کو کس طرح ہو۔ یہ تب ہو کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی کو سب اختیار دے کر آپ معطل ہو بیٹھے اور یہ بالکل برخلاف عقیدہ اسلام ہے۔ (مکتوبات طیبات مہر چشتیہ ص 127)

اس سے پتہ چلا کہ انبیاء و اولیاء کے مختار کل ہونے کا عقیدہ اہل حق کا ہرگز نہیں۔ یہ بریلویوں کے اپنے ذہن کی اختراع ہے جو حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف کے عقیدہ کے سراسر خلاف ہے۔

پیر نصیر الدین صاحب نے دادا مرحوم کے زیر اثر طلوع مہر میں اپنی بات اس طرح لکھی ہے:۔

کسی انسان کو مشکل کشا' داتا' دستگیر اور غریب نواز کے الفاظ کا حقیقتاً مستحق سمجھنا شرک ہے۔ (4)

اور یہ بھی لکھا ہے:۔

اللہ کے سوا کسی اور سے مانگنے سے روکنا سنت انبیاء پر عمل کرنا ہے۔ (ص 6)

جناب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ مولانا احمد رضا خان کے عقائد سے متفق ہوتے تو اپنا عقیدہ ہرگز ان کھلے لفظوں میں بیان نہ کرتے۔ آپ مولانا احمد رضا خان کا ایک شعر ملاحظہ کریں اور دیکھیں کس بے دردی سے آپ نے قضا و قدر کے سارے فیصلے آنحضرت ﷺ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ آپ حضور ﷺ سے اپنی تقدیر بہتر بنانے کی اس طرح استدعا کرتے ہیں۔

میری تقدیر بری ہو تو بھلی کر دے کہ
ہے محو و اثبات کے دفتر پر کروڑا تیرا
(حدائق بخشش حصہ اول ص 3)

قرآن کریم میں ہے کہ محو و اثبات کا دفتر اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے مٹائے اور جسے چاہے رکھے اس پر قبضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دلانا کیا یہ کھلا شرک نہیں۔ سو یہ بات کھلے سورج کی طرح روشن ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب ہرگز مولانا احمد رضا خان کے عقیدہ کے نہ تھے۔ قرآن کریم کی تعلیم ملاحظہ ہو

ویمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب۔ (پ......)

(ترجمہ)

ہمیں اس وقت اس مسئلے سے بحث نہیں ہم اس پر کچھ بحث دوسری اور پانچویں جلد میں کر آئے ہیں۔ یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان کو گولڑہ میں ہرگز کوئی پذیرائی نصیب نہ ہوئی تھی نہ وہاں انہیں کبھی کوئی علمی حیثیت حاصل رہی۔ جس طرح مولانا احمد رضا خان خیر آبادی علماء کی نظر میں حق پر نہ تھے

سیال شریف اور گولڑہ شریف کے علمی حلقوں میں بھی آپ کوئی علمی اعتماد نہ رکھتے تھے۔
اس سے پتہ چلا کہ دیوبندی بریلوی اختلافات کی اصل مولانا فضل حق خیرآبادی یا ان کے سلسلہ کے علماء ہرگز نہ تھے ان کی اصل مولوی فضل رسول بدایونی (...... ھ) ہیں۔ انہوں نے شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کے خلاف فتوے دیئے اور مولانا اسمٰعیل کو کافر کہا۔ ان کے بعد مولوی عبدالسمیع رام پوری آئے انہوں نے بھی عقائد کی بجائے عملی بدعات پر زیادہ محنت کی لیکن جس شخص نے ان اختلافات میں کفر و اسلام کے باقاعدہ فاصلے پیدا کئے اور انہیں وقت کے سیاسی تقاضوں میں علمی استناد مہیا کیا اور ترکی خلافت کے خلاف فتوے دیئے وہ مولانا احمد رضا خان ہیں اور اسی جہت سے انہیں فرقہ (بریلویہ) کا اعلیٰ حضرت کہا جاتا ہے۔
خیرآبادی حضرات یا گولڑہ کے اکابر ہرگز ان کے ساتھ نہ تھے وہ برابر اہلسنت ہی رہے۔
عام لوگ تاریخ کے اس حصے سے بہت کم واقف ہیں ان کے ذہن میں پورے ملک کا سواد اعظم دیوبندی اور بریلوی صرف دو حصوں میں بٹا ہوا ہے حالانکہ معاملہ ایسا ہرگز نہیں۔ پیر کرم شاہ صاحب بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں:

حقیقت یہ نہیں برصغیر پاک و ہند ان دو میں ہی نہیں بٹا ہوا ان میں علمائے دیوبند کے علاوہ فرنگی محل کے علماء؛ علماء رامپور، علمائے بدایوں، خیرآبادی حضرات اور علمائے دیوبند یہ سب حضرات اپنے مستقل مسالک رکھتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ملکی سطح پر ان اختلافات نے دیوبندی بریلوی اختلافات ہی کا نام پایا لیکن اس میں یہ بات ہرگز نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ ان اختلافات میں مولانا احمد رضا خان نے علماء دیوبند کے خلاف جو تکفیر کی دیوار کھینچی امت کے ان غیر جانبدار علمی حلقوں نے اس میں مولانا احمد رضا خان کا ساتھ نہ دیا۔ سو ہندوستان میں اصل نقطہ اختلاف مولانا احمد رضا خان ہی ہیں۔ پس یہ جاننے کے لئے کہ مولانا احمد رضا خان کی اس اختلاف پسندی میں کوئی ذمہ داری علماء دیوبند پر بھی آتی ہے یا اس کی وجہ مولانا احمد رضا خان کی وہ خاص طبیعت ہی ہے کہ یہ کسی دوسرے سے اختلاف کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتے[7]۔ اسے جاننے کے لئے یہ ان کے اپنے حلقے کی شہادت ہے۔ بریلویوں کے مفتی شجاعت علی قادری لکھتے ہیں:۔

یہ تلاش کرنا کچھ مشکل نہیں کہ آپ نے کس کس سے اختلاف کیا بلکہ اصل وقت طلب کام یہ ہے کہ وہ کون سا فقیہ ہے جس سے مولانا احمد رضا خان نے بالکل اختلاف نہ کیا ہو۔ اگر ایسا کوئی شخص نکل آیا تو یہ ایک بڑی تحقیق ہوگی۔

یہ عبارت مولانا احمد رضا خان کے ایک معتقد کی ہے۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا احمد رضا خان کی اختلاف پسند طبیعت نے کچھ اور نئے اختلافات بھی میدان میں لا ڈالے جنہیں علماء صدیوں پہلے چھوڑ چکے تھے۔ اب ان میں بھی معرکہ آرائی ہوئی۔ ان میں ایک اختلاف جمعہ کی اذان ثانی کا بھی ہوا۔ امت

اسے صدیوں پہلے حل کر چکی تھی مگر مولانا احمد رضا خان اسے بدعت کہنے پر ثواب دارین حاصل کر رہے تھے اور جمعہ کی اذان مسجد کے اندر کہنے کو کھلے طور پر بدعت کہہ رہے تھے۔

اختلاف کا دوسرا معرکہ علماء بدایوں سے اختلاف

بدایونی علماء اہل بدعت کا ہراول دستہ تھے۔ بریلی اہل بدعت کا کوئی بڑا مرکز نہ تھا۔ بریلی کے دو بڑے مدرسے تھے دونوں علماء دیوبند کے زیر اثر تھے۔ مولانا احمد رضا خان کو بعض اوقات جمعہ پڑھنے کے لئے کوئی موزوں جگہ نہ ملتی تھی۔ ان کے اپنے استاد مولانا غلام یٰسین حضرت شیخ الہند دیوبندی کے شاگرد تھے۔ یہ بدایونی علماء کی تائید وحمایت تھی جس نے مولانا احمد رضا خان بریلوی کو ایک علمی مرکز بنادیا تھا ورنہ مولانا اسمٰعیل کے خلاف پہلے اٹھنے والے مولوی فضل رسول بدایونی ہیں۔ اگر بدایونی علماء مولانا احمد رضا خان کی حمایت میں نہ رہتے تو شاید آج یہاں مولانا احمد رضا خان کو جاننے والا بھی کوئی نہ ہوتا مگر اختلاف پسندی کے اس جوش میں مولانا احمد رضا خان نے علماء بدایوں کو بھی نہ چھوڑا اور اختلاف کا ایک نیا موضوع نکالا۔ اس موضوع پر کہ جمعہ کی اذان ثانی جو مسجدوں کے اندر امام کے سامنے ہوتی ہے اسے مسجدوں کے باہر لایا جائے۔ آپ نے موجودہ رائج طریقے کو بدعت سیئہ ٹھہرایا اور اس کے مٹانے پر سو شہیدوں کے ثواب کی بشارت دی۔ اس میں اس تعامل امت کی بھی کچھ پروانہ کی کہ یہ عمل مسلمانوں میں صدیوں سے چلا آرہا ہے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت ایک غلطی پر جمع ہو جائے وہ اس بات کو بھی نہ سمجھے کہ امت کا اجماع معصوم ہے۔ جس طرح انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات سب علی الانفراد معصوم ہیں یہ امت علی سبیل الاجماع معصوم ہے۔ اس پر خدا کی حفاظت کا سایہ موعود ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ساری کی ساری امت ایک خلاف شریعت کام پر جمع ہو جائے۔

علماء بدایوں نے خیر آبادی علماء سے بھی استفسار کیا اور جواب فقہ حنفی کے مطابق مانگا۔ حضرت مولانا محمد معین الدین اجمیری نے القول الاظہر کے نام سے اس کا جواب لکھا مولانا احمد رضا خان نے اس کے جواب الجواب کا اعلان کیا مگر عملاً وہ جواب دے نہ پائے اور انتظار در انتظار کے باوجود القول الاظفر کا جواب کہیں دیکھا نہ جاسکا۔

مولانا احمد رضا خان نے اپنی ایک کتاب اجلی انوار الرضا کے بارے میں اچانک دعوے کر دیا کہ یہ القول الاظہر کا جواب ہے لیکن جس نے بھی القول الاظہر پڑھ کر اسے پڑھا وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس میں اور تو بہت کچھ ہے مگر القول الاظہر کا کوئی جواب اس میں نہیں ہے۔

ہمیں اس وقت اس مسئلے سے بحث نہیں یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان اپنے وقت کے ان علماء (جو علمائے دیوبند میں سے نہ تھے) کی نظر میں کیا تھے اور آپ کس علمی زبان میں بولتے تھے اور

ان کا اپنے مخالفین کے مقابل پیرایہ سخن کیا ہوتا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا معین الدین اجمیری کے یہ فقرات ملاحظہ ہوں۔

یہ قیامت صغریٰ جو محض ایک فرعی مسئلہ کی وجہ سے دنیا میں قائم ہوگئی ہے بدستور روپوش رہتی لیکن جبکہ یہ مسلمانوں کے ادبار کا زمانہ ہے بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا تھا۔ (القول الاظہر)

مسلمانوں پر یہ دور ادبار کون لائے؟ مولانا احمد رضا خان۔

اس اختلاف سے مولانا احمد رضا خان کا مزاج سمجھنے میں بڑی سہولت رہے گی آپ ان علماء میں سے تھے جو بات سمیٹنا نہیں چاہتے تھے بات بڑھانا چاہتے تھے اور بات اصول کی بھی نہیں محض ایک فروعی اختلاف پر بھی قیامت برپا کرنا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

یہ رائے کسی دیوبندی عالم کی نہیں ہے ایک ان کے ہم خیال عالم کی ہے۔ حق بات کہنے پر اللہ انہیں بہتر جزاء عطا فرمائے۔ پھر حق کہنے میں آپ نے مولانا احمد رضا خان کے ایمان میں بھی شک ظاہر کر دیا۔

" کیا کوئی سچا مسلمان اس حکم سے سرتابی کر کے یہ جرات کر سکتا ہے کہ تمام امت مرحومہ کو بدعتی قرار دے۔"

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مولانا احمد رضا خان تمام امت مرحومہ کا خلاف کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے اور وہ دل سے یہ بات نہ مانتے ہوں گے کہ پوری امت کسی باطل امر پر جمع نہیں ہو سکتی۔

یہ عقیدہ کن لوگوں کا ہے؟ کہ ساری امت بھی حق سے پھسل سکتی ہے شیعہ لوگوں کا جو سمجھتے ہیں کہ امت غلط طور پر حضرت ابوبکر کی خلافت پر جمع ہوگئی تھی۔ ہم اس پر یہاں کچھ کہنا نہیں چاہتے۔

پھر القول الاظہر میں یہ سرخی بھی ملاحظہ ہو۔

فاضل بریلوی کی حضرت مجددؒ کے کلام سے اجماع کو باطل کرنے کی کوشش

اجماع کو باطل کرنے سے کسی کے پاس کچھ نہیں رہتا حضرت ابوبکرؓ کی خلافت قرآن کریم کی حفاظت اسی اجماع کے سائے میں معصوم ٹھہریں ورنہ مسلمان عصمت اور ابدی حفاظت سے یکسر محروم ہو چکے تھے۔

مقلدین کے لئے نئے نئے استنباط درست نہیں

حضرت مولانا انوار اللہ فاروقیؒ نے حقیقۃ الفقہ میں اس پر بہت زور دیا ہے کہ آئمہ اجتہاد نے کتاب وسنت سے جو احکام مستنبط کر دیئے ہیں ان کو دل و جان سے قبول کر لینا چاہئے کوئی مقلد استنباط کے درپے نہ ہو۔

مولانا احمد رضا خان کے مزاج میں تھا کہ آئمہ فقہ کے فیصلوں کو ماننے کی بجائے قرآن وسنت سے نئے نئے استنباط کریں۔ خان صاحب مزاجاً اہلحدیث (غیر مقلد) تھے۔ حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ القول الاظہر میں انہیں اس بری عادت سے اس طرح روکتے ہیں:۔

کوئی مقلد استنباط کے درپے ہو جائے تو پھر فرمایئے اس میں اور غیر مقلد میں کیا فرق رہا۔ اس امر کا فاضل

بریلوی اوران کے اتباع کو بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ وہ سلسلہ استنباط کو یک لخت بند کردیں اوراپنی قدیم روش کو ہاتھ سے نہ دیں ورنہ آج تو یہ مسئلہ استنباط ہوا ہے کل دوسرے کی نوبت آئے گی پھر زور پکڑنے کے بعد یہ طغیانی کسی کے بس میں نہ رہے گی

مراد ما نصیحت بود و گفتیم...... حوالت باخدا کردیم ورفیتم

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل سنت کے لئے غیر مقلدین کے طریقے پر چلے آنا دینی مستقبل کے لئے سخت مضر ہے۔افسوس کہ مولانا احمد رضا خان کے پیروؤں نے بھی یہی عادت اپنائی اور جہاں وہ فقہ حنفی سے اپنا مسئلہ اور موقف نہ بتلا سکے وہاں قرآن وحدیث سے اپنا غیر مجتہدانہ استنباط کرنے لگے۔ان کے عوام جو مقلد اور غیر مقلد کے اصولی فاصلوں کو پہچان نہیں سکتے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے سارے مسائل قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اوران کی جب اپنے عوام سے بحث ہوتو دونوں طرف کے جہلاء میں ان آیات اوراحادیث پر اس طرح بحث ہوتی ہے کہ گویا امام ابو یوسف اورامام اوزاعی آپس میں بحث کرر ہے ہیں (استغفراللہ) اس صورتحال میں قرآن وحدیث کو عوام کے ہاتھوں میں دینے کا گناہ کس کے سر پر آئے گا؟ مولانا احمد رضا خان کے سر پر...... جو اپنے غیر مقلدانہ مزاج کے باعث اپنے عقائد اور مسائل فقہ سے نہیں لیتے براہ راست قرآن وحدیث سے استنباط اوراجتہاد کرتے ہیں۔بریلویوں کی کتابوں (جیسے جاء الحق اور مقیاس حنفیت) میں آپ کو یہی روش ملے گی جیسے کوئی غیر مقلد عالم بیٹھا ہے اور قرآن وحدیث سے نئے نئے استنباط کر کے اپنی بدعات ثابت کرر ہا ہے۔اب کون ہے جو ان جاہل مجتہدین کا سامنا کرے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ پوری امت کا تعامل شراب اور سود کی حلت پر ہو جائے؟ ہرگز نہیں یہ قطعاً نہیں ہوسکتا سود اور شراب اسلام میں حرام قطعی ہیں اوراس امت کا اجماع کبھی ان کے حلال ہونے پر نہیں ہوسکتا۔اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی باطل پر جمع نہ ہونے دیں گے لیکن مولانا احمد رضا خان اسے ممکن سمجھتے ہیں کہ امت کا تعامل ان کی حلت پر ہو جائے۔آپ کتب فقہ سے نقل کرتے ہیں:۔

الاترو انہم لوتعاملوا علی بیع الخمر اور علی الربالایفتی بانحل

مولانا احمد رضا خان اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ امت کا تعامل باطل پر بھی ہوسکتا ہے بشرطیکہ صدر اول سے نہ چلا آرہا ہو۔اس دلیل سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آج امت کا یہ تعامل کہ وہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر کہتے ہیں ایک امر باطل پر ہے اور یہ جائز نہیں۔ہم پوچھتے ہیں کہ اب جبکہ ساری امت اس پر جمع ہو چکی ہے کیا امت کا یہ اجماع نظام الٰہی میں معصوم درجے کا نہ ہوگا؟ مولانا احمد رضا خان اپنے جوش میں اس سے ساری امت کو باطل پر جمع ہونے کا الزام دے رہے ہیں۔ہم مولانا احمد رضا خان کی حجت اجماع کو کمزور کرنے کی اس تدبیر سے اتفاق نہیں کرتے۔

جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کا ردعمل:

پیر صاحب گولڑوی کو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمتہ اللہ سے خلافت ملنے سے پہلے سیال شریف سے خلافت مل چکی تھی۔ آپ نے بھی مولانا احمد رضا خان کے فتوے تکفیر پر دستخط نہ کئے بلکہ حضرت شاہ اسماعیل شہید کی کھل کر تعریف کی۔ حضرت مولانا اسماعیل شہید اور خیر آبادی حضرات میں امکان نظیر اور امتناع نظیر کا اختلاف تھا۔ پیر صاحب گولڑوی خیر آبادی حضرات کے ہمخیال تھے۔ حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف کی یہ عبارت آپ پہلے دیکھ آئے ہیں:۔

''اس مقام پر امکان یا امتناع نظیر آنحضرت ﷺ کے متعلق اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا مقصود ہے نہ تصویب یا تغلیط کسی کی فریقین اسماعیلیہ وخیر آبادیہ میں سے شکر اللہ تعالیٰ سعیھم راقم السطور دونوں کو ماجور ومثاب جانتا ہے'' (ضمیمہ رسالہ عجالہ بردو رسالہ وفتاوٰی مہریہ ص15)

شمالی پنجاب میں بگوی خاندان کے علماء

شمالی پنجاب میں بھیرہ وغیرہ کی مضافات میں بگوی خاندان کے علماء خاص شہرت کی مالک رہے۔ انکے مورث اعلیٰ مولانا احمد الدین بگوی حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔

آپ نے حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے خلاف مولوی فضل رسول بدایونی اور عبدالسمیع رامپوری کا ساتھ نہ دیا گو مولانا احمد رضا خان نے بھی مولانا اسمٰعیل شہید کی تکفیر نہ کی تھی لیکن مولانا احمد الدین بگوی جو بھیرہ کی تاریخی جامع مسجد کے جنوب میں دفن ہیں حضرت مولانا شہید کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اللہ کی راہ میں اپنے وطن کو چھوڑنے والا غازی اور اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے والا مولوی محمد اسمٰعیل ظاہر حال میں دنیا سے صاف و پاک ہو کے گیا ہے۔۔۔ جو کوئی ایسے عالم فاضل متبع سنت کے حق میں بدظنی اور کفر کا اعتقاد کرے وہ آپ ہی اسی بلا میں مبتلا ہے اور منکر ہے آیات واحادیث کا یا کلمہ حدیث اس کے حلق سے نیچے اترا ہی نہیں۔ (عشرہ کاملہ آٹھواں سوال فخر المطابع دہلی طبع 1272)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شمالی پنجاب کے علماء کبار نے بھی مولانا احمد رضا خان کا ساتھ نہ دیا۔ اس آخری دور میں بھیرہ کی علمی شہرت مولانا پیر کرم شاہ کے نام سے ہوئی ہے آپ علماء دیوبند کو صریح لفظوں میں اہل سنت کہتے ہیں۔ دیوبندی بریلوی اختلاف کو وہ اہل سنت کا داخلی انتشار سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ مقام رسالت اور ختم نبوت کے عقائد میں دونوں میں کلی موافقت ہے۔ آپ لکھتے ہیں

اس باہمی اور داخلی انتشار کا سب سے المناک پہلو اہل سنت والجماعت کا آپس میں اختلاف ہے جس

نے انہیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں۔ اللہ تعالی کی توحید ذاتی اور صفاتی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت قرآن کریم قیامت اور دیگر ضروریات دینی میں کلی موافقت ہے۔ضیاء القرآن جلد 1

پیر کرم شاہ صاحب نے ضیاء القرآن میں متعدد مقامات پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی تائید کی ہے اور مولانا احمد رضا خان کا نام شاید ہی دو مرتبہ سے زیادہ کہیں لیا ہو۔ ہم چند حوالے درج کرتے ہیں جہاں موصوف نے حضرت علامہ عثمانی کے حوالے دیئے ہیں۔

ضیاء القرآن جلد اول ص 492 ص 513 ص 620۔ جلد دوم ص 21 ص 163 ص 421 ص 684۔ جلد سوم ص 163 ص 203 ص 372 ص 419۔ جلد چہارم ص 81 ۔جلد پنجم ص 505 ص 598۔

حضرت شیخ الہند کا نام بھی جلد 1 ص 290 جلد 4 ص 519 پر لیا ہے

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کا ذکر خیر جلد 3 ص 587 جلد 5 ص 24 پر کیا ہے۔ محدث کبیر مولانا بدر عالم کا نام بھی جلد 4 ص 10 پر آیا ہے۔ علماء دیوبند کو یہ خراج تحسین کسی دیوبندی کی طرف سے نہیں دیا جا رہا یہ پیر کرم شاہ صاب کی طرف سے علماء دیوبند کا ایک علمی اعزاز ہے۔مولانا احمد رضا خان کا ذکر ضیا القرآن جلد 5 ص 600 اور جلد 4 ص 10 کے سوا شاید ہی کہیں ملے۔

پروفیسر مسعود احمد صاحب اپنے والد مولانا مظہر الدین کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت میں مختلف جماعتیں موجود ہیں مگر حضرت مولانا مظہر الدین نے خود کو کبھی کسی جماعت سے وابستہ نہیں فرمایا۔ حضرت کا مسلک تائید حق تھا خواہ وہ کسی جماعت میں ہو یہی وہ معتدل راستہ تھا جس کی وجہ سے ہر مکتب فکر کے لوگ حضرت کی بے انتہا قدر و منزلت کرتے تھے۔ (مقدمہ فتاوی مظہری)

کیا اب بھی کسی کو اس میں شک ہو سکتا ہے کہ دیوبندی حضرات عقیدہ اہل سنت والجماعت ہی ہیں اور اسے خود وہ لوگ بھی مانتے تھے جنہیں بریلوی لوگ اپنے بزرگ سمجھتے ہیں۔ یہ حالات مولانا احمد رضا خان کی بے بسی کی منہ بولتی تصویر ہیں کہ اہل علم کے کسی حلقے سے ان کے دین و مذہب کی کہیں تائید نہیں ہوئی کہ اہل سنت والجماعت کو مستقل طور پر دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

مولانا معین الدین اجمیری کا مسلک:

حضرت مولانا معین الدین اجمیری خیر آبادی اجمیر کے تھے دیوبند کے نہ تھے۔آپ امتناع نظیر کی تائید میں

عرفی کا ایک شعر نقل کرتے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ خیرآبادی مسلک کے تھے، مولانا اسمٰعیل شہید کے ہمخیال نہ تھے۔

روز یکه شمر دند عدیلش زمحالات تاریخ تولد بنو شکنند عدم را

بریلوی حضرات اسی وجہ سے مولانا معین الدین اجمیری کو اپنے اکابرین میں شمار کرتے ہیں کہ آپ امکان کے نہیں امتناع نظیر کے قائل تھے۔ مولانا محمد اشرف کچھوچھوی کے بیٹوں مدنی میاں اور ہاشمی میاں نے اپنے پرچہ ماہنامہ المیزان کا ایک نمبر مولانا احمد رضا خان کے بارے میں شائع کیا ہے۔ انہوں نے خیرآبادی حضرات کو اپنے علماء کی فہرست میں جگہ دی ہے۔ سو اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا احمد رضا خان کے بارے میں مولانا معین الدین اجمیری کی شہادت ایک غیر جانبدارانہ شہادت ہے۔ یہ شہادت علماء دیوبند کی نہیں خود ان حضرات کے اپنے گھر کی ہے۔ سو بریلوی حضرات جب حضرت مولانا اجمیری کے قلم سے مولانا احمد رضا خان کا تعارف کریں تو اس کی ایک ایک سطر کو درست اور سچ جانیں اور اسے ایک سلک نور سمجھیں۔ ہم یہاں صرف یہی کہیں گے ۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

کچھوچھوی برادران نے المیزان کے احمد رضا خان نمبر میں مولانا معین الدین اجمیری کا تعارف اس طرح کرایا ہے:۔

شمس العلماء حضرت مولانا معین الدین اجمیری، مولانا فضل حق مرحوم کی تحریک آزادی کے ممتاز رہنما تھے۔ مولانا مرحوم کا جو عزم جہاد انگریزوں کے خلاف تھا وہ آپ کی گرانقدر کتاب ''ہنگامہ اجمیر'' سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب بھی انگریزوں نے ضبط کر لی تھی۔ چند نسخے جو بچ رہے وہ آج بھی کہیں کہیں علمائے اہلسنت کے پاس پائے جاتے ہیں۔

ہاشمی میاں نے مولانا کو اپنے علماء اہل سنت میں جس اعزاز سے جگہ دی ہے وہ اپنی جگہ ظاہر ہے۔

بریلویوں نے اپنے اہل قلم حضرات کی ایک انجمن سنی رائٹرز گلڈ کے نام سے قائم کی ہے اس کے ایک رکن حافظ عبدالستار قادری نے اپنے علماء کی قلمی خدمات پر ایک کتاب مرآۃ التصانیف کے نام سے لکھی۔ یہ ان کی چودھویں صدی کی آخری تصنیف سمجھی جاتی ہے جو 29 ذوالحجہ 1400ھ کو شائع ہوئی۔ اسے حامد اینڈ کمپنی نے مدینہ منزل اردو بازار سے شائع کیا ہے۔ یہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی ایک علمی پیشکش ہے۔

جناب محمد صدیق ہزاروی رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ اس کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں:۔

تصانیف اہلسنت کی اس گرانقدر فہرست مرآۃ التصانیف کے نمبر شمار 710 اور 1139 میں مولانا معین الدین اجمیری کی بھی تالیفات کا ذکر کیا گیا ہے۔

آپ مولانا اجمیری کی ان کتابوں کو غور سے پڑھیں تو آپ کو ان میں مولانا احمد رضا خان کی صحیح تصویر نظر آ

جائے گی۔

حضرت مولانا معین الدین اجمیری نہایت مرنجان مرنج بزرگ تھے۔ انہوں نے مولانا احمد رضا خان کی علمی اصلاح کے لئے ''القول الاظہر'' جیسی بے مثال کتاب لکھی۔ مولانا احمد رضا خان نے ایک فتویٰ جاری کیا تھا کہ جمعہ کی اذان ثانی بھی مسجد سے باہر ہونی چاہئے۔ معلوم نہیں انہیں اس کی کیا ضرورت پڑی؟ صرف شوق اختلاف تھا جو مولانا کو ادھر لے آیا۔ جب پہلی اذان مسجد سے باہر ہو چکی تو اب اس اذان کے مسجد سے باہر لے جانے پر یہ اصرار کیوں؟ مقلد ہونے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود مولانا احمد رضا خان نے محمد بن اسحاق کی روایت سے مراقی الفلاح شرح نور الایضاح کے اس صریح فتوے کو مسترد کر دیا کہ جمعہ کی اذان ثانی اس طرح ہونی چاہئے جس طرح اقامت مسجد کے اندر ہوتی ہے اور اس پر سالہا سال سے امت کا جو قرار چلا آ رہا ہے اسے مسترد کر دیا۔ آپ کے بخیال علماء میں سے علماء بدایوں علمائے رامپور علماء دہلی اور خیر آبادی علماء خصوصاً اور حضرت مولانا معین الدین اجمیری وغیرہم نے مولانا احمد رضا خان کی پرزور تردید کی۔ حضرت مولانا اجمیری نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام ہے: القول الاظہر فیما یتعلق بالاذان عند المنبر

یہ رسالہ 46 صفحات پر مشتمل ہے 1369ھ میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔ مولانا احمد رضا خان اس رسالہ کی اشاعت اور اس کے دلائل کی متانت اور رزانت سے بوکھلا اٹھے اور پہلا یہ جھوٹ گھڑا کہ یہ رسالہ مولانا معین الدین اجمیری کی تالیف نہیں بلکہ یہ حضرت مولانا انوار اللہ حیدر آبادی کی تالیف ہے۔ مگر رسالہ پر ان کا نام نہیں مولانا اجمیری کا ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے اس کے جواب میں رسالہ ''اجلی انوار الرضا'' لکھا جس میں مولانا اجمیری کے القول الاظہر کا بزعم خود جواب دیا۔ اعلیٰ حضرت کے اس رسالہ میں القول الاظہر کا کہیں واضح جواب نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ انہوں نے کسی اور موضوع پر لکھا ہے اور جلدی جواب دینے کے دعوے کے لئے اب اسی کا نام القول الاظہر کا جواب رکھ دیا ہے۔ حضرت مولانا اجمیری نے پھر تجلیات انوار المعین لکھی۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:۔

''اجلی انوار الرضا جس کے متعلق خواب میں اعلیٰ حضرت کو بشارت ہوئی ہے کہ یہ القول الاظہر کا جواب ہے''

مولانا احمد رضا خان کا دعویٰ تھا کہ یہ ''اجلی انوار الرضا'' ''القول الاظہر'' کا جواب ہے۔ مولانا اجمیری کا خیال تھا کہ یہ محض اعلیٰ حضرت کا خواب ہے ورنہ کہاں مولانا احمد رضا خان اور کہاں مولانا اجمیری کے دلائل کا رد تاہم اس سے یہ بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا احمد رضا خان کس مزاج اور کس سلیقہ کے آدمی تھے۔ آپ جس کے بھی درپے ہوئے اس طرح ہوئے کہ آپ کا اختلاف علماء کا سا اختلاف نہ

رہتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ مولانا احمد رضا خان کسی دنگل میں کھڑے ہیں اور دوسرے کو اپنا علمی مقابل نہیں دشمن سمجھے ہوئے ہیں۔ آپ یہ نہیں دیکھتے کہ موضوع کیا ہے اور یہ کہ وہ خود کیا کہہ رہے ہیں بس ایک پہلوان کی طرح لٹھ لے کر کھڑے ہیں۔ خود کہتے ہیں:۔

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں خار ہے کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

قارئین کرام کچھ انصاف کیجئے بھلا یہ علماء کی زبان ہے یا علماء میں احقاق حق کا یہ کوئی عملی نمونہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے مولانا احمد رضا خان علماء کے نہج اختلاف سے بالکل ناآشنا تھے' نہ علماء کے ساتھ کبھی مل کر بیٹھے اور نہ وہ اس معرکہ کے آدمی تھے۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کہ ان کے اس شوق اختلاف نے بہت سے وہ موضوعات سامنے لا کھڑے کئے جو پہلے کبھی اختلافی نہ سمجھے گئے تھے۔ عوام میں انتشار پیدا ہوتا گیا اور علماء اعلام نے نئی فرقہ بندی کے اس دور میں ان موضوعات پر مستقل کتابیں لکھیں اور وہ مسائل اور نکھرے جو اس سے پہلے شاید ہی کسی وقت زیر بحث آئے ہوں۔

انہی میں حضرت مولانا معین الدین اجمیری صدر مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ کی تصنیفات القول الاظہر اور تجلیات انوار المعین ہیں۔ القول الاظہر میں اس مسئلے کا بیان ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد میں امام کے سامنے ہونی چاہئے یا مسجد سے باہر اور دوسرے رسالہ تجلیات انوار المعین میں خود مولانا احمد رضا خان کی صفات اور خصوصیات سے بحث کی گئی ہے جو شاید ہی وقت کے کسی اور عالم میں کبھی پائی گئی ہوں۔

مولانا معین الدین اجمیری پر مولانا احمد رضا خان کی جو حقیقت کھلی اس میں مولانا احمد رضا خان کی اپنی تحریرات کے علاوہ اس پاک خطہ زمین کا بھی بہت دخل ہے جہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ فروکش ہیں۔ مولانا اجمیری انہی کی درسگاہ میں صدر مدرس تھے۔ آپ کو وہاں مولانا احمد رضا خان کے بارے میں جو انکشافات ہوئے انہی کا نام تجلیات انوار المعین ہے۔ مولانا اجمیری انہیں اپنے انوار ہرگز نہیں کہہ رہے نہ وہ ایسا کہہ سکتے تھے ستائش خود بخود کردن نہ زیبد مرد دانا را۔ سو یہ حضرت خواجہ خواجگان سراولیائے چشت اہل بہشت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نور اللہ مرقدہ کے انوار ہیں جو بریلی کے ظلمت کدہ پر بڑی تیزی سے پڑے اور انہی نے "تجلیات انوار المعین" کا نام پایا۔ یہ پوری کتاب آپ کے سامنے آرہی ہے تاہم اس کے چند اہم عنوان ہم یہاں بھی آپ کے سامنے نمایاں کئے دیتے ہیں۔

پہلا انکشاف

پیروان احمد رضا خان ایک مختصر سی بے ہنگام جماعت ہے:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے فیض سے یہ راز کھلا کہ پیروان مولانا احمد رضا خان کبھی اکثریت میں نہ ہوں گے۔ یہ ایک مختصری جماعت ہے جو بالکل غیر منظم اور بے ترتیب ہے۔ انہیں کوئی علمی یا فکری سلیقہ حاصل نہ ہوگا۔ مولانا اجمیری بریلوی فرقہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''کچھ مختصری بے ہنگام جماعت' ہاں میں ہاں ملانے والی اور ہم کو (مولانا احمد رضا خان کو) مجدد ماننے والی سردست موجود ہے۔ اہل علم کے تسلیم نہ کرنے سے قادیانی کا کیا بگڑا جو اس کا خراب اثر ہم پر پڑے گا'' ہمارا نمبر تو قادیانی کے بعد کا ہی ہے ہم اس سے آگے کیسے ہو سکتے ہیں۔

دوسرا انکشاف

رسالہ غیر معروف شخص کا ہو تو صاحب مطبع سے الجھنا چاہئے:

مولانا معین الدین اجمیری نے احمد رضا خان کے مسئلہ کہ ''جمعہ کی دوسری اذان مسجد سے باہر دینی چاہئے'' کے خلاف رسالہ ''القول الاظہر'' لکھا جسے مولانا محمد انوار اللہ خان معین المہام امور مذہبی حیدر آباد دکن نے شائع کرایا۔ مولانا احمد رضا خان نے لکھا کہ القول الاظہر کے اصل مصنف مولانا انوار اللہ ہیں اور اپنے اس جھوٹ کی تائید میں لکھا۔

''رسالہ ایک غیر معروف شخص کے نام سے تھا اور لوح پر صاحب موصوف کی فرمائش سے طبع ہونا مکتوب مجاہیل اور جہلہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق'' (اجلی انوار الرضا ص 2) تصنیف کو اصل مصنف سے منسوب نہ کرنا عجب شان جہالت ہے جو اعلیٰ حضرت میں پائی گئی اور مجہول کس کو کہہ رہے ہیں؟ علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری کو...... جناب خواجہ قمر الدین سیالوی کے استاد محترم کو...... یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب نے مولانا حامد رضا خان کو سیال شریف آنے کی اجازت نہ دی تھی۔ آپ از خود دیوبند پہنچ گئے تھے۔

تیسرا انکشاف

مولانا احمد رضا لکھنؤ کے مشہور کوٹھوں پر:

مولانا معین الدین اجمیری' مولانا احمد رضا خان کی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں

''بارگاہ اعلیٰ حضرت سے وہ درفشانی اور گوہر باری ہوئی کہ خلقت حیران ہے کہ ان کا ظہور بارگاہ رضوی سے ہوا ہے یا لکھنؤ کے مشہور کوٹھوں سے'' گویا اعلحضرت انہی کی زبان بولتے تھے

چوتھا انکشاف

مولانا احمد رضا خان نے پیسے لگا کر اپنے ہمخیال بنائے:

مولانا معین الدین اجمیری لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کے خاص الخاص مشنریوں سے انصاف کی توقع اس لئے نہیں کی جاسکتی کہ ان کو اعلیٰ حضرت کی ذات سے منافع دنیوی حاصل ہیں۔ انہی پر ان کا کارخانہ زندگی چل رہا ہے اور اس لئے وہ دنیا کے قدر شناس علم وعقل سے پاک ومقدس ہر ایک کے تخاطب سے آزادی بخشنے کے لائق ہیں''

یہ چار تجلیاں ہم نے اپنی ترتیب سے لکھی ہیں۔ یہ دراصل حضرت خواجہ اجمیری کے فیض کی کرنیں ہیں جنہوں نے روحانی طور پر ہمیں مولانا احمد رضا خان کی حقیقت سے آشنا کیا ہے ورنہ ہم بھی انہیں مجدد مانے ہوتے۔ افسوس کہ بریلوی حضرات مولانا احمد رضا خان کو اپنے دنیوی فوائد (مولانا احمد رضا خان کو یہ دنیوی فوائد کہاں سے ملتے تھے؟ اس کے لئے مولانا احمد رضا خان کا وہ فتویٰ کافی ہے کہ انگریزوں سے اپنے دینی مدارس کے لئے گرانٹ لینا جائز ہے اور ان سے ترک موالات کرنا جائز نہیں) کے باعث بالکل نہ سمجھ سکے۔ مولانا اجمیری لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کے حواریو! لو آؤ ہم تم کو اعلیٰ حضرت کے کمالات سے روشناش کرائیں۔ تم نے ساری عمر ان کے ساتھ صحبت اور مخاطبت میں گزار دی پھر بھی ان کے کمالات سے بے خبر رہے۔ ہم پر صرف ایک ہی مخاطبت کی بدولت ان کے تمام کمالات وخصوصیات کا انکشاف ہو گیا''

اس کے بعد مولانا اجمیری نے مولانا احمد رضا خان کی یہ بارہ خصوصیات نمبر وار ذکر کی ہیں:

1- بند خلاصی: (جان چھڑانا) خود دعوے کر کے پھر اس بات پر آنا کہ فرعی احکام میں قطع وجزم کی کچھ حاجت نہیں۔

2- الزام بمالم یلتزم: دوسرا جس بات کو نہ مانتا ہو اسے زبردستی اس پر لازم لانا۔ آپ علماء دیو بند پر اسی راہ سے برستے گئے۔

3- مغالطہ دہی: آپ نے سد الفرار میں علماء بدایوں پر دور اسی راہ سے لازم کیا ہے۔ آپ مغالطہ دینے کے لئے عبارات میں قطع وبرید بھی کرتے تھے۔

4- بہتان طرازی: اس میں بقول مولانا اجمیری اعلیٰ حضرت بصارت اور بصیرت دونوں میں ضعف کا شکار ہیں۔

5- خروج از دائرہ بحث: اصل موضوع سے نکل جانا اور حاشئے کی بحثوں میں الجھ جانا آپ کا خاص فن ہے۔

6- مجادلہ: جب اپنے کئے کرائے پر پانی پھرتے دیکھا اور اپنے کو مجبور پایا تو مجادلہ کی راہ اختیار کر لی۔

7- حق پوشی: مولانا اجمیری نے اس میں مولانا احمد رضا خان سے قصداً اظہار حق نہ کرنے کی شکایت کی

ہے۔

8-بادبدتی: جب کچھ بن نہیں پڑتا تو ہوائی باتیں شروع کردیتے ہیں جس کی سند در کنار حوالے کا بھی اندراج نہیں ہوتا۔

9- کج بحثی: اعلیٰ حضرت جواب سے عاجزی کے وقت اس حربہ خاص کو استعمال کرتے ہیں۔

10-خلاف بیانی: اس سے مراد "نہ کہی ہوئی بات" دوسروں کے سر تھوپنا ہے۔ اجلی انوار الرضا میں خان صاحب اس طرح کرتے ہیں۔

11-افتراء و تحریف: مولانا اجمیری فرماتے ہیں' خان صاحب کی تالیفات کی بنیاد افتراء و تحریف پر ہے۔

12-خود فراموشی: خان صاحب اپنے مرتبہ کو فراموش کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور آئمہ پر اپنی ذات کو قیاس کر بیٹھتے ہیں۔

حضرت مولانا معین الدین اجمیری نے مولانا احمد رضا خان کی ان بارہ خصوصیات میں سے ہر ایک پر پورے بسط سے بحث کی ہے۔ ان کا کچھ مختصر سا مفہوم ہم نے ساتھ ساتھ نقل کر دیا ہے۔ یہ ان کے شخصی کمالات ہیں اس سے زیادہ کسی انسان کی ذات پر بحث نہ کرنی چاہئے کسی شخص کو اس کی عادات سے زبردستی نہیں روکا جا سکتا۔ حضرت مولانا معین الدین اجمیری نے انہیں علمی طور پر اپنے آپ کو پہچاننے اور اہلسنت (مقلدین) کی راہ پر لگانے کی نہایت مخلصانہ سعی کی ہے۔

حضرت مولانا اجمیری کی مولانا احمد رضا خان کو نصیحت

حدیث خواہ صحیح ہو یا ضعیف اس سے استدلال نہ تو ان کا منصب ہے اور نہ آئندہ ان کو سنی حنفی ہونے کی وجہ سے اس پر مصر ہونا چاہئے ورنہ سب سے بڑھ کر ان کو الزام دینے والی خود ان کی کتابیں اور ان کی تصانیف ہوں گی۔ (ص......)

یہ مولانا اجمیری کی تصریح ہے کہ مولانا احمد رضا خان ہرگز منصب اجتہاد کے نہ تھے۔ اب مولانا احمد رضا خان کے ان پڑھ پیروؤں کو بھی دیکھئے کس دیدہ دلیری سے وہ آپ کے لئے اونچا فقہی مقام ثابت کرتے ہیں۔

مولانا غلام رسول سعیدی ضیائے کنز الایمان میں لکھتے ہیں:

رہے ابن عابدین (علامہ شامی) اور سید طحطاوی تو اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاوے میں ان لوگوں کی متعدد فقہی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اس لئے ان کو اعلیٰ حضرت کے تلامذہ کے منزلہ میں ذکر کرنا واقعہ کے مطابق ہے مبالغہ نہیں ہے۔

ایک اہم فہمائش

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ہمارے قارئین حضرت مولانا معین الدین اجمیری کا وہ پورا رسالہ (القول الاظہر) مطالعہ فرمائیں جو مولانا احمد رضا خان کے اس غلط مسئلہ کے جواب میں لکھا گیا۔ اس سے آپ کو بخوبی واضح ہو جائے گا کہ مولانا احمد رضا خان کس طرح اتفاقی مسائل کو اختلاف سے بدلتے تھے اور کس طرح تعامل امت سے نکل کر غیر مقلد بننے کا ان کو شوق تھا۔ مولانا احمد رضا خان کی مسلکی پوزیشن آپ اس کے مطالعہ سے ہی معلوم کر سکیں گے۔ ہم اس کا کچھ مختصر خاکہ یہاں بھی پیش کئے دیتے ہیں تاکہ اس کی تفصیل میں جانے کے لئے یہ خاکہ آپ کی کچھ مدد کر سکے۔

اسلام میں اذان کا مقصد

اسلام میں اذان (1) اعلام غائبین کے لئے ہوتی ہے تاکہ دور دراز کے لوگ اسے سن لیں اور نماز کے لئے آسکیں اور یہ بھی جان جائیں کہ یہاں مسلمانوں کی آبادی ہے۔ سو ظاہر ہے کہ اذان اس مقصد کے لئے کسی اونچی جگہ پر ہی مسجد سے باہر ہو سکتی ہے۔

(2) جمعہ کی دوسری اذان انصات حاضرین کے لئے ہے کہ جو لوگ مسجد میں نماز جمعہ کے لئے آچکے انہیں علم ہو جائے کہ امام اب منبر پر آچکا ہے۔ اب سب حاضرین سلام و کلام سے مجتنب رہیں اور چپ رہیں۔ یہ اذان منبر کے سامنے دی جاتی ہے۔ یہ انصات منصتین کے لئے ہے۔ جمعہ کے لئے وہ اذان جو عام نمازوں کے لئے ہوتی ہے پہلے نہ تھی جس طرح عید کی نماز کے لئے اذان نہیں ہوتی ہے۔

جمعہ کے دن کوئی مسجد میں آئے تو ایک وقت انصات حاضرین کے لئے آئے گا اس وقت کے داخل ہونے پر اس وقت کا سب کو پتہ دینا دین فطرت میں موجود ہونا چاہئے۔ وہ وقت کب ہے؟ حضرت سلمان فارسی حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

ینصت اذا تکلم الامام۔ (صحیح بخاری جلد 1 ص 127)

(ترجمہ) جب امام بولنا شروع کرے تو حاضرین میں سے ہر ایک چپ رہے۔

سو اس انصات کے لئے یہ جمعہ کی دوسری اذان ہے جونہی یہ اذان ہوئی وقت انصات شروع ہو گیا۔ اب کسی کو بولنے کی اجازت نہیں۔ پنج وقتہ اذان اور جمعہ کی اذان میں یہی فرق ہے۔ پہلے دور میں جب مسلمانوں کی تعداد مختصر تھی یہی اذان جمعہ کی اذان تھی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے۔ جب مسلم آبادی بڑھ گئی تو دور کے لوگوں کو بتلانے کے لئے کہ جمعہ یہاں ہوتا ہے یا یہ کہ آفتاب ڈھل گیا ہے مسافر نماز ظہر پڑھ سکتے ہیں ایک اور اذان جاری کی گئی۔ اس سے یہ ضرورت پوری کرنی مقصود تھی اور سب صحابہ کے اتفاق

سے حضرت عثمان نے اسے جاری فرمایا۔ حضرت علیؓ نے بھی اس سے کوئی اختلاف نہ کیا۔
حضرت عثمان کا اسے قائم کرنا بتلاتا ہے کہ جمعہ کی وہ اذان جو منبر کے سامنے پہلے سے چلی آ رہی تھی یہ وہ اذان ہرگز نہیں جو پنجگانہ نمازوں کے لئے ان کا وقت داخل ہونے پر دی جاتی ہے۔ یہ دونوں قسم کی اذانوں میں ایک جوہری فرق ہے۔ جس کی وجہ سے ان دونوں اذانوں کا محل مختلف رکھا گیا پنجگانہ نمازوں کی اذان مسجد سے باہر ہوتی رہی اور جمعہ کی اذان منبر کے سامنے یہ اذان حضرت عثمان کے وقت سے مسجد میں ہو رہی ہے۔ پہلے جمعہ کا دن مسلمانوں کے لئے عید کی طرح تھا جس طرح نماز عید کے لئے اذان نہیں جمعہ کے لئے بھی بلانے کی اذان نہ تھی نہ اس کے لئے کبھی اس کی ضرورت محسوس کی گئی۔ یہ صرف انصات منصتین کے لئے تھی۔ جب مسلمانوں کی آبادی بڑھ گئی اور اسی طرح ان کی مصروفیات زیادہ ہو گئیں تو صحابہ نے ایک ضرورت کے لئے جمعہ کی پہلی اذان جاری کی۔ یہ اذان ان سنتوں میں سے ہے جو خلفائے راشدین کے عمل سے امت میں جاری ہوئیں۔ قرآن کو ایک کتابی شکل میں حضرت ابوبکر لائے حضرت عمرؓ نے تراویح کے لئے لوگوں کو ایک امام پر جمع کیا اور حضرت عثمان نے دور کے لوگوں کو نماز جمعہ پر متنبہ کرنے کے لئے جمعہ کی یہ پہلی اذان جاری کی۔ تینوں خلفائے کے ان کاموں کی پوری جماعت صحابہ نے بالا جماع تائید کی۔ حضور ﷺ کی یہ حدیث پہلے سے روایت ہوتی آ رہی تھی:

عليكم بسنتي وسنته الخلفاء الراشد بن المهديين

راشدین کے ان اعمال نے اس کو تکمیل بخشی۔

اس وقت ہمیں اس مسئلے سے بحث نہیں بتلانا صرف یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے کسی حلقے میں نہ جمعہ کی اس اذان اول کا انکار ہوا نہ جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد میں ہونے پر کسی نے لب کشائی کی۔ جمعہ کی اذان ثانی کو مسجد سے باہر کرنے کے لئے سب سے پہلے مولانا احمد رضا خان اٹھے اور حضرت عثمانؓ سے اختلاف کیا۔ جو مسئلہ شیعہ کے سوا کسی کے ہاں اختلافی نہ تھا اسے اختلافی بنا دیا نہ صرف اسے اختلافی بنایا کہ ہر ایک اس پر مثاب وماجور ہو سکے بلکہ اسے بدعت سئیہ قرار دیا کیونکہ اسے مٹانے والے کو آپ نے سو شہیدوں کے ثواب کی بشارت دی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بدایوں کے علماء مولانا احمد رضا خان کے خلاف اٹھے تو مولانا احمد رضا خان نے انہیں حمایت پدری کا طعنہ دیا کیونکہ یہ بدایونی علماء نسباً عثمانی تھے۔ خیر آبادی علماء میں مولانا معین الدین اجمیری نے اس مسئلہ میں مولانا احمد رضا خان کے خلاف القول الاظہر لکھا جس کا کوئی صحیح جواب مولانا احمد رضا خان سے نہ بن پڑا۔

حضرت اجمیری نے اس رسالہ میں مولانا احمد رضا خان کی اختلاف پسندی ان کی ضد ان کی علمی کمزوری اور ان کے اہل السنۃ کے مسائل مسلمہ سے نکلنے پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا احمد رضا خان صرف علمائے دیوبند کے ہاں ہی اہل سنت کے خلاف ایک نئے دین ومذہب کے جاری کرنے والے نہ تھے بلکہ خیر آبادی علماء کے ہاں بھی وہ ہرگز سنی حنفی طریق کے پابند نہ رہے تھے اور ضد اور ہٹ دھرمی نے انہیں کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا۔
انصاف نام کا کوئی لفظ ان کی لغت فکر میں نہ تھا۔

مخالفت کے جوش میں ہوش دے بیٹھنا

مولانا احمد رضا خان مخالفت کے جوش میں یہ بھی سوچ نہ پاتے تھے کہ میں اس باب میں پہلے کیا کہہ چکا ہوں۔
مثلاً مدرس حرم شریف نبوی مولانا عبدالقادر شبلی کے یہ القاب آپ خود حسام الحرمین میں لکھ چکے تھے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے ہاں علم وفضل میں بڑے اونچے آدمی تھے۔ احمد رضا خان لکھتے ہیں:۔
من فی العلم تصوروفی الدرس تقرر ودقق النظر وورد وصدر بتوفیق من القادر الشیخ الفاضل عبدالقادر توفیق الشبلی الطرابلسی
مگر جب مولانا عبدالقادر شبلی نے مولانا احمد رضا خان کے اس فتوے کو جو جمعہ کی اس اذان ثانی کے بارے میں تھا غلط قرار دیا تو مولانا احمد رضا خان نے انہیں احمق اور جاہل لکھا کہ یہ لوگ مخاطبہ کے لائق نہیں۔ ذرا اس جملہ پر غور فرمایئے۔
''مجاہیل یاجہلہ سے مخاطبت نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق''
اور یہ بھی لکھا: اول تا آخر اغلاط وخطا سے مملو جہل وسفاہت وافتراء وتناقض وخیانت وتناہی ومکابرہ کون سا کمال ہے جو گنتی کی ان سطروں میں نہیں۔
یہ وہ گمان فاسد ہے جس کی وجہ سے مولانا احمد رضا خان ہمیشہ اپنے کسی مخالف کو کبھی کوئی جواب صحیح دے نہ پائے اور ساری عمر یہ بدنامی اٹھائی کہ آپ کبھی اپنے کسی مخالف سے مناظرہ نہ کر سکے۔

القول الاظہر کے جواب میں اجلی انوار الرضا کا قابل منظر مؤقف

مؤقف اول

مولانا احمد رضا خان نے پہلا یہ مؤقف اختیار کیا کہ القول الاظہر جس کے نام سے چھپا ہے وہ اس کا مصنف نہیں ہے۔ یہ اصل میں حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی کی تالیف ہے۔ تو جب اصل مصنف یوں چھپے بیٹھا ہے تو وہ مجہول ٹھہرا۔ اب بتایئے مجہول کیا کسی جواب کے لائق ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ (اب ہمیں جواب دینے کی کیا ضرورت ہے)

حقیقت حال

حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی کی ریاست حیدر آباد میں مذہبی امور کے مدار المہام تھے آپ کی فرمائش سے القول الاظہر چھپا تھا۔ مصنف کا نام اس پر صریحا مکتوب ہے۔ اس پر مولانا احمد رضا خان کا یہ تجاہل عارفانہ اصل میں جواب سے گریز پائی کے لئے تھا۔

مولانا احمد رضا خان کبھی کسی عالم کے سامنے نہ آسکے

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان صرف علمائے دیو بند کے خلاف تھے۔ ایسا نہیں آپ اپنے وقت کے جمہور علماء کے خلف تھے۔ علماء کا وہ کون سا طبقہ ہے جس کی مخالفت آپ نے نہ کی ہو۔ علمائے دیو بند صرف اپنے مدرسہ کی وجہ سے زیادہ معروف ہو گئے کیونکہ اس وقت پورے ایشیا میں اس مدرسہ کی علمی عبقریت کی کہیں نظیر نہ تھی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اہل سنت کے ہاں رامپور' بدایوں' بریلی' میرٹھ' فرنگی محل اور دہلی کے علماء کی بھی ایک اچھی شہرت تھی اور مولانا احمد رضا خان کے ان مراکز کے علماء سے بھی شدت کے اختلافات رہے اور مولانا احمد رضا خان جس طرح کبھی علمائے دیو بند کے سامنے نہ آئے اسی طرح ان مراکز کے علماء کے سامنے بھی کبھی انہیں آنے کی ہمت نہ ہو سکی۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم آپ کو پون صدی پیچھے لے چلیں۔ اس وقت فرقہ رضائیہ صرف مولانا احمد رضا خان کے پیروؤں کو سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت کے جمہور اہلسنت علماء رامپور' علماء بدایوں' علماء میرٹھ اور علمائے دہلی مولانا احمد رضا خان پر وہابی ہونے کا فتوے دے چکے تھے اور مولانا احمد رضا خان اپنے علمی پیرائے میں غیر مقلدین کا مؤقف رکھتے تھے اور خلفائے راشدین کی قائم کردہ سنتوں کو سنت اسلام نہ سمجھتے تھے۔ یہ اذان جمعہ کا مسئلہ بھی انہی مسائل میں سے ہے جن میں مولانا احمد رضا خان نے کھل کر حضرت عثمان غنیؓ سے اختلاف کیا اور علماء بدایوں کو پدر پرستی کا طعنہ دیا۔ حالانکہ حضرت عثمانؓ کو خلفائے راشدین میں سے ماننا اہل سنت کی ضروریات مذہب میں سے ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے 1916ء کا ایک پرانا رسالہ ہلالی پریس دہلی کا چھپا ہوا رکھا ہے اس کا سال اشاعت 1916ء اس پر درج ہے۔ ہندوستان کے ایک قصبہ جاوہ ضلع نیمچ (گوالیار) کے شیخ محمد اس کے مرتب ہیں۔ شیخ محمد کا بندوقوں کا ایک کارخانہ تھا جس کی وجہ سے انہیں بندوق ساز کہتے تھے۔ مولانا احمد رضا خان ویسے ہی اس بندوق سے ڈرتے رہے اور انکے سامنے آنیکی ہمت نہ کی۔

ان کے اس رسالہ کا نام ہے: فرقہ رضائیہ کا مناظرہ سے فرار

اور اوپر بصورت ہلال یہ آیت لکھی ہے: کانھم حمر مستنفرہ فرت من قسورہ۔ (پ 29 المدثر 52)

(ترجمہ) گویا وہ بدکے ہوئے گدھے ہوں کہ شیر سے بھاگ رہے ہوں۔

اس رسالہ کے ص 6 پر لکھا ہے:۔

''انصاف سے دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ تمام دنیا میں فرقہ رضائیہ سے بڑھ کر کوئی دوسرا فرقہ نامہذب و سخت گو نہیں ہے ہم نے حضرت فخر المتکلمین مولانا مولوی معین الدین صاحب صدر آرائے مسند درس اجمیر شریف کی خدمت میں مناظرہ کے لئے عرض کیا اور انہوں نے منظور فرمالیا''

وقت کے علماء اعلام کس کے ساتھ تھے

اب اگر یہ مناظرہ ہوتو مولانا احمد رضا خان کے بالمقابل وقت کے سب علماء اعلام حضرت مولانا اجمیری کے ساتھ تھے۔ مناظرہ میں کہاں کہاں کے علماء ان کے ساتھ بیٹھیں گے اسے اس رسالہ کے ص 21 پر ملاحظہ فرمائیں:۔

''اگر یہ مسئلہ سچا اور حق ہے تو تم مولانا (احمد رضا خان صاحب) صاحب کو بلوا کر مناظرہ کراؤ ہمارے علماء رامپور' بدایوں' اجمیر شریف' بریلی اور دہلی سے آنے کو تیار ہیں''

اس سے یہ ہی سمجھ میں آتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان ان دنوں معتبر سنی علماء میں شمار نہ ہوتے تھے وہ نہ خلفائے راشدین کی سنت کو سنت اسلام سمجھتے تھے نہ وہ مقلدین کی کوئی ادا رکھتے تھے۔ غیر مقلدین کی طرح وہ قرآن وحدیث سے نئے نئے استنباط اور نئے نئے اجتہاد کرنے کے عادی تھے۔'

بایں ہمہ یہ حقیقت ہے کہ وہ کبھی اپنے کسی مخالف عالم کے سامنے بحث ومناظرہ کے لئے نہ آئے نہ آنے کی کبھی انہوں نے جرات کی۔ مولانا احمد رضا خان کے ایک معتقد مولوی عبدالکریم چتوڑی (اودے پور سے) اپنے مخالفین پر اظہار افسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کی شان بہت کم کردی ہے آپ لکھتے ہیں:۔

ایک فروعی مسئلہ میں ایسے زبردست جلیل القدر بقول علمائے حرمین امام وسید وفرد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کو بے ایمان' بے تقویٰ' بے عقل' بے حواس بتادیا۔ (رسالہ مذکور ص 15)

اعلیٰ حضرت کا جب یہ حال ہوگیا تو اب آپ ہی سوچیں کہ ان کے ساتھ پھر کون رہا ہوگا۔ اسے بھی لگے ہاتھوں دیکھ لیجئے۔ شیخ محمد بندوق ساز لکھتے ہیں:۔

''اس مسئلہ پر ہندوستان کیا بلکہ تمام روئے زمین ہماری ساتھی ہے ایک اعلیٰ حضرت ہی ہیں کہ منفرد ہیں۔ جب وہ تحقیق حق پر آمادہ ہوگئے تو ہمارے ہاں سے بھی جو وقت پر بن پڑے گا ان کا خصم ہوجائے گا اور بات محقق ہوجائے گی'' (ایضاً ص 14)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان کو اپنے وقت میں علماء دیوبند کے ماسوا اور علمائے اہلسنت کی حمایت بھی کہیں حاصل نہ تھی۔ اذان جمعہ کے مسئلہ اور حضرت عثمان غنی کی مخالفت نے انہیں پوری ملت

اسلامی سے الگ کر رکھا تھا۔ ہم کہاں تک تفصیل میں جائیں یہ آٹھ خط ہیں جو یکے بعد دیگرے مولانا احمد رضا خان کے معتقد مولوی عبدالکریم' مولوی عبدالسلام اور خود مولانا احمد رضا خان کو بھیجے گئے اور بار بار ان کو مناظرہ کے لئے بلایا گیا۔ علمائے اہل سنت کی اس للکار کے آگے اعلیٰ حضرت بالکل بے بس تھے۔ ہم قدرے یہاں ان کا کچھ تذکرہ کئے دیتے ہیں۔

1- پہلا خط جاود ضلع نیچ سے شیخ محمدؒ (بندوق ساز) نے قاضی فتح محمد اور مولوی عبدالکریم کے نام 12 جمادی الاول 1334ھ کو لکھا اور انہیں کہا کہ اعلیٰ حضرت کو جس طرح بھی بن پڑے' مناظرہ کے لئے لائیں۔

مولوی عبدالکریم صاحب نے 23 جمادی الاول کو اودے پور سے اس کا جواب دیا کہ ہم اذان جمعہ خارج مسجد پر مناظرہ کے لئے تیار ہیں لیکن مولانا احمد رضا خان کے برابر کا کوئی عالم لاؤ ان کے پلے کے عالم کے بغیر ہم کسی سے مناظرہ نہ کریں گے۔

2- دوسرا خط شیخ محمدؒ نے یکم جمادی الثانی کو لکھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے اس کا جواب ارسال کیا اور اجلی انوار الرضا کے مطالعہ کا مشورہ دیا اور بس۔

3- شیخ محمدؒ نے پھر 14 جمادی الثانی کو ایک خط لکھا جو واپس آ گیا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے رجسٹری وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ مناظرہ کے لئے اعلیٰ حضرت تیار نہ ہوتے تھے اور نہ وہ اپنے کسی کو نائب کو اپنی ہار جیت کا ذمہ دار ماننے کے لئے تیار تھے۔

4- ایک خط مولوی محمد اسمٰعیل بن علی جی نے 4 جمادی الاول کو براہ راست مولانا احمد رضا خان کو بھیجا اور ان سے بصد ادب مناظرہ کرنے کے لئے کہا' عام خلقت کی پریشانی کی دہائی دی۔ اعلیٰ حضرت سے ہزار منتیں کیں مگر اعلیٰ حضرت کو مسلمانوں کے حال پر کچھ رحم نہ آیا اور مناظرہ کے لئے تیار نہ ہوئے۔

5- ایک خط مولوی عبدالحمید صاحب نے مولانا احمد رضا خان کو 12 جمادی الثانی کو لکھا۔ اس کا جواب مولانا احمد رضا خان کے ایک معتقد مولوی عبدالسلام رضوی نے دیا مگر اس میں مولانا احمد رضا خان کی طرف سے کوئی ذمہ داری نہ دی گئی اور پشاور کے جس مولوی کو اپنا نمائندہ بنایا نہ اس مولوی احمد اللہ کا کوئی پتہ دیا نہ یہ بتایا کہ انہوں نے کس کی طرف سے یہ ذمہ داری قبول کی ہے اور کیا ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔ نہ انکی کوئی تحریر تھی کہ وہ مناظرہ کے لئے تیار ہیں۔

6- شیخ محمدؒ بندوق ساز نے پھر 22 مئی کو مولانا احمد رضا خان کو براہ راست ایک خط لکھا کہ خدارا پبلک کے حال پر رحم کریں اور مناظرہ کے لئے قصبہ جاود میں آئیں مگر خان صاحب نے بکمال ہمت وہ رجسٹری واپس کر دی اور سامنے آنے کی ہمت نہ کی۔

7- پھر 18 جمادی الثانی کو جناب اسمٰعیل چھیپ نے مولانا احمد رضا خان کو ایک خط لکھا اور ان کی بڑی

لجاجت کی کہ کسی طرح وہ جمعہ کی اذان ثانی پر مناظرہ کریں مگر انہیں شاید علم نہ تھا کہ اعلیٰ حضرت تو کبھی کسی عالم کے ساتھ مناظرہ نہ کرپائے تھے۔ جب وہ اس میدان کے ہی نہ تھے تو ان سے مناظرہ کرنے کی یہ بار بار درخواست بھی کی ان کی رگ حمیت میں ذرا ارتعاش پیدا نہ کرپائی اور اس کا نتیجہ یہ رہا کہ آج بریلویوں کی عام مسجدوں میں بھی جمعہ کی اذان ثانی حضرت عثمان کی سنت کے مطابق ہوتی ہے اور خود بریلویوں نے اس مسئلے میں مولانا احمد رضا خان کو عملاً غلط تسلیم کیا ہوا ہے۔

ہوسکتا ہے ہمارے قارئین یہ مطالبہ کریں کہ ہم ان خطوط کا مطالعہ خود کرنا چاہتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان اتنے بے بس رہے ہوں کہ علماء بدایوں' علماء رامپور' علماء میرٹھ' علمائے اجمیر' علمائے بریلی اور علمائے دہلی میں سے کسی کے سامنے نہ آسکے ہوں۔ ہم ان کی تسلی کے لئے وہ خطوط ساتھ دے رہے ہیں جو منشی فضل حسین کے اہتمام سے 1916ء میں ہلالی پریس دہلی سے چھپے۔ اس وقت فرقہ رضائیہ ایک مختصر سی جماعت تھی جسے حیدر آباد کے حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی' حضرت مولانا حکیم برکات احمد سرتاج علماء خیر آباد' مولانا علامہ معین الدین اجمیری' حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی' مولانا محمد حسین صاحب سیالوی' خواجہ ضیاء الدین سجادہ نشین سیال شریف کے نسبتی حلقوں میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔

ازاں بعد ہم القول الاظہر ہدیہ قارئین کریں گے جس میں جمعہ کی اذان ثانی پر اصولی درجہ میں ضروری دلائل دے دیئے گئے ہیں۔ مولانا احمد رضا خان نے اپنی کتاب اجلی انوار الرضا کو یونہی القول الاظہر کا جواب کہہ دیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا محمد معین الدین اجمیری کی تاریخی دستاویز تجلیات انوار المعین وجود میں آئی اور زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔ اس میں حضرت اجمیری نے تین تجلیات میں مولانا احمد رضا خان کو طشت از بام کردیا ہے۔ اس پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان' خیر آبادی علماء کی نظر میں کیا تھے۔

مولانا احمد رضا خان کو ایک اور پہلو سے بھی مطالعہ کیجئے۔

آگے ہم اس پر ایک دوسرے نقطہ نظر سے بحث کرتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان علماء بدایوں کی نظر میں کیا تھے؟

یہ صحیح ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد کرنے میں تمام علماء بدایوں' مولانا احمد رضا خان کے خلاف تھے اور مولانا احمد رضا ان سب کو اولاد حضرت عثمان غنی ہونے کے باعث پدر پرستی کا طعنہ دیتے تھے لیکن جس شخص نے کھل کر مولانا احمد رضا خان اور ان کے پیروؤں پر تاریخی تنقید کی وہ مولانا عبدالقدیر بدایونی کے حلقہ کے جناب ماہر القادری بدایونی ہیں۔ آپ گو علماء دیوبند کی مخالفت میں علماء بدایوں کے دیگر علماء کے ساتھ نہ رہے تاہم ان کے بریلوی طرز کے پہلے مشرب سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے بدایونی علماء کی

اس راہ کو کیوں چھوڑا اسے خود انہی کے الفاظ میں مطالعہ فرمالیں:۔

ایک بار حیدرآباد دکن میں مولانا عبدالقدیر بدایونی کی خدمت میں راقم الحروف نے عرض کیا کہ عرس کے موقعہ پر خاص طور پر اکثر زائرین قبروں کا طواف کرتے ہیں' قبروں کو چومتے ہیں' قبروں پر چادریں اور پھول چڑھائے جاتے ہیں' چادروں' گاگروں' پنکھوں اور صندل کے جلوس نکلتے ہیں' قبروں پر چراغ جلائے جاتے ہیں' عرضیاں لکھ کر قبروں کی جالیاں اور دروازوں پر لٹکا دیتے ہیں تو حضرت ان میں کیا کوئی فعل بھی بدعت نہیں ہے؟

مولانا نے تند و تیز لہجہ میں جواب دیا: ''بدعت صرف مولوی اشرف علی کا نام ہے'' اس پر مولانا ماہر القادری بدایونی لکھتے ہیں۔

بس اس دن کے بعد ان مسائل پر میں نے مولانا عبدالقدیر بدایونی سے گفتگو نہیں کی۔

قارئین اب ملاحظہ کریں کہ مولانا احمد رضا خان' مولانا ماہر القادری البدایونی کی نظر میں کیا تھے۔ قادری صاحب نے چونکہ ہر بات نہایت معقول پیرائے میں دلیل کے ساتھ بیان کی ہے اس لئے جو بریلوی حضرات ان کے ہمخیال نہیں' انہیں بھی قادری صاحب کے اس مضمون میں بہت مفید معلومات ملیں گی۔

جناب ماہر القادری صاحب کو اُردو ادب میں جو منفرد مقام حاصل ہے کوئی بریلوی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ہمیشہ ان کے مداح رہے سو نامناسب نہ ہوگا کہ ہم مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ قرآن کنزالایمان پر ان کی رائے لیں۔ اس سے ہمارے قارئین بیک نظر کنزالایمان کی تہ تک پہنچ جائیں گے۔

مولانا احمد رضا خان علماء ادب کی نظر میں

مولانا قادری بدایونی نے کنزالایمان کے بارے میں اپنی رائے صرف اپنے مطالعہ سے قائم نہیں کی دو بریلوی تحریروں کے تنقیدی مطالعہ سے آپ اس تحقیق پر پہنچے ہیں کہ یہ ترجمہ عصر جدید میں کوئی اہم دینی خدمت نہیں کر سکا۔ یہ دو تحریریں کن کن بزرگوں کی ہیں جنہوں نے کنزالایمان کے چھپے جوہر لوگوں کے سامنے آشکار کیے؟ (1) جناب ملک شیر محمد خان اعوان اور (2) مولانا غلام رسول سعیدی۔ اول الذکر نے محاسن کنزالایمان کے نام سے 56 صفحات لکھے اور ثانی الذکر نے ضیائے کنزالایمان کے نام سے 55 صفحات لکھے۔ پہلے بزرگ سے صرف ایک صفحہ پیچھے رہے یہ دونوں رسالے مرکزی مجلس رضا نے نوری مسجد لاہور سے شائع کئے اور یہ دونوں تمام ملک میں مفت تقسیم کیے گئے۔ یہ اس لئے نہیں کہ ان کا خریدنے والا کوئی نہ تھا بلکہ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ فیض ہر ہر گھر اور ہر ہر قریہ میں پہنچے۔ مولانا ماہر القادری البدایونی نے ان دونوں رسالوں کو سامنے رکھ کر ان پر تبصرہ کیا ہے۔

ضیائے کنز الایمان میں زیادہ بحث کنز الایمان پر نہیں مولانا غلام رسول سعیدی نے زیادہ جرح خود مولانا ماہر القادری البدایونی اور ان کی اُردو پر کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں زیادہ غصہ اس تبصرہ پر ہے جو مولانا ماہر القادری نے ملک شیر محمد اعوان کے رسالہ محاسن کنز الایمان پر کیا تھا۔ چونکہ قادری صاحب کے اعتراضات کو وہ نہیں اٹھا سکے وہ قادری صاحب کی اُردو کو زیر بحث لے آئے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ مولانا بدایونی نے ایک ماہر نقاد کے پیرائے میں ہر ایک اعتراض کا پورا جواب دیا ہے۔ وللہ الحمد۔

ہم یہاں ایک ضروری بات کی طرف توجہ دلائے بغیر نہیں رہ سکتے وہ یہ کہ قرآن کریم کے اُردو تراجم کے ان مباحث میں جتنے تراجم زیر بحث آئے ہیں وہ ماسوائے ترجمہ شیخ الھندؒ کے سب نئے تراجم ہیں۔ حضرت شیخ الھند اپنے ترجمہ میں آزاد نہیں وہ زیادہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (1230ھ) کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اب ملک شیر محمد اعوان یا غلام رسول سعیدی نے اس ترجمہ پر جو اعتراضات اٹھائے ہیں وہ صرف حضرت شیخ الھند پر نہیں لوٹتے وہ اس سے کچھ اوپر بھی جاتے ہیں اور ان حضرات تک جا پہنچتے ہیں جنہیں خود بریلوی بھی دینی علوم کی مرکزی شخصیتیں سمجھتے ہیں اور دراصل وہی حضرات ہیں جن کے تراجم کی روشنی میں بعد کے تراجم کو ان کی دینی صلابت اور اعتقاد میں دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے۔

حضرت شیخ الھندؒ کا اپنے اسلاف سے انتساب جس قدر قوی اور مضبوط تھا یہ اسی کی جھلک ہے جو ان کے ترجمہ قرآن میں دیکھی گئی ہے اور اگر اس جہت سے دیکھا جائے کہ ان جملہ تراجم میں سلف کے سب سے زیادہ قریب کون سا ترجمہ ہے تو سوائے ترجمہ شیخ الھند کے اور کوئی نام سامنے نہ آئے گا۔ جناب ماہر القادری البدایونی کی نظر اگر اس طرف نہیں گئی تو اس کی وجہ خود ان کا اپنا مسلک ہے جس میں بریلوی 98 فیصد غلط ہیں اور 2 فیصد وہ دیوبندی مکتب فکر کے بھی خلاف ہیں مثلاً ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:۔

ہم یہاں ان امور پر بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ہم یہاں صرف اس پر بحث کر رہے ہیں کہ ترجمہ کنز الایمان بدایونی حضرات کی نظر میں کیا ہے۔ جس طرح ہم نے پہلے اس پر بحث کی کہ مولانا احمد رضا خان خیر آبادی علماء کی نظر میں کیا تھے اور ان کا علمی اور اعتقادی مقام کیا تھا اب یہاں یہ بھی جان لیا جائے کہ جب سے مولانا احمد رضا خان نے جمعہ کی اذان ثانی کے موضوع پر علمائے بدایوں کو بدپرستی کا طعنہ دیا اور اس میں حضرت عثمان غنی پر بھی جرح کر دی اس کے بعد مولانا احمد رضا خان خود بدایونی علماء کے ہاں بھی کسی اونچے درجے پر نہیں رہے۔ ہاں ہماری اس بحث میں زیادہ تر توجہ اس پر ہے کہ ہمارے قارئین مولانا احمد رضا خان کو حضرت اجمیری کے نقطہ نظر سے زیادہ سے زیادہ سمجھ سکیں۔

ہم اس پہلو سے خان صاحب کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ آپ انہیں علم و تہذیب اور دیانت و امانت کی رُو سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

جرح کے مختلف وجوہ:

جرح کے وجوہ متعدد ہیں مگر مآل کار وہ دو عنوانوں میں آ جاتے ہیں۔ 1- دیانت کی طرح راجع ہوں گے یا 2- علم اور یادداشت کی طرف راجع ہوں گے۔ مولانا احمد رضا خان کی مندرجہ بالا بارہ خصوصیات ان کی دیانت اور امانت داری کو بری طرح مجروح کرتی ہیں۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ مولانا معین الدین اجمیری نے ان اوراق میں مولانا احمد رضا خان پر علم و فضل کے پہلو سے بھی سخت جرح کی ہے مثلاً:۔

1- نقض اور استفسار میں فرق نہ کر سکے۔

2- اعلیٰ حضرت فتویٰ نویسی سے نا آشنا ہیں۔

3- تقریری مقابلہ سے ہمیشہ گریز کرتے رہے۔

4- احمد رضا خان کے طالب علمانہ سوالات۔

5- رسالہ اجلی انوار الرضا مادھورام کی سی تحریر ہے۔

6- یہ جہل مرکب علم بسیط اعلیٰ حضرت کا مدار زندگی ہے؟

7- ایسے فحش گو کو مجدد تسلیم کرنا حماقت ہے۔

8- میدان میں آ کر خصموں کے حملے سہ نہ سکے۔

ضرورت ہے کہ ان دو علمی تحریروں اور ان کے مضامین عالیہ سے عصر حاضر کے اہل علم کو بھی متمتع کیا جائے تاکہ وہ جان لیں کہ مسائل کی اکھاڑ پچھاڑ میں انگریز حکومت کے دور میں کس طرح اعلیٰ حضرت اپنے وقت کے مجدد بنے۔ مولانا احمد رضا خان کی علماء دیوبند سے مخالفت ان رسالوں کا موضوع نہیں۔ ان کا موضوع یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان خود اپنوں کی نظر میں کیا تھے اور وہ اپنے اختلاف کے شوق کو کس طرح اپنوں پر بھی پورا کرتے تھے۔ اس سے نہ علمائے بدایوں بچے' نہ علمائے رامپور' نہ علمائے اجمیر اور نہ علمائے دہلی۔

مسلمانان اہل سنت اس طرح آپس میں تقسیم ہوئے کہ برصغیر میں اہل سنت کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا اور اہلسنت ہمیشہ کے لئے کئی دھڑوں میں تقسیم ہو گئے۔

مولانا احمد رضا خان کا سوانح نگار قاری احمد پیلی بھیتی لکھتا ہے:۔

''مولانا احمد رضا خان پچاس سال اسی جدوجہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ دو مستقل مکتب فکر قائم ہو گئے بریلوی اور دیوبندی۔ (سوانح اعلیٰ حضرت ص 8)

مستقل مکتب فکر سے مراد ہمیشہ کی تفریق ہے مگر ہم اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر لوگ مولانا احمد رضا خان کو ان کی ان صفات اور کردار کے آئینہ میں دیکھ لیں تو کبھی وہ ان کی پیروی نہ کریں۔

اہلسنت کو پھر سے متحد کرنے کے لئے مولانا احمد رضا خان کو قریب سے سمجھنا ضروری ہے۔ ہمارے خیال

میں عام لوگ جب مولانا احمد رضا خان کے مزاج کو جان لیں گے اور اس پر یہ غیر جانبدار شہادت ان کی نظر سے گزرے گی تو علمائے دیوبند کی مظلومیت فوراً ان کے سامنے کھل جائے گی اور اہل حق کا شیرازہ پھر سے بندھ جائے گا۔

ہمارے محترم دوست حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب مرحوم سابق استاد حدیث جامعہ مدنیہ لاہور نے بڑے شوق سے مولانا معین الدین اجمیری کے ان رسالوں کو دوبارہ کتابت کرایا۔ ہم تہ دل سے ان کے شکرگزار ہیں۔ اصل رسالوں میں جہاں عربی اور فارسی عبارات کا ترجمہ نہ تھا' قاری صاحب مرحوم نے خود ان کا ترجمہ بھی فرمایا۔ اب جبکہ قاری صاحب مرحوم اپنا خیمہ جنت میں لگا چکے ہیں ان کا یہ گوہر مراد منصۂ شہود پر آ رہا ہے۔ ہم انکے بھائی مولانا عبدالحفیظ کے بھی شکرگزار ہیں جنہوں نے وہ کتاب ہمیں دے کر ممتنن فرمایا۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ان کتابوں کی اس اشاعت کے ذریعہ دو اہل سنت و الجماعت کی ان دو جماعتوں کو پھر سے ایک کر دے اور مولانا احمد رضا خان کی فرضی کھڑی کی ہوئی نفرت کی دیواریں یکسر گر پڑیں۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

مناظرہ سے فرار کی افسوسناک داستان

مولانا احمد رضا خان نے ہمت ہار دی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرقہ رضایہ کا مناظرہ سی فرار

حسب فرمایش

جناب شیخ محمد صاحب بندوق ساز جاود ضلع نیمچ

منشی فضل حسین کی اہتمام سی

ہلالی پریس دہلی میں چھپا سنہ ۱۹۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نستعینہ و نصلی علی رسولہ الکریم- امابعد

جناب مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی نے (جن کو ان کے مریدین و معتقدین مجددمائۃ حاضرہ کہتے ہیں) بیٹھے بٹھائے ایک تازہ فتنہ کھڑا کر لیااور اسلامی دنیا میں ایک تلاطم برپا کر دیا آپ کو کسی طرح تحقیق ہو گیا کہ اذان خطبہ جمعہ بیرون مسجد دینا سنت ہے بس پھر کیا تھا مسلمان غضب میں آ گئے چاہیے تو یہ تھا کہ اجماع عالم دیکھ کر خود مرعوب ہوتے اور مسلک قدیم نہ چھوڑتے اور لا تجتمع امتی علی الضلالہ کی حدیث کو سمجھتے اور اتبعوا السوادا لا عظم پر کاربند ہوتے اگر اس پر عمل پیرا ہونے کی ان سے توفیق سلب ہو چکی تھی تو کم از کم یہ کرتے کہ اپنا دنیا سے نرالا مسلک دنیا کے سامنے پیش کر کے خاموش ہو جاتے اب اس کو اختیار تھا خواہ مانتے یا نہ مانتے لیکن انہوں نے تو یہ ستم کیا کہ اس فرعی مسئلہ کو اس قدر اہمیت دی کہ مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدل کو جائز رکھا ان میں نفاق و اختلاف کا بیج بویا- بہت جگہ نوبت زدوکوب کی پہنچی جمعہ کے دن بجائے سکون سے نماز جمعہ ہونے کے مسجد میں سب و شتم کا بازار گرم ہوا وہ مسجد جس میں بلند آوازی سے کوئی چیز تلاش کرنا گناہ' وہ مسجد جس کے احترام کے لئے بیع و شرا ممنوع ہو' وہ مسجد جس کی عزت برقرار رکھنے کے لئے دنیوی بعض مباح باتیں ناجائز ہوں اس میں علانیہ مار پیٹ کی نوبت پہنچی- شور و غل کا بے نکارن پڑا مسلمانوں نے ایک دوسرے کو خوب برا بھلا کہا مسجد کی توہین کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی- مسجدوں میں بازار کا نقشہ قائم کر دیا- غرض ایسی ان ہونی باتیں ہوئیں جو یقیناً گناہ کبیرہ اور خدا اور رسول کو برافروختہ اور غضبناک کرنے والی تھیں- ان سب باتوں کا ثواب یقیناً مجدد مائۃ حاضرہ کی روح پاک کو پہنچے گا- جن کی دم قدم کی برکت سے ایسے افعال ناشائستہ اور بزعم مجدد بریلوی ایسے افعال حسنہ ظاہر ہوئے کہ جن کا ثواب سو شہیدوں کے برابر ہے تاریخ سے اس

قدر تو ضرور پتہ چلاتا ہے کہ بعض سلاطین نے کسی عقیدہ خاص کے رواج دینے کے لئے جبر و سختی سے کام لیا ہے۔ مشہور مسئلہ خلق القران میں جو خلیفہ مامون الرشید عباسی کا ظلم و تشدد گروہ اہل حق پر ہوا ہے۔ اس کو ایک دنیا جانتی ہے۔ لیکن کسی فرعی مسئلہ میں کسی جابر سے جابر بادشاہ نے بھی جبر و تشدد روا نہ رکھا پس ان چودہویں صدی کے مجدد کو جو ایک قسم کے بادشاہ بے ملک ہیں کون سا حق حاصل ہے کہ مسئلہ فرعی میں اس قدر زور باندھیں کہ نہ ماننے والے کو کفر کے گھاٹ اتار دیں اگر اس قدر اہمیت ان کے ذہن میں آئی تھی تو جہاں انہوں نے تفسیق و تکفیر گھر بیٹھے تمام دنیا پر تقسیم کر دی تھی۔ وہاں یہ بھی گوارا فرماتے کہ خود بہ نفس نفیس سفر فرماتے اور ملک کے ہر گوشے میں پہنچ کر گم شدہگان راہ کو ہدایت فرماتے اور اگر کوئی مناظرہ پر آمادہ ہو جاتا تو جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَن پر کاربند ہو کر نہایت نرمی و ملاطفت سے اس کی تسکین فرماتے اس وقت ہم بھی جانتے کہ واقعی مجدد صاحب کو ایک مسئلہ حق کی تبلیغ منظور ہے۔ اعلیٰ حضرت یعنی بڑے حضرت صاحب نے نہ تو کوئی سفر کیا نہ زر و مال اس راہ میں صرف کیا نہ کوئی مناظرہ کسی سے کیا بلکہ گھر سے ایک قدم باہر نہیں نکالا تفسیق و تکفیر تو سب کچھ ہوئی لیکن یہ توفیق نہ ہوئی کہ تکلیف جسمی گوارا کر کے کسی متردد کا رفع تردد فرماتے اور اگر خود بہ نفس نفیس نہیں جا سکتے تھے تو کسی کو اپنی طرف سے وکیل مقرر فرما کے مناظرہ کے لئے بھیجتے یہ بھی اگر نہ ہو سکتا تھا تو جو حضرات خود بریلی حاضر ہو کر مناظرہ طلب کرنا چاہتے تھے ان کو تو لبیک کہتے اگر ایک دفعہ ان کی یک لخت عرض معروض بارگاہ تجدید تک نہ پہنچی تھی تو ان کی مکرر و سہ کرر درخواستوں پر توجہ رہتی ہوتی خدا کی شان یا تو یہ شوراشوری کہ اس مسئلہ پر سو شہیدوں کا اجر بانٹ دیا اور اسکے منکرین کو تکفیر تک کا تمغہ پہنا دیا اور یا ایسی چپ سادھی کہ چاروں طرف سے مناظرہ کی درخواستیں بارگاہ بریلی میں پہنچ رہی ہیں لیکن مجدد صاحب ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے خط پہ خط اور رجسٹری پہ رجسٹری بھیجی جا رہی ہے لیکن اس کا نتیجہ بجز اس کے کہ مجدد صاحب نے رجسٹری واپس کر دی اور جواب طلب خطوط کے ٹکٹ رکھ لئے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں

آپ کے متبعین آپ سے بھی بڑھ کر شور مچانے والے حضرات ہیں اور حق پر بجلی گرا دینے میں اپنے پیر سے بھی زیادہ مشاق پہلے تو خوب تعلیاں کیں کہ ہم مناظرہ کے لئے تیار ہیں اور جب اہلِ حق نے آمادگی ظاہر کی تو لگے ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے اور لوگوں کو برا بھلا کہنے۔ نظیراً قصبہ جاود ضلع نیمچ کا یک واقعہ موجود ہے کہ بریلوی مجدد صاحب کے متبعین نے چاہا کہ تعامل قدیم کو درہم برہم کر دیں اور مجدد صاحب کی سنت کو بجائے سنت رسول اللہ ﷺ قصبہ جاود میں قائم کریں تو مسلمانوں کی حمیت اسلامی نے اس کو کسی طرح گوارا نہیں کیا اور سنت قدیمہ نبویہ متوارثہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اس پر جنگ و جدل کی نوبت پہنچی اور مسجد کی توہین میں مقلدین بے بصر نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اخر کار حکومت کی طرف سے ان کی ضمانتیں اور مچلکے لیے گئے اور یہی فیصلہ کیا گیا کہ جس طرح قدیم سے عملدر آمد ہے وہ برقرار رکھا جائے اس فیصلہ پر ان کے دلوں میں آتش حسد موجزن ہوئی اور طرح طرح کے اندرونی فسادات برپا کرنے شروع کئے اہل حق نے ان کے سرگروہ مولوی عبدالکریم صاحب چتوڑی کو مناظرہ کا نوٹس دیا کہ کسی طرح باہمی مسلمانوں میں اس مسئلہ کا تصفیہ ہو کر اس جنگ کا خاتمہ ہو جائے پہلی مرتبہ تو مولوی صاحب نے اس کی طرف آمادگی ظاہر کی اور اسی بنا پر یہاں مناظرہ کے لئے پورا انتظام کر لیا گیا اور تمام مصارف آمدورفت و تواضع مہمانداری اپنے ذمہ لی۔ لیکن اخیر میں مولوی صاحب نے گریز کا پہلو اختیار کیا اور اس کی ترکیب یہ نکالی کہ رفتہ رفتہ شرائط بڑھاتے گئے۔ ہم نے اس پر عمل کر کے کہ دروغ گو را تاخانہ باید رسانید ان کی جملہ شرائط کو منظور کرتے گئے وہ سلسلہ خط و کتابت بھی کیا دلچسپ ہے کہ جس میں ان کی شرائط بڑھتی جاتی ہیں اور ہماری طرف سے ان کی منظوری ہوتی جاتی ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کسی طرح یہ معاملہ ٹلتا نظر نہیں آتا تو یاوہ گوئی وہرزہ درائی کی بنیاد ڈالی اور ایسے ایسے کریہہ و ناشایستہ الفاظ تحریر کئے کہ جس کا وہم و گمان بھی نہ تھا مختصر یہ ہے کہ کنجڑے قصائیوں کو مات کیا۔ لیکن اہل حق نے اس پر بھی مولوی عبدالکریم صاحب کا پیچھا نہ چھوڑا اور ـــ

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خارا

پر کارمد ہو کر پھر ان سے ممنت و لجاجت عرض کیا کہ خدا کے لئے ہم تشنگان ہدایت کو اپنے آب زلال فیض سے سیراب کیجیے سو اس کا نہایت سخت ترین جواب آتا ہے اور وہ ہماری تمام تمناؤں کا خاتمہ کر دیتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ -اب ہم کو کچھ نہ لکھو طبع نازک ہرگز اس کی متحمل نہیں ہے اور اگر آئندہ اس کی بابت تحریر کی تو وہ بے تامل چاک کر دی جائے گی- اے بریلوی مجدد کے متبعیوں تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اسقدر اتراتے کیوں ہو تمہیں کس چیز نے کپے کی طرح پھلا رکھا ہے اور اے رضا خانیو! جب کہ آخر الامر تم کو ندامت اٹھانا پڑتی ہے تو تم پہلے ہی سے اس کا خیال کر کے چپ کیوں نہیں ہو جاتے کیوں اہل حق سے دست و گریباں ہو کر آخر میں پشیمانی و ندامت اٹھاتے ہو کیا تم کو اس میں کوئی لطف آگیا ہے کیا حیا و شرم سے تم کسی قسم کا رشتہ و ناطہ رکھنا نہیں چاہتے کیا تم اپنے کو ایسا ثابت کرنا چاہتے ہو کہ مہذب دنیا میں کوئی تم کو نظر و قعت سے نہ دیکھے اب تو خدارا سمجھ لو کہ دیکھو تمہارے پیر و مرشد نے تم کو کسی قسم کی مدد نہیں دی وہ پیر و مرشد کہ جو مدت العمر تم سے مجدد المائۃ الحاضرہ کہلاتا رہا اور جس کو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت جیسے ضخیم الفاظ سے یاد کرتے رہے اور جس کو حامی سنتہ طاہرہ کہتے رہے اور جس کی بدولت تم نے اپنے زر و مال میں خسارہ اٹھایا اور جان کو تباہی میں ڈالا اور اپنی عزت و آبرو اس پر نثار کی- آج وہ تم کو ذلت کے گڑھے میں گرتا ہوا دیکھ کر کسی قسم کی مدد نہیں دیتا ہے اب تو اس کا کلمہ پڑھنا چھوڑ دو اور سمجھ لو کہ وہ اپنی غرض کے سامنے تمہارے اغراض کو پامال کرنے میں مشاق ہے-

اس سے ہرگز امید وفا نہیں ہو سکتی بس تم کو بھی چاہیے کہ ایسے شخص کا بائکاٹ کر دو اور اپنی جماعت سے نکال باہر کرو تاکہ مہذب دنیا میں تم منہ دکھانے کے قابل ہو جاؤ- یہ کوئی دانشمندی کی بات نہیں ہے کہ ایک شخص کی خاطر ایک پوری جماعت رسوائی کا ٹیکہ اپنے ماتھے لگائے اور اس کی ندامت و ذلت کا حصہ ہائے سارا بار ذلت و

ثقل مذلت اس پر ڈال کر سبکدوش ہو جاؤ اور خدا اور رسول ﷺ مسلمانوں کے سامنے سرخرو ہو جاؤ تمہاری طبع کی ضیافت کے لئے ہم یہ خطوط ترتیب وار شائع کرتے ہیں جس سے تم کو واضح ہو جائے گا کہ پہلے تو کیا شورا شوری اور زور ازوری تھی اور اخیر میں کیا بے نمکی رہی تم خصوصیت سے ان کی غیر مہذب تحریروں کو ملاحظہ کرو اور انصاف سے دیکھو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ تمام دنیا میں فرقہ رضائیہ سے بڑھ کر کوئی دوسرا فرقہ نامہذب و سخت گو نہیں ہے۔

ہم نے حضرت فخر المتکلمین مولانا مولوی معین الدین صاحب صدر آرائی مسند درس اجمیر شریف کی خدمت میں مناظرہ کے لئے عرض کیا اور انہوں نے منظور فرمالیا تو مناظرہ کی سلسلہ جنبانی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا۔

پہلا خط جو جاود سے برائے طلبی مناظرہ لکھا

مجی مخلصی قاضی فتح محمد و مولوی عبدالکریم صاحب زاد محبتکم بعد سلام سنت الاسلام کے واضح رائے ہو کہ یہاں پر خیریت و خیر و عافیت آپ کی رات دن درگاہ الٰہی سے نیک چاہتا ہوں حال یہ ہے کہ یہاں پر جو مسئلہ اذان ثانی جمعہ کے متعلق ایک عرصہ سے باہمی نزاع و فساد ہو رہا ہے اور طرح طرح کی آپس میں بد زبانیاں ہو رہی ہیں اور اس مسئلہ کا اس وقت تک تصفیہ نہیں ہونے کا جب تک حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب و دیگر علماء کے درمیان میں مباحثہ ہو کر حق ناحق تمام لوگوں کو معلوم نہ ہو جائے۔ اس واسطے میری و دیگر برادران اہل سنت و الجماعت حنفی المذہب کی منشا دلی یہی ہے کہ تاریخ جلسہ مباحثہ کے لئے جاود میں مقرر کر دیں۔ اور تاریخ مقرر کر کے جناب مولانا احمد رضا خان صاحب کے پاس سے تحریر مہری دستخطی منگوا دیں کہ فلاں تاریخ کو ہم ضرور آجائیں گے۔ تحریر آنے کے بعد ہمارے بھی علماء کو آگاہی دے دیں تاکہ تاریخ معینہ پر علماء تشریف لے آویں۔ اگر مولانا احمد رضا خاں صاحب تشریف لے آویں گے اور مسئلہ حق معلوم ہو جائے گا تو ہم شوق سے اس پر عمل کرنے کو تیار ہیں اگر مولانا صاحب بذات خود

تشریف لا کر اس نااتفاقی کو مسلمان بھائیوں سے دور فرمادیں گے تو ہزاروں شہیدوں کا ثواب ملے گا کیونکہ اس مسئلہ کی اصلیت معلوم ہونے سے آپس میں جو رات دن غیبت اور حسد و بغض کا بازار گرم ہو رہا ہے وہ دفع ہو جائے گا ورنہ سو شہیدوں کے ثواب کے بدلے میں ہزاروں گناہ نامہ اعمال میں جمع ہو جائیں تو کیا عجب ہے۔ مکرر عرض ہے کہ آپ جس تاریخ کا اعلان ہم کو دیں گے ہم اسی تاریخ کو مکمل انتظام کر لیں گے مگر اول ہمارے پاس مولانا احمد رضا خانصاحب کی تحریر دستخطی یا مہری آجانا چاہیے۔ آپ کی طرف سے تحریر آنا ضروری اور لازمی امر ہے فقط والسلام۔

مرسلہ محمد مدوق ساز قصبہ جاود ضلع نیمچ تاریخ ۱۲ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ

پہلے خط کا جواب' ملاحظہ ہو رضائیوں کی تہذیب

احسن المشاورۃ فی جواب اعلان المناظرہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

تسلیم۔ چتوڑ سے دوست کا خط پہونچا اس میں تحریر ہے کہ ایک لفافہ مقام جاود سے محمد مدوق ساز صاحب کی جانب سے اور فتح محمد کے نام پر دوبارہ تحریک مناظرہ آیا ہے اس میں تحریر ہے کہ مسئلہ متنازعہ فیہ یعنی اذان کے متعلق مناظرہ کے لئے نہ صرف آمادگی بلکہ مولوی احمد رضا خانصاحب کا دستخطی خط منگوادو تاکہ ہمارے مولوی جاود میں مناظرہ کر لیں کہ حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ لہٰذا جواباً عرض ہے کہ اگر واقعی احقاق حق کی نیت ہو تو اس سے بڑھ کر اور کیا انصاف ہو گا۔ حمد اللہ ہم تو پہلے ہی سے اپنی تسلی کئے بیٹھے ہیں۔

باایں ہمہ دو مرتبہ آپ کے پیرو مرشد خداوند نعمت جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول کے حضور میں بھی حاضر ہوئے تھے کہ اگر خدانخواستہ ہم ناحق پر ہوں اور مولانا موصوف ہم کو اپنی غلطی سے آگاہ فرمادیں تو ہم فوراً رجوع کر لیں مگر دونوں مرتبہ کے مکالمہ سے ثابت ہو گیا کہ مخالفین کے پاس کوئی دلیل قوی تو کیا ضعیف بھی نہیں۔ بالخصوص چتوڑ کے مسجد کے جلسہ میں علاوہ فریقین کے دوسرے

لوگ بھی موجود تھے جو حال گزرا معلوم ہے۔ آخر اٹھتے اٹھے آپ کے حضرت نے فرمایا کہ سعایہ شرح شرح وقایہ میں مولوی عبدالحی لکھنوی نے (جن کو اپ کے مرشد صاحب دس منٹ پیشتر ہمارے استناد کے وقت غیر مقلد فرما چکے تھے) معتبر کتاب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ اذان آہستہ کہنا چاہیے اور یہ انصات حاضرین کے لئے ہے۔ ہم نے اس معتبر کتاب کا نام دریافت کیا تو فرمایا کہ اس وقت یاد نہیں وطن جا کر نام اور پوری عبارت لکھ دوں گا۔ آج تک انتظار ہے ہنوز صدائے برنخاست اے کاش اپنے وعدہ ہی کا خیال فرما کر عبارت نہ سہی اس معتبرہ کا نام ہی لکھ بھیجئے خیر کیا کہیں وہ بزرگ ہیں ہمارا کام توہین کرنے کا نہیں شاید اس عدم ایفاء عہد ہی میں کوئی مصلحت ہو گی۔ فِعْلُ الْحَكِيْمِ لا يَخْلُو عَنِ الْحِكْمَةِ اب رہی آپ کی استدعاء مناظرہ' اس کے لئے گزارش ہے کہ آپ شرائط مناظرہ سے اور تعریف مناظرہ سے ناآشنا ہیں کہ مناظرہ کی دعوت اور پھر اتنی غفلت کہ خصم سے دستخطی تحریر منگا دیں اور اپنی تحریر میں مقابل کا نام نہ لادیں۔ اگر مناظرہ ہی کا شوق ہے تو ذرا مناظرہ کی تعریف اور معنی کا لحاظ کرتے ہوئے فرمائے کہ وہ کون بزرگ چھپے رستم ہیں جو آپ کے پیر صاحب سے بھی علم و فضل میں بڑھ کر ہیں اعلیٰحضرت عظیم البرکت فرید الدہر علامہ زمان کو اپنا خصم بنانا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے ان کے نام مجہول کو ظاہر کیجیے اور علامہ موصوف کے برابر فضل و کمال ور منصب میں ہونا بتلایئے بلکہ آپ اپنے استدعاء مناظرہ کو واقعی استدعاء مناظرہ کر دکھلایئے۔ مناظرہ کی تعریف سے آپ ناواقف ہیں تو ہم بتلائے دیتے ہیں وهو هذا المناظرة توجه المتخاصمين فى النسبة بين الشئين اظهاراً للصواب اور یہ آپ کو ہرگز مقصود نہیں بلکہ آپ کی تحریر تو مجادلہ کی تحریک ہے آپ مجادلہ کو بھی نہ جانتے ہوں تو ہم جتواتے ہیں المجادلة هى المنازعة لا لاظهار الصواب بل لالزام الخصم اور یہ شرعاً ناجائز لہذا اس کا اقدام موجب حرام۔ بھلا اہل حق کو اس سے کیا کام آپ کو مناظرہ منظور ہوتا تو ایسی تحریر ہی نہ بھیجتے جو سراپا لغویات مہملات فضولیات پر مبنی ہے ہم پھر

آپ کو مجادلہ سے منع کرتے ہیں کہ اس خیال باطل کو چھوڑیے اور احقاق حق کی طرف آیئے ہاں ہاں اگر اہل حق کے دلائل سننے کا شوق ہے اور شیر ان شرزہ کے حملہ کی تاب ہے بسم اللہ تیار ہو جایئے۔ پہلے مقابل کی خبر لایئے اور شرائط مندرجہ ذیل کو منظور فرمایئے ورنہ تحقیق حق کو بدنام کرتے ہوئے شرمایئے اور آئندہ ایسی مہملات سے باز آیئے شرائط یہ ہیں۔

(۱) حضرت قبلہ مولانا فاضل بریلوی کے مقابل اپنا فضل و کمال و منصب ان کے برابر بتلانا ہوگا ورنہ شرط اول ہی فاسد خیر ہم آسانی کرتے ہیں ہاں آپ کے بڑے بڑے پچاس فاضل اور ہمارے بریلی کے دو طالب علم ہی کی ٹھہر جائے مولانا بغیر شرط پوری ہو جانے کے تشریف نہیں لا سکتے۔

(۲) حق نما فیصلہ کے مشہور و معروف ساٹھ سوالات جن میں شرق سے غرب تک کے علماء کو خطاب اور ان کا جواب موجب صواب پہلے لکھنا ہوگا۔ کیونکہ اس کا پہلے سے عام طور پر چھاپ کر شائع ہو چکا ہے۔ بغیر ان کے جواب دیئے ہوئے کسی کو قابل خطاب نہ تصور کیا جائے گا۔

(۳) خرچہ آمد و رفت کا و دیگر انتظامات علماء کا آپ کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ داعی آپ بنے ہیں اور آپ اب تحقیق حق کرنا چاہتے ہیں۔ ہم پہلے ہی سمجھے ہوئے ہیں۔ ہم کو غیر اہم کام کے اندر صرفہ کرنے کی ضرورت نہیں ہاں آپ کو لازم کیونکہ تلاش حق مقتضیات دین سے ہے۔

(۴) اگر جاود ہی میں جلسہ کا ارادہ ہو تو پہلے گوالیار سے ایک کوتوال اور کافی انتظامات کے لئے پولیس کی منظوری اور فریقین کی گفتگو سننے کے لئے کونسل کے دو ممبر کی منظوری لایئے اور حکم کی نقل معہ نمبر ہمارے پاس روانہ کر دیجئے۔ جاود کے حکام کا انتظام ہرگز نہ کیا جاوے گا۔ پہلے جو جو گل کھل چکے ہیں وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔

(۵) کتابیں اصول فقہ کے مثل توضیح تلویح۔ شرح مسلم الثبوت وغیرہ درسی وغیر درسی فقہ میں ہدایہ و شامی۔ فتح القدیر وغیرہ متون و شروح اکثر۔ حدیث میں

علاوہ صحاح ستہ طبرانی- شرح معانی الآثار- دار قطنی - جمع الجوامع وغیرہ- تفاسیر میں- کبیر- خازن- احمدی-معالم- جُمل- بیضاوی - مدارک وغیرہ- لغات میں صراح- قاموس- صحاح - مجمع البحار وغیرہ اصول حدیث میں- شرح نخبۃ الفکر - تقریب التقریب- ودیگر اسماء الرجال کی کتابیں قبل از مناظرہ جلسہ میں مہیا کرنی ہوں گی-

(۶) گفتگو کے وقت تمام مجمع کو سوائے متکلمین کے بلکہ ان میں سے بھی دو بولیں گے باقی کو چپ رہنا ہوگا اور دونوں کی گفتگو بھی من و عن قلمبند ہوگی اور دونوں سے ان پر دستخط کرائے جاویں گے- تاکہ انکار کی گنجائش نہ رہے

بعد گفتگو جو حق ثابت ہو اس پر سب کو عمل کرنا ہوگا- یعنی اگر آپ کے موافق ہوا تو ہم اذان اندر دلوائیں گے ورنہ آپ کو ہر گاؤں میں جو آپ کے تعلق کے ہوں باہر دلانا ہوگا فقط

اگر یہ شرائط منظور ہیں تو فوراً آپ کے تمام عمائد سے دستخط کرا کر تحریر روانہ فرمایئے اور بالخصوص شرط رابع کی تکمیل کی منظوری گوالیار سے کرا کر اس کی نقل ہمارے پاس بھجوا دیجیے- بصورت اول حضرت فاضل بریلوی کی آمدورفت کا خرچہ- ورنہ بصورت ثانی ہمارے دو علماء اور دو ان کے خادم کا خرچہ چتوڑ کی عدالت میں جمع کرا دیجیے اگر وقت مقررہ پر آپ کے علماء نہ آئے تو خیر- اگر ہمارے نہ آئے تو ہم آپ کے علماء تک کا خرچہ آپ کو دے دیں گے- اگر منظور ہے تو جلد جواب دیجیے ورنہ اذافات الشرط فات المَشرُوط بغیر منظوری شرائط آپ کی ہرگز نہ سنی جائے گی- اگر ہے ہمت تو بسم اللہ- خالی مجنونانہ بڑ سے باز رہیے- عاقل کے مخاطبہ کی لیاقت پیدا کیجیے ورنہ گوشہ میں مدوق سازی اور اپنی تسبیح سے کام رکھئے زیادہ کیا عرض کروں-

ضروری نوٹس | بعد رقم تحریر ہذا ابھی تک آپ کی تحریر ہم نے دیکھی نہیں اگر الفاظ خلاف آداب مناظرہ ہوں تو نوٹس ضرور بہ صورت دیگر مخالفت نامنظور ہم کو مخالفت و کدورت کسی سے نہیں ایک شخص چتوڑ سے آیا اس کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ

کی تحریر گستاخانہ پہلو لئے ہوئے ہے لہذا آپ کو تاکید ا ہدایت کی جاتی ہے کہ ایسی تحریر ناشائستہ سے دور رہیے ورنہ جواب ترکی بہ ترکی دیا جائے گا- بلکہ مزید احتیاط کے لئے کم از کم ایسے حضرات کو ناقابل التفات کیا جائے گا- اس کے جواب کی ایک ہفتہ کی مہلت ہے- واللّٰہ الموفق والمعین-

العبد فقیر عبدالکریم عفی عنہ - مورخہ ۲۳ جمادی الاول - ازاودے پور-

دوسرا خط اس کے جواب میں

مکرمی- میں نے جو استدعاءِ مناظرہ کی تھی اس سے یہ ہرگز مقصود نہیں تھا کہ طرفین میں جائے اتحاد و محبت کے اور آتش اختلاف و نفاق بھڑکے جیسا کہ آپ کے جواب سے مترشح ہوتا ہے- آپ کے خط کی عبارت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ آپ تحقیق حق سے گھبرا گئے اور جیسے ایک مجبور شخص اپنے قاتل کو سختی سے کہا کرتا ہے کہ ہاں اور سختی کر تجھے قسم ہے جو اپنی کرنی میں کسر چھوڑے وہی حالت آپ کی ہو رہی ہے- آپ لکھتے ہیں کہ (اپنی استدعاء مناظرہ کو واقعی استدعاء مناظرہ ہی کر دیکھائیے) مکرما' کر دکھائی کیا ہمار کرنا تو آپ کی اور آپ کے اعلی حضرت کی رضا مندی پر ہے-

جواب لکھتے وقت غیظ و غضب تو بہت آتا ہے مگر حالت بیکسی کی ہے مناظرہ کو تیار ہیں لیکن اعلحضرت پردہ سے باہر نہیں آسکتے- افسوس اس اخری صدی میں ایمان و تقوی تو گیا ہی تھا عقل و حواس بھی سلب کر لئے گئے- مکرما' اس کا اندازہ کہ فاضل بریلوی کا سا فضل و کمال وغیرہ دوسرے کسی شخص میں بھی ہے کون کرے گا آپ یا میں' تو ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں جو اعتقاد اپنے اعلحضرت کا ہے دوسرے کا نہیں ہو سکے گا ایسی ہی میری حالت ہے کہ اپنے مقتداؤں کے سامنے ان کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا آپ کی شرط اول کے سرانجام کے لئے ایک مستقل حکم کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ فریقین کے بے پڑھے لوگوں میں سے کسی میں اس کی صلاحیت نہیں جو اس کا فیصلہ کر سکے تو آخر اس کی کیا صورت ہو گی' میرے خیال میں ایک آسان

صورت یہ ہے کہ ان کے کارنامے تو مشہور خلائق ہیں ہی لوگ جانتے ہی ہیں کہ بجز رسالہ بازی کے نہ کبھی درس دیا اور نہ کبھی کسی مدرسہ کی مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے اس معنی کو اگر آپ ان کا مماثل چاہتے ہیں کہ انہیں کی سی فحش کلامی آتی ہو اور انہیں کی سی غیر مہذب تحریر ہوتی ہو تو معاف کیجئے بھلا اس کمال کو تحقیق مسائل شرعیہ میں کیا دخل' اور اگر واقعہ کے خلاف آپ کے ذہن میں یہ بات ہے کہ وہ جلیل القدر عالم ہیں تو ہم ان سے زیادہ متبحر رفیع الشان ایسے حضرات کہ جو آسمان درس میں مثل ستارہائے روشن کے درخشندہ ہیں بتلاتے ہیں آپ چاہے تسلیم کریں یا نہ کریں مگر دنیا و زمانہ جانتا ہے کہ یہ عالم و فقیہہ ہی نہیں بلکہ دوسروں کو اس مرتبہ تک فائز کرتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ مثلاً مولانا مولوی عمدۃ العلماء زبدۃ الفضلاء راس الحکماء حضرت مولانا معین الدین صاحب اجمیری صدر آرائے مسند درس حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز کو) جن کے چھوٹے بھائی نے خود اعلیٰحضرت کو مناظرہ کی دعوت دی ہے جس کا اشتہار خود اعلیٰحضرت کی خدمت میں پہنچ چکا ہے اور آپ کے پاس بھی آتا ہے اس اشتہار کے مطالعہ سے روشن ہوگا کہ یہ کس مرتبہ کے عالم متبحر ہیں خدا کے لئے چشمہ تعصب کو جدا کر کے دیکھئے) جس طرح ہو سکے گا۔ تکلیف دیں گے اور وہ یقیناً اس تکلیف کو گوارہ فرمائیں گے کہ تحقیق حق مسائل شرعیہ کی اشد ضرورت ہے ادھر اس اشتہار سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ممدوح ہر جگہ تشریف لے جا کر اعلیٰحضرت سے مکالمہ اذان کرنے کو تیار ہیں ان کے علاوہ خود آپ کے اعلیٰ حضرت کے خاندان اساتذہ سے حضرت مولانا مولوی ماحی بدعت پیشواء اہل سنت عبدالماجد صاحب بدایونی کو تکلیف دی جائے گی کہ وہ تشریف لادیں۔ غرض کہ یہ حضرت آفتاب علم و ہدایت ہیں کہ جن کی چکاچوند روشنی سے گوشہ گوشہ ہند کا روشن و منور ہے۔ اس کے سوا ہماری سمجھ میں اب تک یہ نہیں آیا کہ یہ باوجود ادعاء احقاق حق پھر یہ شرط اول کیوں لگائی گئی افسوس کہ اس کی نظیر حضرات سلف میں کہیں نظر نہیں آتی بلکہ معاملہ برعکس ملتا ہے اگر ہر ہادی شریعت کا یہی خیال ہوتا تو آج شریعت مصطفوی ڈھونڈنے کو کہیں نہ ملتی بلکہ خود حضرت سرور کائنات خلاصہ

موجودات ﷺ ہی اگر یہ خیال فرماتے کہ جب کوئی میرا ہم پلہ وہم رتبہ ہوگا تو مکالمہ کرونگا نہیں تو نہیں اب ذرا آپ غور سے انصاف فرمادیں کہ کیا آج دنیا میں کہیں اسلام نظر پڑتا کیونکہ حضور کا مثل تو بڑی بات ہے لگے کا بھی دنیا میں کوئی نہ تھا اور پھر حضور نے تبلیغ اسلام کی حتی کہ معمولی معمولی لوگوں کے ساتھ مباہلہ کرنے کا تیار ہو گئے۔ جس کا ثمر آج یہ نظر آتا ہے کہ ہر خطۂ زمین پر آپ کے نام لیوا ہی نہیں بلکہ آپ پر جان فدا کرنے والے موجود ہیں ان کے بعد حضرات اکابر سلف کی تاریخیں دیکھیے کہ ہر حق مسئلہ کی اشاعت میں بڑی بڑی سخت منزلیں طے کرتے تھے یا اب یہ زمانہ ہے کہ مجدد ہو کر بعیش و آرام بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو کر تحقیق حق میں گریز ہے خیر یہ تو ان کا خیال ہے ہمیں تو آپ سے عرض کرنا ہے کہ اول تو یہ شرط محض فضول دوسرے ان کے خصم ایک نہیں بلکہ دو ہم نے تجویز کر دیئے ان میں سے جسے چاہیں پسند کریں یا دونوں کو قبول فرمادیں۔ پہلے سے ہم نے اپنے یہاں تعیین اس لئے نہیں کی تھی کہ اس مسئلہ میں سارا ہندوستان کیا بلکہ تمام روئے زمین ہماری ساتھی ہے ایک اعلیٰحضرت ہی ہیں کہ متفرد ہیں جب وہ تحقیق حق پر آمادہ ہو گئے تو ہمارے ہاں سے بھی جو وقت پر بن پڑے گا ان کا خصم بن جائے گا اور مکالمہ ہو کر بات محقق ہو جائے گی۔ رہا حق نما فیصلہ اس کا جواب ہمارے علماء ایک زمانہ ہوا کہ دے چکے اب اس کا مطالبہ کیسا؟

غرض خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی سب شرطیں منظور ہیں جس طرح بھی ہو سکے اس فتنہ کو فرو کرنے کی کوشش کیجیے کہ مسلمانوں کا یہ باہمی فساد مٹے اور صورت اتفاق واتحاد پیدا ہو گوالیار کی پولیس کا انتظام بھی ہو سکتا ہے مگر اس کی تحریک جب ہی ہو سکتی ہے کہ ادھر سے آمادگی کا صرف اظہار نہیں بلکہ دستخطی و مہری تحریر سے ثابت کر دیا جائے کہ مناظرہ ضرور ہوگا۔ اعلیٰحضرت نہ آسکیں تو ان کے صاحبزادہ بلند اقبال ہی تشریف لادیں بڑے نہ آسکیں تو چھوٹے ہی تکلیف فرمادیں۔ غرض جب اس سے اطمینان ہو جائے گا تو اس کا بھی انتظام کر لیا جائے گا ورنہ ہمیں اندیشہ ہے کہ بعد حصول حکم پھر آپ کے علماء مناظرہ اور تحقیق حق سے انکار کر جاویں۔

رہا خرچہ تشریف آوری علماء جیسا آپ نے لکھا ہے ہمیں منظور ہے اس میں بھی ہمیں کلام نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ کی سب شرطیں منظور ہیں بلکہ گزارش ہے کہ اب ان میں ترمیم کی استدعاء نہ ہو شرائط بھی رہیں اور محض مناظرہ منعقد ہو کر احقاق حق اور ابطال باطل کر دیا جوئے کہ موجب اجر عظیم ہوگا۔

اس کے بعد گزارش ہے کہ براہ کرم حد ادب سے گزرنا نہ چاہئے جیسا کہ اس خطہ میں لحاظ مراتب نہیں رکھا گیا۔ مقولہ مشہورہ ہمیشہ پیش نظر رہے کہ ہر فرعون را موسےٰ۔ دنیا میں کوئی ایسا نہیں کہ جس کی نظیر نہ ہو بلکہ اس سے بڑھ کر زمانہ میں موجود ہیں۔

مورخہ یکم جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ بروز چہار شنبہ

محمد صدوق ساز از جاود ضلع نیمچ

ہمارے دوسرے خط کا جواب اور اس کی تہذیب قابل لحاظ ہے

آپ کا خط مع تحریر موصول ہوا (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنْ) ہم تو پہلے ہی جان رہے تھے کہ ذرا سی تحریر کے جواب میں دو ہفتہ مدت سے زائد گزرنا جاود سے لے کر اجمیر شریف تک فریاد فریاد پکارنا خالی از علت کیونکر مانا سبحان اللہ ایک فرعی مسئلہ میں ایسے زبردست جلیل القدر بقول علماء حرمین امام و سید و فرد اعلحضرت عظیم البرکت کو بے ایمان بے تقوی بے عقل بے حواس بتا دیا اور چند سطور مہمل لکھ دینے والے کو اپنا ہمرنگ سمالیا خیر تم جانو تمہارا ایمان ہم کو لغویات سے کچھ کام نہیں ایسی لغویات سے کوئی عاقل تو آپ کے منہ لگنے سے رہا۔ ہاں جاہلوں کو سنائیے اور بے علموں کو جھلئے جو علماء کو گالی دلوانا پسند کرے وہ آپ جیسے کے منہ لگے۔ خبردار آئندہ کوئی تحریر یہاں نہ روانہ فرمایئے ورنہ ردی میں ڈالدی جائے گی۔

اسی کو تک پہ یہ لپکا کیسے کوئی منہ لگے تیرے
جو تجھ سے بڑھ کے پاجی ہو وہ پاجی منہ لگے تیرے

آپ کے بزرگ (صاحب اشتہارات) کی علمی حقیقت و لیاقت و دیانت کا کچا چٹھا دیکھنا ہو تو بریلی مطبع اہل سنت و جماعت سے رسالہ مسمے (اجلی انوار الرضا) منگوا کر ملاحظہ فرمایئے جس کی زیادہ قیمت نہیں صرف ایک آنہ ہے۔ علما کو بے ایمان کہنے کا اجر یہاں کیا ہو سکتا ہے خداوند کریم ہی کے یہاں فیصلہ ہے۔ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝

فقیر — عبدالکریمؒ۔ چتوڑی۔ ۲ جمادی الثانی ۱۳۲۴ ہجری از۔ اودے پور

تیسرا ہمارا خط ان کے غیر مہذب خط کے جواب میں جو واپس آگیا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو ایک قطرۂ خوں نہ نکلا

السلام علی من اتبع الہدی۔ چتوڑ سے اودے پور اور جاود سے بریلی تک ایک شور تھا کہ برپا تھا ایک غل تھا کہ مچا ہوا تھا کہ فاضل بے بدل عالم اجل بڑے حضرت بریلوی مسئلہ اذان میں مناظرہ کرنے کو تشریف فرما ہونے والے ہیں ایک دھونس تھی کہ چھائی جارہی تھی۔ ایک رعب تھا کہ قائم کیا جاتا تھا۔ ہم بھی دل میں کہتے تھے کہ معلوم نہیں کیسے عظیم البرکت ہوں گے جن کے نام کے ساتھ ایسے ایسے چیدہ الفاظ لکھے جاتے ہیں اور وہ خود کیسے ہوں گے جن کے یہاں کا ایک ایک طالب علم پچاس پچاس فاضلوں کی حقیقت نہیں سمجھتا۔ دنیا میں کوئی ان کی ٹکر کا نہیں جس سے وہ خطاب کر سکیں وہ کون ہے دنیا میں جس سے وہ بات کرنے کی تاب

رکھتے ہوں، ہمارے بھی دل تھے کہ سہمے جاتے تھے مگر چونکہ حق کا متلاشی یوں ہی خواہ مخواہ کسی کے رعب میں نہیں آتا ابطال باطل کا خیال اسے ایسا جری و ہمت والا بنا دیتا ہے کہ اس کو سوائے خدا اور رسول جل ذکرہ ﷺ کے اور کسی کا خوف مرعوب نہیں کر سکتا اسی حق کی تلاش میں۔ مکرمی عبدالکریم صاحب کی وساطت سے آپ کے اعلٰحضرت کو مناظرہ کی دعوت دی اور خیال یہ کیا کہ اگر بالمشافہ حضرات علماء کرام بڑے حضرت بریلوی نے اس کو ثابت کر دیا تو ایک مسئلہ دینی کی تحقیق ہو کر رفع نزاع ہو جائے گا۔ (جسکے جواب میں آپ نے چھ شرطیں لکھیں جن کو ہم نے بجنسہ منظور کیا اور شرط اول کی محض لغویت اور اس کا بے سود و فضول ہونا جتانا تھا اور جو واقعی کچھ باتیں تھیں نہایت حقانیت و خلوص سے عرض کی تھیں جس کا صلہ آج تیرہ دن کے بعد یہ ملا جو ہمارے سامنے ہے اور اب آپ پر پیش ہوتا ہے) تو مسلمانوں کے لئے باعث اتفاق و اتحاد ہو کر موجب خیر و برکت ہو گا۔ مگر ما چونکہ یہ نتیجہ ہمارے تو پہلے سے پیش نظر تھا اسی وجہ سے یہ لکھ دیا تھا کہ چودھویں صدی میں لوگوں نے ایمان تو کھو یا ہی تھا شرم و حیا بھی دے بیٹھے اور کیوں نہ دے بیٹھیں۔ الحیاء شعبة من الایمان فرمان رسالت پناہی ﷺ ہے۔ ہمارے خط میں یہی ایک فقرہ تھا جس کی بنا پر آپ اعلٰحضرت بریلوی کو بے ایمان و بے عقل وغیرہ وغیرہ اور معلوم نہیں کیا کیا سمجھ بیٹھے۔

محترما! علماء کی شان میں گستاخیاں آپ ہی کی طرف سے شروع ہوئیں اور آپ ہی کو مبارک رہیں ہم تو حضرات علماء کی کف پا کی خاک ہیں۔ ہمارے ایسے دل گردہ کہاں کہ ان کی شان میں گستاخی کا خطرہ بھی لا سکیں مگر چونکہ آپ حضرات کے قلوب میں ان حضرات کی بے عظمتی مرکوز ہے تو دوسروں کے کلام کو بھی اس پر محمول کرتے ہو۔

اب آپ ہی کہیے کہ ہم کیا کہیں احقاق حق کے لئے آپ کی جمیع شرائط پیش کردہ تسلیم کیں آپ کے اعلٰحضرت کا صرفہ برداشت کرنے کی بھی جرات کی اور یہاں تک کہ اگر وہ نہ آسکیں تو اور جو حضرات تشریف لاویں جیسا کہ خود آپ نے لکھا تھا ان کا

خرچہ دینا بھی گوارا کیا غرضیکہ ہر چند اس کی کوشش کی کہ حق و باطل متمیز ہو اور مسلمانوں کا باہمی نزاع مٹے مگر افسوس آپ کے بڑے حضرت کو یہ منظور ہی نہیں۔

ان حضرت کو چھوڑ کر پھر آپ کے پاس چارہ ہی کیا ہے۔ ہندوستان ہی نہیں دنیا بھر میں اس مسئلہ اختراع اذان کے مدعی سوائے ان کے اور کوئی ہے ہی نہیں جو آپ کی اس بیکسی پر رحم کرے اور آپ کی فریاد سن کر حمایت کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بریلی سے تو صاف جواب مل گیا ہے کیوں کہ خود اعلیٰ حضرت اشاعت مسائل شرعیہ کے لئے گھر سے باہر نکلیں۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا رہے صاحبزادہ اور حالی موالی ان میں اتنی طاقت نہیں کہ خصم کے سامنے ٹھہر سکیں تو اب آپ گھبرا کر اور جھلا کر علانیہ گالیاں نہ دیں تو اور کیا کریں۔ طرفہ یہ کہ گالیوں سے گزر کر منہ تک چڑانے لگے بقول شخصے۔

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجیے دہن بگڑا

مگر ان باتوں سے کیا حاصل کہ حق سے اتنی چشم پوشی کہ بیکسی میں آکر گالیوں پر اتر پڑے مرد خدا اسی سے سمجھا ہوتا کہ اس مسئلہ میں انہیں تاب مقاومت نہیں گھر سے نکلیں تو کس برتے پر کسی کو بھیجیں تو کس مصالحہ پر خیر ہمارا کام تو صرف دوستانہ مشورہ دینے کا ہے ماننا نہ ماننا یہ آپ کا کام ہے وما علینا الا البلاغ۔ یَهْدِي اللّٰهُ مَنْ يَشَاءُ وَيُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ - ہدایت و ضلالت بمعنی حقیقی اسی رب العزت جل ذکرہ کی شان ہے۔ باوجود اس قدر روشن دلائل کے تامت ہو جانے کے بعد بھی (کہ آپ نے بریلی لکھا اور وہاں سے بوجہ مصروفیت مقدمہ کے اہل اسلام کی تکفیر میں اعلحضرت ماخوذ ہیں آپکی تحریر کا ایسا جواب بھی بنہ مل سکا کہ جو آمادگی مناظرہ پر موہم ہی ہوتا' معلوم ہوتا ہے کہ صاف جواب انکار ملا ہے کہ ہمارے یہاں سے کوئی نہیں آسکتا تو آپ نے اس بے بسی کی حالت میں جھلا کر یہ تحریر پیش کی ہے اگرچہ قافیہ مدعی تنگ ہے تک اس میں بھی اپنی وقعت سے زیادہ کی ہے مگر پھر بھی بریلی اور اودے پور کے فرق کو نہ چھپا سکے) و نیز آپ کی بے ساختہ کلامی اور گریز حق

سے ظاہر ہو جانے پر بھی ہم پھر عرض کرتے ہیں کہ خدا کے لئے ایک دفعہ تو ہمت کر ہی جاؤ خود بڑے حضرت نہ آسکیں تو ان کے صاحبزادہ ہی سہی اور وہ بھی اگر خصموں سے لرزتے ہوں تو کوئی بندہ خدا تو ایسا نکلے کہ ایک مرتبہ تو میدان میں آکر خصموں کے حملے سہہ نہ سکے تو ان کے بار کا اندازہ تو کر جائے۔ دس روز کی مہلت دیتے ہیں اور صاف لکھتے ہیں (آپ کی طرح نہیں کہ تحریر میں تو تیسری جمادی الثانیہ لکھیں جس سے دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہو کہ تیسری جمادی الثانیہ کی لکھی ہوئی ہے اور خط بھیجیں ۸ جمادی الثانیہ کو اس پر کھلی شہادت یہ موجود ہے کہ تیسری جمادی الثانیہ کو اپریل کی سات تاریخ تھی ڈاکخانہ اودے پور کی مہر سات کی ہوتی یا آٹھ کی ہوتی حالانکہ مہر ہے ۱۲۔ اپریل کی تو کہیے کہ ۱۲ اپریل کو جمادی الثانیہ کی تیسری تاریخ تھی یا آٹھویں افسوس خط میں تو چال چلی مگر ڈاکخانہ کا انتظام نہ کر سکے جس نے بریلی والوں تک کا پردہ فاش کر دیا) کہ اگر ان دس دن میں یہاں مناظرہ کے لئے تعین تاریخ نہ ہو تو ہم تو سمجھ ہی لیں گے۔ مگر آپ حضرات بھی اس سے کچھ سبق حاصل کریں ہمارے خط کی تاریخ اور مہر ڈاکخانہ کی تاریخ کو ملائیے اور سچائی و صداقت کا نمونہ دیکھ کر اس کو اختیار کیجیے اسی ایک واقعہ نے عقلاء زمانہ کو بتلا دیا کہ حق جانب کون ہے اگرچہ وضوح حق کے لئے یہ ایک ہی واقعہ کافی سے بہت زائد ہے لیکن پھر بھی اتمام حجت کے لئے یہ خط آتا ہے کچھ تو ہمت کرو بریلی والوں کو غیرت دلاؤ۔ رہا کچا چٹھا اجلی انوار الرضا۔ ہم نے ہر چند کوشش کی کہ اس کی زیارت ہو یہاں تک کہ ایک دو جگہ سے دریافت کیا کہ کچھ پتہ چلے مگر یہی معلوم ہوا کہ سنا یہاں بھی گیا ہے کہ کوئی تحریر چھپی ہے مگر بریلی کی شرمیلی ہے خصموں سے گھبراتی ہے کہ کہیں پرخچے نہ اڑ جائیں براہ کرم آپ ہی اس کی زیارت کرائیے اور عنقریب دیکھئے کہ کیا قدرت کا ظہور ہو کر ایضاح حق ہوتا ہے یہاں حمایت اجماع امت محمد رسول اللہ ﷺ ہے پھر بھلا کون سامنے آسکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان دس دنوں کے بعد فیصلہ کھلا ہوا ہے۔

مرسلہ محمد :

لوہار صندوق ساز قصبہ جاود ضلع نیمچ محلہ چھیپاں تاریخ ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۶ء

مکرما' آپ کے اعلیٰحضرت عظیم البرکت کی ایجاد کی ہوئی سنت مبارکہ نے عجب شور و غل مچا رکھا ہے لاکھوں مخلوق میں سے چند اشخاص اہل حق بنے لیکن اہل حق والوں کے قدم جہاں جاتے ہیں وہیں تکرار و فساد ہوتا ہے۔ دو مسجدوں سے علیحدہ ہو کر تیسری مسجد کی طرف رخ کیا لیکن وہاں بھی سیدھی طرح سے نہ رہے اور سنت مبارکہ کو جاری کرا کر سو شہیدوں کا ثواب حاصل کرنا چاہا مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وہاں بھی ثواب کے بدلے عذاب نازل ہو کر پھر دوبارہ مچلکوں کا حکم ہوا۔ حق کو چھوڑ کر ناحق کی طرف رجوع کیا تمام اہل سنت والجماعت حنفی المذہب اجماع امت کو ناحق پر مبتلا کر آپ اہل حق اہلحدیثوں کی طرح سے بنے جا بجا ذلیل خوار ہوئے ابھی قدرت خدا کا تماشہ دیکھتے جایئے کہ کیا کیا ہوا اور کیا کیا ہونے والا ہے اب بھی اللہ تعالیٰ بطفیل سیدنا حضور سردار دو جہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آپ صاحبوں کو راہ راست پر لاوے۔ آمین ثم آمین۔ فقط

مرسلہ محمد لوہار صندوق ساز قصبہ جاود مورخہ ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ

براہ راست مجدد بریلوی کے دربار میں درخواست مناظرہ اور جواب ندارد

مخدوم مکرم' معظم جناب والا شان مجدد مائۃ حاضرہ الحاج الحافظ القاری حامی سنت ماحی بدعت حضرت مولانا مولوی محمد احمد رضا خانصاحب دام اقبالکم۔ بعد سلام سنت الاسلام و شوق ملاقات و تمناء قدموسی کے واضح رائے شریف ہو کہ یہاں پر خیریت و خیر و عافیت حضور کی شب و روز از درگاہ ایزد ذوالجلال نیک متدعی

ہوں حال یہ ہے کہ یہاں پر استفتاء حضور دربارے اذان ثانی جمعہ ہم خادمان کو وصول ہوا اور جناب مولوی عبدالکریم صاحب چتوڑ یہاں پر تشریف لائے اور سنت مبارکہ کو جاری کرانے کی کوشش کر کے بحمدہ تعالیٰ ایک مسجد میں جاری کرائی اور اذان ثانی جمعہ خارج مسجد ہونا شروع ہو گئی اور چار مہینے تک سنت مبارکہ بڑے زور شور سے جاری رہی اور کسی مخالفین کو دخل دینے کی جرات نہ ہوئی لیکن بعد چار ماہ کے مخالفوں نے اپنا گروہ کثیر قائم کر کے سنت مبارکہ کو مٹانے میں کوشاں ہوئے اور اسی طرح سے تین چار جمعہ تک جھگڑا ہوا لیکن سنت مبارکہ بدستور جاری رہی۔ لیکن ایک روز مخالفوں کی جماعت کثیر مجتمع ہو کر جمعہ کو نماز پڑھنے کو آئی اور ایک دم دنگا فساد کر کے سنت مبارکہ کو بند کر دیا اور عدالت میں چارہ جوئی کر کے اہل حق کے مچلکہ کرا دیئے کہ جب تک کسی دوسری عدالت سے حکم حاصل نہ کر لیویں اذان ثانی جمعہ باہر نہ بچاوے اور ایک تحریر آپس میں اس قسم کی ہوئی ہے کہ اگر حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب خود تشریف لادیں اور ہم بھی اپنے علماء کو بلوالیں اور آپس میں مباحثہ و مناظرہ ہو کر یہ مسئلہ حق معلوم ہو جاوے تو ہم سب بدل و جان ماننے کو تیار ہیں ہم خادمان اہل حق کی طرف سے مچلکوں کی منسوخی و سنت مبارکہ کو جاری کرانے کی غرض سے اپیل مکرر کی گئی ہے امید ہے کہ وہاں سے کامیابی ہو گی لیکن اس کو ابھی عرصہ کثیر درکار ہے۔

(۱) ہم جملہ خادمان اہل حق کو مخالفین لوگوں نے سخت تنگ کر رکھا ہے اور رات دن کہتے ہیں کہ اگر یہ مسئلہ سچا اور حق ہے تو تم اپنے مولانا کو بلوا کر مناظرہ کراؤ ہمارے علماء رامپور۔ بدایوں۔ اجمیر شریف۔ بریلی۔ دہلی سے آنے کو تیار ہیں۔

(۲) یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے علماء مولوی احمد رضا خان صاحب کو چند مرتبہ اعلان مناظرہ دے چکے لیکن مولانا صاحب کی طرف سے جواب ندارد۔

(۳) ان کلمات کو سن کر ہم کو سخت ندامت حاصل ہوتی ہے لیکن بزور دلاوری کہتے ہیں کہ ہمارے اعلیٰ حضرت صاحب بھی مباحثہ کے لئے آنے کو تیار ہیں۔

(۴) ہم خادمان اہل حق کی دست بستہ حضور سے عرض ہے کہ حضور بذات خود

تشریف لا کر مخالفوں کے علماء سے مباحثہ کر کے اور حق ناحق کو ظاہر فرما دیویں تو بہت بڑا کرم ہوگا اور ہم خادمان کو منہ دکھلانے کو جگہ ہو جاوے گی ورنہ ہر ایک موقع پر ذلت نصیب ہوتی ہے۔

(۵) اب عند اللہ و عند الرسول استدعا ہے کہ اس عریضہ کو ملاحظہ فرما کر بہت جلد حضور جس تاریخ کو مناسب سمجھیں اس تاریخ کو مقرر فرما کر ہم خادمان کو اگاہی بخشیں تاکہ ہم بھی مخالفوں کو اعلان دے دیں کہ ہمارے اعلیٰ حضرت فلاں تاریخ کو تشریف لاویں گے تم بھی اپنے پیشواؤں کو بلواؤ۔ حضور و حضور کے ہمراہیوں کے آمد و رفت کا تمام صرفہ ہم خادمان کے ذمہ ہوگا۔ اور کسی قسم کی تکلیف انشاء اللہ العزیز نہ ہوگی اور جلسہ کا تمام انتظام ہر دو فریق انجام دیں گے۔

لہذا یہ عریضہ ارسال خدمت کر کے امیدوار ہیں کہ بصیغہ ضرور ہمیں تاریخ آمد مقرر فرما کر آگاہی بخشی جاوے حضور کا بہت بڑا کرم ہوگا اور مخالفوں کی رات دن طعنہ زنی سے نجات حاصل ہوگی۔

فریق مخالف یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب کی تحریر دستخطی ہم کو منگوا کر دو تب ہم بھی انتظام مناظرہ کر لیں گے جواب کے لئے ٹکٹ () ارسال خدمت ہے جملہ خادمان اہل حق دست بستہ سلام عرض کرتے ہیں۔

مرسلہ تابعدار کفش بردار محمد اسماعیل خلف الرشید علی جی پارچہ فروش قصبہ جاود ضلع نیمچ مورخہ ۴ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ

مکرر مجدد بریلوی کے دربار میں درخواستِ مناظرہ

مخدوم و مکرم معظما حضرت عمدۃ العلماء اکمل الفقہا زبدۃ الفضلا حامی سنت ماحی بدعت عظیم البرکت الحاج الحافظ القاری مجدد مائتہ حاضرہ مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب دام اقبالکم۔ بعد سلام کے واضح رائے شریف ہو کہ یہاں پر خیریت و خیر و عافیت حضور کی شب و روز از درگاہ ایزد ذوالجلال نیک چاہتا ہوں حال یہ ہے کہ یہاں پر جو استفتاء چند رسائل حضور دربارے سنت اذان ثانی جمعہ خارج مسجد آئے اور ان

استفتاور سائل کے موافق یہاں پر سنت مبارکہ جاری بھی ہو گئی تھی لیکن جھگڑا فساد باہمی ہو کر سنت مبارکہ خارج مسجد مند ہو کر داخل مسجد موافق قدیم پھر ہونے لگ گئی اور اب فیصلہ اس پر ٹھہرا ہے کہ تمام علما جا بجا سے بلوائے جاویں اگر تمام جگہ سے نہیں تو تین چار ہی جگہ کے علماء بلوا لئے جاویں اور اعلحضرت عظیم البرکت بھی بذات خود تشریف لاویں اور درمیان میں گفتگو ہو کر جس کی طرف سے بھی حق مسئلہ معلوم ہو جاوے گا فوراً ہی بدل و جان قبول کر لیں گے اور سنت کی پابندی پر مستقیم ہو جائیں گے علاوہ ازیں علماء بدایوں نے جو حضور کی خدمت بابرکت میں چند بار اعلان مناظرے پیش کئے ہیں لیکن حضور کی جانب سے کوئی جواب نہیں دیا گیا وہ اعلان اس کمترین سے و دیگر برادران اہل اسلام کی نظر سے بھی گزرے اعلان مناظرہ آٹھویں مرتبہ بدایوں سے حضور کی خدمت میں بھیجا گیا اس میں یہ لکھا ہے کہ یہ اعلان جس کسی بھائی کی نظر سے گزرے وہ بھی ہماری طرف سے ایک پیسہ کا کارڈ لکھ دیوے کہ حضور اعلان مناظرہ قبول فرما کر تاریخ مناظرہ و جائے مناظرہ تجویز کر کے اور اس مسئلہ کا تصفیہ فرما دیویں - حضور جو برادران اہل سنت اس سنت مبارکہ کے جاری کرانے میں مخالف ہیں تابعدار بھی انہی کے شریک اس وجہ سے ہے کہ چند جگہ کے علماء احناف سے جو اس مسئلہ کی تحقیق کی گئی تو سب نے یہی فرمایا کہ اذان ثانی جمعہ داخل مسجد یہی سنت ہے اور یہی توارث قدیم ہے اور اجماع امت ہے تعامل قدیم کو ہاتھ سے نجانے دینا چاہیے لیکن حضور اگر بذات خاص تشریف لا کر دیگر علماء سے مباحثہ فرما کر ثابت فرما دیویں گے کہ اذان ثانی خارج مسجد ہی سنت ہے تو تابعدار و دیگر برادران اسی وقت تسلیم کر کے سنت مبارکہ کو جاری کر دیں گے اور اپنی ضد و غلطی سے توبہ کر لیویں گے اور اگر دیگر علماء نے داخل مسجد اذان ثانی جمعہ کو ثابت کر دیا تو حضور کو فوراً تسلیم و قبول کرنا ہوگا اور اپنی غلطی کا اعلان دے کر توبہ کرنا ہوگا-اب حضور سے عنداللہ و عندالرسول عرض ہے کہ حضور احقاق حق کے لئے تکلیف گوارا فرما کر اعلان مناظرہ قبول فرما کر آگاہی بخشیں گے تو حضور کا بہت بڑا کرم ہوگا چونکہ جو فتنہ و فساد برادران اہل سنت میں ہو رہے ہیں وہ سب دفع ہو کر آپس میں اتحاد و

محبت کا سلسلہ قائم ہو جائے گا ورنہ مسلمان اس مسئلہ کی بدولت آپس میں لڑائی و جھگڑا کر کے تباہ و برباد ہو کر دین اسلام چھوڑ بیٹھیں گے اگر حضور مناظرہ قبول فرمالیویں تو حضور تحریری دستخطی و مہری خود یا بڑے صاحبزادہ صاحب یا چھوٹے صاحبزادہ صاحب مع تاریخ آمد کے اور جملہ شرطوں کے لکھ کر روانہ فرمادیں تو یہاں پر جملہ انتظامات مکمل تاریخ مقررہ سے پیشتر کر لئے جاویں گے حضور کا کل صرفہ آمد و رفت و شرطیں سب قبول حضور جواب جلد مرحمت فرمادیں یہ دینی معاملہ ہے۔

مرسلہ تابعدار عبدالحمید۔ ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ یک شنبہ

فرمانِ رضوی اور اس کی تہذیب

مکرمی زید کرمکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کا خط آیا۔ مسئلہ اذان فتاوے و رسائل میں آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا گیا مخالفین نہ کوئی حدیث رکھتے ہیں نہ روایت اب سوا افترا اور بہتان کے ان کے پاس کیا ہے ان سے بارہا کہا گیا کہ تم کسی ایک کتاب میں دکھا دو کہ مسجد کے اندر اذان جائز ہے ہم مان لیں گے۔ مگر کہاں سے لائیں ہو جب تو دکھائیں رہا مناظرہ اس کے لئے مولوی سلامت اللہ صاحب کے پاس خط گیا انہوں نے انکار کیا۔ مولوی عبدالمقتدر کو لکھا گیا انہوں نے بھی حامی نہ بھری آخر میں مولوی انوار اللہ صاحب کو دعوت دی گئی انہوں نے اس کی آڑ لی کہ مخالفت بڑھے گی۔ اب کون ہے جو مناظرہ کرے جب ان مخالفین نے دیکھا کہ کوئی دلیل نہیں جو تحریر میں لا سکیں اتنی ہمت نہیں کہ سامنے آسکیں۔ ناچار چند جاہل کو اکسایا کہ ان جہلا کو کون منہ لگائے گا جاہلوں سے کہنے کو ہو جائے گا کہ مناظرہ نہیں کرتے۔ کیا یہ جہلا مولوی عبدالمقتدر سے زیادہ علم رکھتے ہیں کہ وہ تو جان بچاتے اور یہ چیختے چلاتے پھرتے ہیں رہا آٹھ بار دعوت دینا اس کذب کا جواب قرآن مجید میں موجود ہے مگر وہ تو اس کے لئے ہے جس کے دل میں سبحانہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کا خوف ہے اور یہ یقین رکھتا ہو کہ ایک دن ہمیں جواب دینا ہے۔ آپ کا ہے کو اتنی تکلیف فرماتے ہیں کہ لوگوں کو گوالیار بلائیں بدایوں یہاں سے

قریب ہے عبدالقدیر و عبدالماجد وغیرہ کو یہیں بریلی ہی بھیج دیجیے ہمارے طلبہ سے بات کر لیں معلوم ہو جائے گا۔ اگر آپ مناظرہ مقرر کرتے ہی ہیں تو ہم مولوی مولانا احمد اللہ صاحب ساکن پیبی ضلع پشاور کو مقرر کرتے ہیں آپ ان کو اطلاع دیجیے وہ اکیلے ان سب کے مجموعہ پر بھاری ہیں۔ نیز اگر ان میں مناظرہ کی کچھ ہمت ہوتی تو قرآن و حدیث کو چھوڑ کر کتب فقہ سے منہ موڑ کر قانون سے استعانت نہ کرتے جب سب طرف سے عاجز آئے تو یہ سوجھی کہ علماء کو کچہریوں میں دوڑاو مجبور ہو کر جواب لکھنا چھوڑ دیں گے بس عوام کے سامنے باتیں بنانے کو ہو جائے گا۔ فقط

فقیر عبدالسلام رضوی از بریلی محلہ سوداگراں

فرمانِ بریلوی کے جواب میں دوبارہ گزارش

(رجسٹری جس کی واپس ہوئی)

حضرت مولانا المکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالی۔ ۱۲ جمادی الثانیہ کو ایک عریضہ بغرض رفع نزاع (جو مابین المسلمین ہو گیا ہے) حاضر خدمت کر کے نہایت ادب سے یہ گزارش کی تھی کہ مسئلہ اذان خارج عن المسجد نے ایک شور مچار کھا ہے مسلمانوں کا عزیز وقت اس مشغلہ میں فضول اور بے جا بہت صرف ہوتا ہے اگر حضرت عالی تکلیف فرما کر جاود تشریف لے آئیں اور دیگر حضرات علماء کرام سے بالمشافہ اس میں گفتگو کر کے محقق کر دیں تو احیاء سنت کے ساتھ اجراء سنت مرحومہ بھی ہوگا اور رفع نزاع ہو کر صورت اتحاد مسلمانوں میں نظر آئے گی اول تو اس عریضہ کے جواب کے انتظار نے زحمت انتظار میں گرفتار کیا' تیس چوبیس روز کے بعد مدۃ انتظار ختم بھی ہوئی تو کچھ بے سودی نظر آتی ہے۔

اول تو ہم ناکارہ اس قابل نہ سمجھے گئے آپ جیسے ہادی قوم اور مقتدائے ملت نے اپنے بھائی مسلمانوں سے خطاب تک گوارا نہ فرمایا۔ اس رجسٹری کے جواب سے بھی محرومی ہی رہی جس میں (۲۰) کے ٹکٹ بھی بغرض جواب حاضر خدمت کئے گئے خیر

تاہم ایک کارڈ جناب عبدالسلام صاحب رضوی کی طرف سے ہم ناچیزوں تک پہنچا جس کی طرز عبارت سے اس کا پتہ چلا کہ یہ ہمارے عریضوں کے جواب میں ہے۔ حضرت عالی ہم ان بزرگ سے واقف نہیں ہم نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے تعمیل ارشاد حضرت عالی! یہ کارڈ لکھا ہے یا خود ہی اپنی طرف ہی سے لکھ مارا غالب گمان یہ ہے کہ آپ جیسے ہمدرد اسلام و اہل اسلام کا حکم اس قسم کا نہیں ہو سکتا بلکہ ظن غالب یہ ہے کہ شاید ہم غریبوں کی آواز بھی آپ کے گوش مبارک تک نہ پہنچی ہو گی لہذا پھر بذریعہ رجسٹری عرض کرتے ہیں کہ براہ کرم ہمارے عرائض سابقہ کو ملاحظہ فرمایا جاوے نیز اس خاکسار نامہ پر نظر کر کے براہ خدا اور رسول اس کی طرف توجہ فرمائی جاوے اور اگر یہ کارڈ ایمائے حضرت سے لکھا گیا ہے تو نہایت ادب سے گذارش ہے کہ دنیا بھر کے علماء و فضلا کو ایسے الفاظ کہ جو ہماری زبان و قلم سے بھی ادا نہیں ہو سکتے لکھنا کہاں تک مقتدایان امت محمدیہ کی ہتک عزت ہے اور مانا کہ آپ جیسے علم و فضل کا دنیا کے پردہ پر کوئی عالم نہیں تاہم ان کو اس بات کو سمجھا کر منوانے کی بھی ضرورت ہے یوں ہی حضرات علماء کبار کو مجاہیل وغیرہ کہہ کر اظہار حق کو ٹلانا گریز نہیں تو اور کیا ہے؟

آخیر میں مولوی حمد اللہ صاحب کو تجویز فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ وہ سو پر بھاری ہیں اس کا تو انکار نہیں کہ وہ سو پر نہ سہی ہزار پر بوجھل ہوں مگر مشکل یہ کہ اول تو ان کا پتہ تک معلوم نہیں ان سے عرض کریں تو کیسے اور کہیں نشان ملا بھی تو اس کا کیا اطمینان کہ وہ منظور بھی فرمائیں گے اور اگر یہ سب مرحلہ طے ہو کر تشریف لے بھی آئے اور بات کہہ کر چلے گئے تو رفع نزاع میں کیا کمی آئی آپ سب حضرات مل کر کہدیں گے کہ ایک طالب علم تھا وسعت نظر کم تھی۔ لہذا پھر نہایت ادب و عاجزی سے التماس ہے کہ خدا اور اس کے رسول جل ذکرہ و ﷺ کے واسطے تکلیف فرمائیے یا کم سے کم اتنا تو ضرور کر دیجیے کہ مولوی حمد اللہ ہوں یا جو کوئی صاحب اس کام کے لئے منتخب ہوں ان کے نام بطور وکالت نامہ کے ایک تحریر جناب عالی لکھ دیں کہ ان کا کیا دھرا ہار جیت سب ہماری ہی ہو گی تا کہ پھر بعد میں صورت نزاع باقی نہ رہے اور اس پر مہر و دستخط فرما کر خود ہی ان کو مطلع فرمایئے اور خود تاریخ مقرر فرما کر اس تحریر کی ایک نقل اور تعین تاریخ سے مطلع

فرمائیے خدا کے لئے احقاق حق اور ابطال باطل میں لاطائل وفضول باتیں کہ مجاہیل کو منہ نہیں لگاتے نکال کر حق سے گریز کی صورتیں نہ پیدا کیجیے ہم نہایت سختی سے منتظر ہیں کہ کب خدا تعالیٰ آپ کے دل میں صفت رحم کا ظہور فرماتا ہے اور کب ان غریب مسلمانوں کی حالت پر کرم کی نظر ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یا تو خود ہی صعوبت سفر احیاء سنت کے لئے گوارا فرمائیے یا کسی صاحب کو مقرر کیجیے تو ان کو اس قسم کی تحریر دیجیے اور اپنے قلم مبارک سے ہم ناچیزوں کو مطلع فرما کر ممنون احسان کیجیے۔

محمد صدوق ساز از جاود ضلع نیمچ ۲۲ مئی ۱۹۱۶ء

تیسری درخواستِ مناظرہ براہِ راست فاضل بریلوی کی خدمت میں اور جواب ندارد

مخدومنا مکرمنا معظمنا حضرت مولانا مولوی الحاج حافظ القاری مجدد مائۃ حاضرہ محمد احمد رضا خان صاحب دام اقبالکم۔بعد سلام سنت الاسلام کے واضح رائے ہو کہ حضور کی خدمت میں ایک عریضہ کارڈ اول بھیجا گیا تھا جس میں عرض کیا گیا تھا کہ یہاں پر اذان ثانی جمعہ داخل مسجد والے مخالفین ہم کو بہت تنگ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اذان ثانی خارج مسجد کا مسئلہ حق ہے تو تم اعلیٰحضرت کو مناظرہ کے لئے بلواؤ سو ہم بھی اپنے علماؤں کو بلوالیویں۔تاکہ اس مسئلہ کا فیصلہ ہو جاوے سو تابعدار نے عرض کیا تھا کہ حضور تشریف لا کر اگر اس کا فیصلہ فرما دیویں تو بڑا کرم ہو گا لیکن حضور کی جانب سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔پھر دوبارہ ایک عریضہ لفافہ معہ ٹکٹ جواب کے لئے بذریعہ جوابی رجسٹری بھیجا گیا اس میں بھی عرض کیا گیا کہ حضور مخالفوں نے بہت ستا رکھا ہے اور رات دن کہتے ہیں کہ اپنے اعلیٰحضرت عظیم البرکت کو مناظرہ کے لئے بلواؤ ہم بھی اپنے علماء کو بلواتے ہیں۔اگر اعلیٰحضرت نے مسئلہ اذان ثانی خارج مسجد ثابت کر دیا تو ہم سب لوگ خوشی تسلیم کر کے سنت مبارکہ کو جاری

کرا دیں گے۔ مخالف لوگ حضور کی آمد و رفت کا صرفہ معہ ہمراہیاں کے قبول کرتے ہیں لیکن یہ شرط پیش کرتے ہیں کہ اول اعلیٰحضرت کے یہاں سے تاریخ آمد مناظرہ مقرر ہو کر تحریر دستخطی و مہری آجانا چاہیے۔ دوئم عریضہ کا جواب بھی حضور کے یہاں سے کچھ نہیں آیا اب پھر حضور سے عنداللہ و عندالرسول عرض ہے کہ تاریخ مناظرہ مقرر فرما کر تحریر دستخطی و مہری روانہ فرمائی جاوے تاکہ مخالفوں کو کہدیا جاوے کہ ہمارے اعلیٰ حضرت تشریف لاتے ہیں تم اپنا انتظام کرو تھوڑی تحریر کو زیادہ تصور فرمایا جاوے۔

رسالہ۔ "اجلی انوار الرضا" ۲ جلد اور کوئی جدید رسالہ اذان ثانی کے مسئلہ کے متعلق شائع ہوا ہو تو جلد بذریعہ ویلیو پی اپیل مرحمت فرمادیں۔

مرسلہ اسماعیل چھیپہ قصبہ جاود ضلع نیمچ

۱۸ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ شنبہ

تقریظ

السید محمد مخدوم الحسینی الحسنی القادری

الحمدلله الوهاب مجیب السائلین بالصدق والصواب والصلوة والسلام علی من انزل علیه الکتاب سید ا لا نام خیر الداعین الی الحق الصراح والصراط المستقیم وعلی آله واصحابه المنادین باعلی النداء الی کلمة الحق والصواب اما بعد فانی رایت هذا الکتاب المستطاب مولف العالم الا مجدالبارع الا وحد معین الدین والا سلام لازال کاسمه معینا للاتام فی کشف الظلام عن وجوه المسائل والاحکام فقد اجاز فی جوابه واصاب الفاضل العلام فی مسئلة الاذان والا علام بین یدی المنبر یوم الجمعة سید الایام اذاصعد الخطیب المنبر لانصات الحاضرین واستماعهم ذکر الله کما هو مذهب الجماهیر الا علام المتوارث بین اهل الاسلام لاریب فیه هدی للمتقین وارغام المرتابین کیف لا وقد اثبته الفاضل المجیب اللبیب باالبراهین والا دلة من نقل اخبار الا خیار الا جلة فجزاه اللّٰہعنا خیر الجزاء آمین

وانا العبد الفقیرالی الله الغنی الباری السید محمد مخدوم الحسینی الحسنی القادری المعروف باسید خواجه پیرالحسینی القادری النظامی عامله اللّٰہبلطفه السامی .

(هذه الرساله تمت وعمت)

استفتاء

(بسم اللہ الرحمن الرحیم)

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اذان ثانی یوم جمعہ فقہ حنفی کے رو سے کہاں ہونا چاہیے ۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ تعامل قدیم جو عامہ بلاد اسلامیہ میں متوارث ہے (یعنی اذان ثانی داخل مسجد) بدعت سئیہ ہے اس باب میں ابوداؤد کی اس حدیث سے سند لاتے ہیں جسکی سند میں محمد بن اسحق صاحب المغازی ہیں جس میں لفظ "بین یدیہ" کے ساتھ " علی باب المسجد" وارد ہوا ہے۔ اور عبارت کتب فقہیہ جن میں "یکرہ الاذان فی المسجد" وارد ہے سنداً پیش کرتے ہیں۔ علماء کا فریق دیگر اسکے سخت مخالف ہے وہ تعامل موجود کو اس وجہ سے حجت قرار دیتے ہیں کہ یہ زمانہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چلا آیا ہے اور عبارات فقہیہ میں "بین یدی المنبر" وعند المنبر ."وقریبا من المنبر" کی بناء پر اذان خارج مسجد کو خلاف مذہب حنفی جانتے ہیں اور حدیث کی صحت میں محمد بن اسحق راوی کیوجہ سے کلام کرتے ہیں اس بارے میں جو جناب کی تحقیق ہو ظاہر کی جائے۔

بَینواتوجَرُوا رحمکم اللہ

الجواب وهو الموفق للصواب

اذان ثانی یوم جمعہ فقہ حنفی کی رو سے امام کے سامنے داخل مسجد قریب منبر ہونا چاہیئے جیسا کہ تمام دنیا میں اس پر عملدرآمد ہے البتہ نماز پنجگانہ کے لئے اذان خارج مسجد ہونا چاہیے جسکی نسبت فقہائے کرامؒ نے تصریح فرمادی ہے کہ **یکره الا ذان فی المسجد.** "پر" **اذان متنازع فیه فی هذا الزمان.** "چونکہ دیگر اذانوں سے مستثنیٰ تھی اور اپنے لئے دو حکم خاص رکھتی تھی۔
اول یہ کہ امام کے روبرو عین محاذات میں ہو۔
دوسرے یہ کہ داخل مسجد اور امام کے قریب ہو۔

ان ہر دو بلکہ ہر سہ مقاصد کی ادائی کے لئے الفاظ **بین یدی الا مام** اور **عند المنبر وقریبا من المنبر** کافی ہیں دیکھئے اس **بین یدی الا مام** سے اس قدر تو ضرور پتہ چلا کہ یہ اذان دیگر اذانوں سے ضرور مستثنیٰ ہے اور وہ استثناء یہ ہے کہ امام کے روبرو ہونا چاہیئے دیگر اذانوں کے لئے یہ حکم نہیں ہے اس قدر پر تو سب کو اتفاق ہے حتیٰ کہ فریق دیگر بھی اس امر پر سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں حالانکہ سوائے اس جگہ کے دوسری جگہ سے اس کا استثناء معلوم نہیں ہوا۔ اب ہم کو سخت حیرت ہے اور حیرت کے ساتھ الجھن کہ فریق دیگر ہم سے اس امر کا مطالبہ کرتے ہیں کہ جب داخل مسجد اذان ممنوع ہوئی تو اس اذان کا استثناء کسی کتاب حنفی سے دکھاؤ، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ یہ ہم سے کیوں مطالبہ کیا گیا۔ ہم تو صاف کہ دیں گے کہ حضرت جیسے امر اول کا اس سے استثناء ہوا ویسے ہی امر ثانی (داخل مسجد) وامر ثالث (قریب امام) کا خود بخود اس حکم سے استثناء ہو گیا "**بین یدی**" "**وعند**"" **وقریب** "سب سے متبادر معنی قریب کے ہیں اب رہی کھینچ تان سو وہ دوسری بات ہے جس کے لئے ناظرین کو ذرا

توقف وانتظار کی ضرورت ہے۔ لیجئے **یکرہ الاذان فی المسجد** کا توجواب ہو گیا۔ اب رہی حدیث تو اگر درجہ صحت کو بھی پہنچی ہوئی ہے تو وہ اخبار آحاد سے ہے اور خبر واحد تعامل کا نہیں بلکہ اجماع مسلمین کا مقابلہ نہیں کر سکتی نہ ضعیف اور بقول فریق دیگر حسن کیسے مقابل اجماع ہو سکتی ہے

الحمدللہ نفس سوال کے جواب سے توفراغت پائی اگر قائل فریق دیگر بھی اس قدر پر کفایت کرتا اور احیانا جو ایک حدیث پر ان کی نظر پڑ گئی تھی اس کا نہایت سہل جواب بطریق مذکور اپنے آپ دے لیتا تو یہ بلجل جواب بچی ہوئی ہے کا ہے کو مچتی اور یہ قیامت صغری جو محض ایک فرعی مسئلہ کی وجہ سے دنیا میں قائم ہو گئی ہے بدستور روپوش رہتی لیکن جبکہ یہ مسلمانوں کے ادبار کا زمانہ ہے بھلا ایسا کیوں کر ہو سکتا تھا فریق دیگر نے اس طرف توجہ نہیں مبذول کی اور ایک جدید حکم اس حدیث سے مستنبط کر کے شائع کر دیا اب شائع ہونے کے بعد رجوع الی الحق مردان خدا کا کام ہے ہر شخص میں اسکی اہلیت نہیں ہے

طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست

قصہ تو یہ بہت مختصر تھا لیکن ہماری نزاع سے عنقریب بحر طویل بننا چاہتا ہے بلکہ بن چکا رسالے پر رسالے بھی شائع ہو گئے بات جواب سے جواب الجواب تک پہنچ گئی اس موقع پر بظاہر سکوت مناسب تھا اگر کتمان حق اور سائل کے سوال کا رد گناہ کبیرہ نہ ہوتے تو ہم ضرور سکوت اختیار کرتے لیکن جب ایسا نہیں ہے تو جواب نہ دینا جرم خداوندی میں مبتلا ہونا ہے اور مختصر جواب کا یہ مطلب ہے کہ گویا جواب نہیں دیا اور مسئلہ کو بدستور تاریکی میں رکھا لہذا مجبورا تحریر کو وسعت دی جائی گی تاکہ حق روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاوے اور جو حضرات طالب حق ہیں وہ جادہ مستقیم پر قائم رہیں اور قیامت صغری کے ہولناک اور مہیب آواز گولوں سے بچنے کے لئے یہ تحریر سپر کا کام دے دوسرے سے ہم کو چنداں بحث نہیں۔

یوں تو اس مسئلہ کے متعلق دو چار فتوے اور بھی شائع ہوئے ہیں جن میں یہ حکم لگایا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد ہو لیکن اس میں جناب مولوی

احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے سب سے زائد حصہ لیا ہے اور انہیں کا فتویٰ سب سے پیشتر شائع ہوا ہے اسوجہ سے ہمارے اس جواب میں عموما انہیں کی تحریرات پر تنقیدی نظر ہوگی۔

فاضل بریلوی۔ اس مسئلہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

رسول ﷺ کے زمانہ اقدس میں یہ اذان مسجد سے باہر دروازہ پر ہوتی تھی سنن ابوداود شریف میں ہے **عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالی عنه قال کان یوذن بین یدی رسول اللہ اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکرؓ و عمررضی اللہ عنہما**

یعنی جب رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے ددروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی ابوبکر و عمرؓ کے زمانہ میں اور کہیں منقول نہیں کہ حضور اقدس ﷺ یا خلفائے راشدین نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو اگراس کی اجازت ہوتی تو بیانِ جواز کے لئے کبھی ایسا ضرور فرماتے۔ انتہی)

اس کے بعد فاضل بریلوی نے کتب فقہ کی اس عبارت" لا یوذن فی المسجد "کے نقل کا سلسلہ قائم کر دیا ہے اور کامل دس کتابوں سے اس فقرہ کو نقل کیا ہے اور ان سب کا خاتمہ جناب مولانا عبدالحیؒ نوراللہ مرقدہ کی اس عبارت پر کیا ہے کہ جو (بین یدی) کی تفسیر میں واقع ہوئی ہے کہ **ای مستقبل الا مام فی المسجد کان اوخارجه والمسنون هوالثانی**

بس ہو گیا فاضل بریلوی کا استدلال ختم۔ لیکن ہم کو اس میں و نیز ان کی دیگر تحریرات میں کلام ہے جس کو نمبروار لکھتے ہیں۔

فاضل بریلوی کا اجماع سے فرار

(۱) اس مقام میں گو فاضل بریلوی نے اجماع کے شکست دینے کا تہیہ کر یعنی امام کے سامنے مسجد میں ہو یا مسجد سے باھر اور مسنون دوسری صورت ہے

لیا ہے مگر مسلمانوں کو اس کی سخت ضرورت ہے کہ اجماع کو ہاتھ سے نہ دیں اور اس کی اہمیت کو سمجھیں ورنہ وہ جادہ مستقیم سے بہت دور جا پڑیں گے تمام اہل حق علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ احکام شرعیہ کا استنباط چار ادلہ سے ہوتا ہے (۱) کتاب اللہ (۲) یعنی امام کے سامنے مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر اور مسنون دوسری صورت ہے سنت اللہ رسول اللہ ﷺ (۳) اجماع امت مرحومہ (۴) قیاس مجتہدین۔ ان میں کتاب اللہ کا مرتبہ سب سے بڑھ کر تسلیم کیا گیا ہے نص قرآنی سے جو حکم ثابت ہو جاوے تو پھر دوسری طرف التفات نہیں کیا جاوے گا اسی وجہ سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اخبار احاد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں رکھتے مثلاً نص قرآنی علی الاطلاق حکم دے رہی ہے اور خبر واحد اس کو مقید کرتی ہے، اس بارہ میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ ہم اس کو مطلق مانیں گے وجہ یہ کہ نص قرآنی متواتر ہے اور خبر واحد کے راوی گو عادل وضابط ہی سہی اس میں تواتر کا سا یقین نہیں پیدا ہو سکتا بناء علیہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ تو اتر سے تو اطلاق سمجھا گیا اور ایک خبر گو فی نفسہ صحیح ہے لیکن نعمت تواتر سے محروم ہے وہ اسکو مقید کر رہی ہے اب اگر ہم خبر واحد پر عمل کریں تو اس کا صاف یہ مطلب ہے کہ برہان قوی چھوڑ کر دلیل ضعیف کا سہارا لیا جس میں غلطی کا احتمال قائم ہے، اس کو کسی طرح فطرت سلیمہ ایک لمحہ کیلئے بھی دائرہ جواز میں نہیں لاسکتی البتہ اگر حدیث بھی درجہ شہرت اور تواتر کو پہنچ چکی ہو تو اسکی زیادتی امام صاحب تسلیم فرماتے ہیں اس حکم خاص میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں۔ مشہور واقعہ فاطمہ بنت قیس میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہؓ کا یہی فیصلہ تھا کہ لَانَدَعُ کتابَ اللہِ بِقَوْلِ امرَاۃٍ صدقتْ ام کذبت[1]۔ ہم ایک عورت کے قول کے باعث کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے کیا

---

[1] یہ حدیث ترمذی ج اول ص ۲۲۳ (باب ماجاء فی المطلقة ثلاثا لا سکنی لها ولانفقة) میں بایں الفاظ منقول ہے لا ندع کتاب الله وسنة نبینا بقولِ امراۃٍ لا ندری احفظت ام نسیت

(معلوم) خبر وہ سچی ہے یا جھوٹی حالانکہ وہ حدیث رسول اللہ ﷺ بیان کر رہی تھی۔ کیا اس واقعہ سے حضرت فاروق اعظمؓ پر یہ الزام قائم ہو سکتا ہے کہ انھوں نے حدیث رسول اللہ ﷺ کی طرف توجہ نہ کی۔ حاشا و کلا۔ بات یہ تھی کہ فاروق اعظمؓ کو خود اس میں شبہ تھا کہ یہ حدیث رسول ہے بھی یا نہیں ورنہ حدیث رسول اللہ معلوم ہونے کے بعد اس سے سر مو تجاوز نہ کرتے۔ امام اعظمؒ بھی انہیں کے مقلد ہیں فاروق اعظمؓ نے جو گر سکھایا امام اعظمؒ نے اسکو بالراس والعین۔ قبول کر کے فقہ کی بنیاد اس پر قائم کر دی جس سے ظاہر ہیں یہ سمجھے کہ امام صاحب حدیث کا خلاف کر رہے ہیں اور یہ نہ سمجھے کہ خود بدولت قرآن کا خلاف کر رہے ہیں جس کا ایک ایک حرف بلکہ ایک ایک اعراب متواتر ہے۔

صاحبو دیکھی آپ نے تواتر کی شان۔ تواتر اجماع کی ایک قسم ہے کسی کلام پر اجماع ہو گیا "تواتر" نام پایا کسی فعل پر اتفاق ہو گیا "اجماع" کہلایا۔ عقل کو اگر قیود مذہب سے آزادی بھی دیدی جائے تو وہ اجماع تواتو کی پابند نظر آویے گی لندن و کلکتہ کے نہ دیکھنے والوں کو بھی ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ دیکھنے والوں کو، غرض ایک جماعت کے اتفاق سے ایک ایسی اذعانی حالت قلب پر فائض ہوتی ہے کہ پھر اس کا زائل ہونا قیامت ہوتا ہے خصوصا امت مرحومہ کا اجماع جس کی نسبت اللہ عزاسمہ کا ارشاد ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ [1]

دیکھئے اللہ جل شانہ نے امت مرحوم کی دو اعلی صفتیں بیان فرمائیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر اب یہ نہیں ہو سکتا کہ معاذاللہ فرمان الہی جھوٹا ہو اور نہ کوئی سچا مسلمان اس حکم سے سرتابی کر کے یہ جراءت کر سکتا ہے کہ تمام امت مرحومہ کو بدعتی قرار دے اور اس کی ان دو پاکیزہ صفتوں کی طرف سے ایسی

---

[1] تم بہترین امت ہو جو عام لوگوں کے فائدے کیلئے ظاہر کیگئی ہے۔ نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ (آل عمران ۱۱۰)

آنکھ بند کرلے کہ شاید قیامت ہی میں کھلے۔ ان حضرات کو اس آیت پاک سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ جنھوں نے اجماع امت مرحومہ کو بالائے طاق رکھکر اور اس کے اتفاق سے مرعوب نہ ہو کر وہ بات سکھائی جس سے کسی عالم وجاہل کے کان اس سے پیشتر آشنا نہ تھے۔ ونیز اللہ عزاسمہ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ۔[1]

دیکھئے اس آیت پاک میں سبیل مومنین کے انحراف پر اسقدر سخت وعیدوارد ہوئی ہے کہ انجام کار اس کا دوزخ ہے۔ فاضل بریلوی اور ان کے متبعین حضرات کو اس آیۃ کریمہ کے مضمون پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے اور دفعتاً اجماع کی مخالفت پر کمربستہ نہ ہونا چاہیے

یہ ارشاد ربانی بھی ملاحظہ ہو

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ البقرۃ ۲۔۱۴۳)۔

دیکھیے اللہ جل شانہ امت مرحومہ کو کس عنایت بالغہ سے خطاب فرمارہا ہے "کہ تم کو ہم نے امت وسط (عادل) بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے گواہ بنو۔"

یہ کس غرض سے اس لئے کہ تمھاری شہادت قبول کی جاوے لیکن فاضل بریلوی امت مرحومہ کی شہادت نہیں قبول فرماتے وہ داخل مسجد جمعہ کی اذان ثانی کی قائل ہے اور بالاتفاق یک زبان ہو کر اس کی شہادت دے رہی ہے مگر فاضل بریلوی کی جناب میں کچھ سماعت نہیں ہوتی حضور انور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں لاتجتمع امتی علی الضلا لۃ

میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی۔" (ابن ماجہ ص ۲۹۲ باب السواد الاعظم)

---

[1] جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے راستہ کے علاوہ کسی اور طریقہ کی اتباع کرے گا۔ تو ہم اسکی اختیار کردہ راہ کے سپرد کردیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔

یہ کیسی صاف پیشین گوئی امت مرحومہ کے حق میں ہے لیکن اس زمانہ میں اس مبارک پیشین گوئی کے جھٹلانے کی فکریں ہورہی ہیں اس میں صرف اس قدر احتیاط برتی گئی کہ اجماع کے لفظ کو تعامل سے بدل دیا مطلب یہ کہ تعامل کے خلاف فتوی دیا جارہا ہے نہ کہ اجماع کے خلاف لیکن تبدیل نام وتغیر اسم ہی سے اگر کام چل جاتا تو شراب خوروں کو مردہ ہو کہ وہ بھی شراب کا نام شربت انگور رکھ کر خوب دما دم جام شراب اڑائیں ۔ تمام عرب و عجم شرق و غرب ہندو چین فارس وروم میں اذان ثانی داخل مسجد ہوتی ہے اللہ اکبر ایسا بدیہی اور زبردست اجماع صرف فاضل بریلوی کے لفظ تعامل فرما دینے سے نیست ونابود ہوسکتا ہے۔

ہر گز نہیں ۔ حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے کہ۔

ماراٰہ المومنون حسنافھوعنداللہ حسن (۱)

جس امر کو مومنین بالاتفاق یا اکثر اچھا خیال کرلیں وہ اللہ عزاسمہ کے نزدیک بھی اچھی ہے ۔"

لیکن اس میں بعض علماء زماں کو کلام ہے وہ فرماتے ہیں بلکہ بدعت ہے اور بدعت بھی بدعت سئیہ نیز حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے کہ

اتبعواالسوادالا عظم فمن شذ شذ فی النار. (۲)

نہ معلوم ایسی صریح حدیث کے ہوتے ہوئے کیوں اس زمانہ کے بعض علماء نے ایک دم تمام اسلامی دنیا کے تعامل واجماع کو فنا کرنے کا تہیہ کیا ۔ پھر اگر انھیں بعض کے مجرد قول وفتوی پر ایسے ایسے زبردست اجماع نیست ونابود ہو سکتے ہیں تو پھر کسی اجماعی مسئلہ پر اطمینان باقی نہیں رہ سکتا عام مسلمانوں پر اس کا

---

۱ ۔ یہ حدیث ابوداود طیالسی ص ۳۳ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۷۸ میں بالفاظ ذیل منقول ہے ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن

۲ ۔ سواد اعظم کی اتباع کرو، جو علیحدہ ہوا اس سے وہ تنہا ڈالا جائیگا جہنم میں ۔ مشکوۃ المصابیح ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل ثانی ۔

نہایت برا اثر پڑے گا مبادا کہیں وہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ نفس اذان وصلوۃ پر جو اجماع ہے کہیں یہ بھی مصنوعی نہ ہو اور کسی زمانہ کی جدید تحقیق کی رو سے یہ بھی کالعدم نہ ہو جاویں۔ لیجیے ارادہ تو کیا تھا احیاء سنت کا اور ہو گیا یہ کہ اب فرائض وواجبات کے بچنے کی بھی خیر نہیں ہے۔ اس موقعہ پر کم از کم اسی حدیث پر غور کر لیا جاتا جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حطیم کو خانہ کعبہ میں داخل کرنے کی خاطر خانہ کعبہ میں کسی قسم کا تصرف نہ فرمایا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری قوم جدید الاسلام نہ ہوتی تو میں کعبہ کی صورت موجودہ کو منہدم کر کے حطیم کو کعبہ میں داخل کر لیتا۔ اس حدیث سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فساد عظیم کے فرو کرنے کی خاطر چھوٹا موٹا فتنہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ تبویب بخاری بھی اس کی رہبری کر رہی ہے۔ بناء علیہ فاضل بریلوی اور ان کے ہم مشرب حضرات کو اگر اس جدید مسئلہ کی تحقیق بھی ہو گئی تھی تو فساد عظیم کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو سکوت اختیار کرنا چاہیئے تھا۔ علاوہ ازیں جب بیٹھے بٹھائے ایک آدھ حدیث کو سر سری نظر سے دیکھ کر اجماع مسلمین کو فنا کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے تو پھر اجماع کے متعلق جسقدر احادیث وارد ہوئی ہیں ان کا محل کونسا ہو گا۔ اور وہ کس دن ہمارے کام آویں گی۔

فاضل بریلوی کی حضرت مجددؒ کے کلام سے اجماع کو باطل کرنیکی کوشش

(۲) فاضل بریلوی نے اس زبردست اجماع کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اس تحریر سے جو ان کے مکتوبات میں ہے باطل کرنے کی کوشش کی ہے۔

عالم در دریای بدعت غرق گشتہ است و بظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال (است) کہ (دم از رفع بدعت زند و) باحیاء سنت لب کشاید اکثر علمائے ایں وقت (رواج دہندہائے بدعت اند و محو کنندہائے سنت) بدعتہائے پہن شدہ را تعامل (خلق) دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آنہا فتوی مید ہند و نمید انند کہ تعامل

دلیل استحسان نیست تعاملی کہ معتبر است ہمانست کہ ازصدر اول آمدہ است یا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ وشک نیست کہ علم بہ تعامل کافۂ انام و بہ عمل جمیع قری وبلدان از حیطۂ بشر خارج است انتہی۔"۔ ۱۔

یہ عبارت نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں

مخالفین کے بڑے شبہے دو تھے ایک عام رواج ۔(سبحان اللہ اجماع کا نام عام رواج رکھا ہے) دوسرے یہ کہ اتنے اتنے بڑے علماء ومشائخ گزرے کیا سنت کے خلاف کرتے تھے وہ کیا مسئلہ نہ جانتے تھے کیا عبارات سابقہ وعبارت حضرت مجدد صاحب نے پہلے شبہ کا کافی رد نہ فرما دیا کیا خاص عبارت حضرت مجدد نے دوسرے شبہ کا بنفس جلیل ازالہ نہ کر دیا کہ ایسی جگہ رواج دیکھ کر علماء کو تعامل کا دھوکا ہوتا ہے اس لئے ساتھ دینے اور جائز بلکہ بہتر سمجھنے لگتے ہیں۔ ۲

مطلب یہ کہ اجماع اور چیز ہے اور تعامل ورواج شئے دیگر جمعہ کی اذان داخل مسجد پر رواج اور تعامل ہے نہ کہ اجماع ۔ اجماع مسلم ہے لیکن تعامل ورواج غیر مسلم ۔ بس ہو گیا استناد ختم۔ فاضل بریلوی نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ مجدد صاحب کی اس عبارت ہی نے کہ "آمدہ است یا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ" تعاملی کہ معتبر است ہماں است کہ ازصدر اول

۱۔عالم دریائے بدعت میں غرق ہے کس کی مجال ہے کہ بدعت کو اٹھانے کا دم مار سکے اور احیاء سنت کے لئے لب کشائی کر سکے۔ اس وقت کے اکثر علماء بدعت کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں۔ پھیلی ہوئی بدعتوں کو تعامل خلق جان کر اس کے جائز ہونے بلکہ مستحسن ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ تعامل دلیل استحسان نہیں ہے جو تعامل معتبر ہے وہ ہے جو صدر اول سے آیا ہو یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہو۔ اور شک نہیں ہے کہ تمام مخلوق کے تعامل کا علم اور تمام بستیوں اور شہروں کے عمل کا علم انسانی طاقت سے باہر ہے۔مکتوبات امام ربانی حصہ ہفتم دفتر دوم مکتوب ۵۴ ۔ نوٹ جو جملے نقل عبارت میں فاضل بریلوی سے رہگئے تھے انہیں بین القوسین ظاہر کر دیا گیا ہے۔

۲۔مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ ص ۱۶

فاضل بریلوی کے استناد کو باطل کر دیا۔ اس وجہ سے کہ جمعہ کی اذان ثانی داخل مسجد صدر اول سے برابر یونہی چلی آرہی ہے نہ کہ کسی خاص زمانہ میں خاص شہر کے لوگوں نے اس کو ایجاد کیا ہے اگر ایسا ہوتا تو تاریخ اس کا پتہ دیدیتی اور فاضل بریلوی اس کی شہادت پیش کر دیتے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور نہ آئندہ وہ کوئی تاریخی ثبوت پیش کر سکتے ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ وہ تاریخی شہادت پیش کرتے لیکن وہ الٹا ہم سے شہادت کا مطالبہ کر رہے ہیں چلئے ہم نے تسلیم کیا کہ یہ فعل صدر اول سے نہیں لیکن دوسری شق باجماع جمیع مردم میں داخل ہے اور اگر اس میں فاضل بریلوی کو شک ہو تو بسم اللہ وہ آویں اور ہمارے ساتھ دنیا کا سفر کریں خدا نے چاہا تو اپنی ایجاد کردہ صورت کہیں اسلامی دنیا میں نہ پاویں گے خصوصا مساجد احناف میں ،فاضل بریلوی نے مجدد صاحب کی پچھلی عبارت سے دھوکا کھایا کہ "شک نیست کہ علم بہ تعامل کافہ انام و عمل جمیع قری و بلدان ازحیطۂ بشر خارج است"

اور یہ نہ سمجھے کہ اس زمانہ میں یہ کوئی مشکل بات ہے۔ ریل وتار وجہازات دخانی کے ظہور نے تمام مشکلات کا خاتمہ کر دیا ہے لمحہ لمحہ میں دنیا بھر کے حالات معلوم ہو رہے ہیں روم وروس میں واقعات ہو رہے ہیں اور آسام وسیام و برہما وچین والے اسی دن ان واقعات پر خبر دار ہو کر اپنے اخبارات میں شائع کر رہے ہیں اطلاع احوال کے لئے اس زمانہ میں سفر کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے گھر بیٹھے دنیا بھر کے حالات پر مختلف ذرائع سے اطلاع ہو جاتی ہے پھر لطف یہ کہ ہر ملک کے لوگ ہر ملک میں اس کثرت سے بستے اور آمدورفت رکھتے ہیں کہ ان سب کی خبریں تواتر کی حد تک پہنچ جاتی ہیں ان میں سے کسی صاحب نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے ملک میں خارج مسجد اذان ثانی ہوتی ہے بلکہ سب کا بالاتفاق یہی بیان ہے کہ جس طرح سرزمین ہند کا عملدرآمد ہے ہمارے یہاں بھی یہی تعامل ہے۔ حکماء کو بڑاالزام متکلمین نے یہ دیا ہے کہ وہ **قیاس الغائب علی الشاھد** (۱) کے عادی ہیں جس کی نظیر یہ ہے کہ حکماء نے جب دیکھا کہ تمام

۱۔غائب کوحاضر پر قیاس کرنا۔

دنیا کا کارخانہ مادہ سے چل رہا ہے رنگ برنگی صورتیں اس پر فائض ہو کر فنا بھی ہو جاتی ہیں لیکن ہر صورت میں مادہ کی جلوہ گری ہے لکڑی میں بھی وہی مادہ تھا۔ لکڑی سے کاغذ بنا کاغذ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا راکھ رل ملکر مٹی بن گئی صورتوں کے تغیر کا سلسلہ برابر قائم ہے لیکن مادہ ویسا ہی جوں کا توں موجود ہے پس اس کو دیکھ کر حکماء نے قیاس جما دیا کہ مادہ قدیم ہے اور حادث اس کی صورتیں ہیں۔ جہلائے طبقہ ہند نے تو مادہ کو واجب الوجود ہی تسلیم کر لیا اس پر متکلمین نے حکماء کو یہ الزام دیا کہ تم گولر کے کیڑے ہو جو تم نے اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے دیکھا ازل کو بھی اس پر قیاس کر لیا آج جو واقعات ہیں یقینا کل وہ نہ تھے پھر یہ نری حماقت نہیں ہے کہ واقعات لایزالی کا وجود ازل میں تسلیم کیا جاتا ہے اس بحث کی اگر تفصیل مد نظر ہو تو مجمع انام حقائق آگاہ حضرت مولانا مولوی حاجی محمد انوار اللہ مرقدہ کے مشہور رسالہ مقاصد الاسلام کے حصہ سوم میں دیکھو۔ الغرض حکماء پر تو یہ الزام تھا کہ انھوں نے **قیاس الغائب علی الشاهد** (۱) کیا ہے لیکن فاضل بریلوی **قیاس الشاهد علی الغائب**[۲]

کر رہے ہیں یعنی جیسے پہلے ریل تار نہ ہونے کی وجہ سے اطلاع احوال دشوار بلکہ قریب محال تھی اسی طرح ان اشیاء کے ظاہر وحادث ہونے کے بعد بھی محال رہنا چاہیے اور اس پر دلیل یہ کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانے میں اس کو محال بتایا ہے۔

فاضل بریلوی کا فتاویٰ حرمین شریفین کو بذریعہ تاویل رد کرنا

(۳) فاضل بریلوی ہمیشہ فتاوائے حرمین شریفین کے سامنے سر تسلیم خم کرتے رہے ہیں۔

۱۔ غائب کو حاضر پر قیاس کرنا۔ ۲۔ حاضر کو غائب پر قیاس کرنا۔

مشہور فتوائے حسام الحرمین سے طائفہ دیوبند کو کفر کے گھاٹ اتار دیا لیکن جب وہی مدنی فتوی فاضل بریلوی کے خلاف نمودار ہوا تو لگے تاویلیں کرنے چنانچہ اپ نے رسالہ "مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ" کے سر ورق پر تحریر فرماتے ہیں

حرمین شریفین کا فتوی عقائد و متعلقات عقائد میں لیا جاتا ہے اذان نماز روزہ وغیرہ محض فقہی مسئلوں میں صرف کتاب معتبر ہے ورنہ مذہب حنفی بالکل رد ہو جائے گا خود امام اعظمؒ وامام محمدؒ سے اس کے روشن ثبوت تا آخر"۔(۱)

دوسروں پر تو حسام الحرمین سے خوب وار کیا لیکن وہی وار جب خود ان پر ہونے لگا تو اب وار بچانے کی فکر میں ہوئے مگر ہم کو یہ وار خالی جاتا نظر نہیں آتا وجہ یہ کہ امام اعظم وامام محمد رحمۃ اللہ علیہما کی یہ شان تھی کہ اہل حجاز کے بالمقابل صاحب رائے تسلیم کئے جاویں چنانچہ اس پر بھی اجماع ہو گیا اور مذہب حنفی نے تمام دنیا پر اپنا سکہ بٹھالیا اور وہ فروغ پایا کہ نصف نہار کے آفتاب کو نصیب نہیں۔ کلام اب اس میں ہے کہ علماء احناف حرمین کا اگر دیگر علماء احناف سے کسی مسئلہ میں نزاع ہو جاوے تو کس کو ترجیح دی جاوے گی۔ ظاہر ہے کہ ظن غالب اسی طرف ہو گا کہ علماء حرمین کا قول مرجح ہے خواہ باب عقائد میں ہو یا اعمال میں امام مالک نے تو تعامل واجماع اہل مدینہ کو حجت شرعی کے درجہ تک پہنچا دیا ہے تلویح میں ہے۔ **والبعض ای خصصوا الا جماع باهل المدينة لقوله عليه السلام ان المدينة طيبة تنفی خبثها وان الخطاء خبث(۲)**

جبکہ خطاء خبث ہوئی تو وہ ہر حالت میں خبث ہوگی خواہ عقائد میں ظہور کرے یا اعمال میں امام مالکؒ کے سواء دیگر حضرات ائمہ گو تعامل اہل مدینہ کو

۱۔ مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ ٹائیٹل پیج

(۲) اور بعض علماء نے اجماع کو اہل مدینہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے بوجہ فرمان حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے کہ مدینہ طیب ہے اپنے سے نکال دیتا ہے گندگی کو اور غلطی بھی یقینا گندگی ہے توضیح والتلویح ص ۵۲۸)

حجت شرعی تو نہیں قرار دیتے حتی کہ حدیث صحیح کے مقابل میں تعامل کی طرف متوجہ نہیں ہوتے لیکن تعامل اہل مدینہ کو ایک خاص نگاہ وقعت سے ضرور دیکھتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ کوئی حدیث صحیح تعامل مدینہ کے خلاف نہیں پائی۔اب اگر اہل مصر کا تعامل اہل مدینہ کے تعامل کے خلاف ہے تو سب تعامل اہل مدینہ کو مقدم ومرجح مانیں گے یہ صورت تعامل تھی اور جبکہ ایک مسئلہ پر اہل مدینہ وتمام دنیا کا اجماع ہو جیسا کہ معاملہ اذان ثانی میں ہے اس صورت میں فاضل بریلوی کو کونسا حق حاصل ہے کہ مسلمانوں کو مدینہ طیبہ کے علماء کے استناد سے روکیں خصوصا جو کہ حنفی بھی ہیں۔ ایک عالم حنفی ہندی دوسرے عالم حنفی مدنی کا قول اپنی تائید میں پیش کر رہا ہے فاضل بریلوی اس کے مقابلہ میں فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع نہیں کیا لہذا یہ استناد باطل ہے اب کوئی بتائے کہ ان دونوں صورتوں میں کیا مناسب ہے۔ فاضل بریلوی اس موقع پر اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ حدیث کے مقابلہ میں تعامل اہل مدینہ رد کر دیا جاوئے گا مگر حضرت یہ تو اجماع عالم ہے یہ کیسے رد ہو جاوئے گا دوسرے یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اگر صحیح بھی ہے تو خبر واحد ہے جو ظنی ہے اور اس وجہ سے اجماع قطعی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تیسری یہ کہ اس حدیث میں کئی احتمال ہیں بعض احتمالات پر ہم کو مفید اور فاضل بریلوی پر حجت ہے ان سب کی تفصیل ہم آئندہ نمبروں کے لئے اٹھار کھتے ہیں۔

(لم) حدیث سے استناد مجتہد کا کام ہے نہ مقلد کا

حدیث سے استناد کرنا در حقیقت مجتہد کا کام ہے مقلد کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی حدیث سے تمسک کر کے کوئی حکم مستنبط کرے۔ امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں لکھا ہے کہ اس کتاب میں جس قدر احادیث ہیں وہ کسی نہ کسی امام کی معمول بہ ضرور ہیں سوائے دو حدیثوں کے کہ ان میں کی یہ حدیث ابن

عباس ہے۔

"ان النبی ؐ جمع بین الظهر والعصر با لمدینتوالمغرب والعشاء من غیر خوف ولا سفر ولا مطر۔"(۱)

اب فرمائے یہ حدیث تو صحیح ہے یا کم از کم حسن ہے لیکن معمول بہ نہیں ہے اس سے مقلدین کو عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ مجرد حدیث صحیح یا حسن دیکھتے ہی وہ جامہ سے باہر نہ ہوں کیوں کہ مقلد کی نظر نہایت محدود ہوتی ہے اس کو اپنی کم نظری کی وجہ سے یہ خیال نہ کر بیٹھنا چاہیئے کہ اس پر کیوں نہیں عمل کیا جاتا۔ یا اس کے امام نے کیوں نہیں اس کو معمول بہ قرار دیا۔ بناء علیہ مخالفت پر آمادہ ہو جاوے۔ وجہ یہ کہ جب اس کا علم محدود ہے اور نظر قاصر تو ممکن ہے کہ کوئی حدیث معارض ہو اور وہ صحت میں اس سے بڑھی ہوئی ہو جس کا علم اس کو نہیں ہے اور امام کی وسیع نظر میں ہے تقلید کا در حقیقت یہی منشاء ہے جنہوں نے قلادہ تقلید گردن سے اتار دیا ہے وہ ہمیشہ غوطے کھاتے رہتے ہیں غیر اہم بات کو اہمیت کا جامہ پہنا دیتے ہیں اور اہم کو پس پشت ڈال دیتے ہیں حلال کی تحریم اور حرام کی تحلیل ان کا شیوہ ہے ہم کو یہاں ان حضرات سے بحث نہیں اور نہ ان کی بے سروپا حرکات اور نت نئے اجتہادوں سے تعجب ہے اگر تعجب ہے تو جناب فاضل بریلوی سے ہے کہ انہوں نے باوصف سنی المذہب وصوفی المشرب حنفی ہونے کے کیوں کر ان کی روش اختیار کی ان کو چاہیئے تھا کہ روایات فقہیہ سے استناد کرتے۔ کوئی فقہی روایت بجز اس جملہ **لا یوذن فی المسجد**۔ (۲) کے ان کو دستیاب نہیں ہوئی جو ان کے دعوے سے کوسوں دور ہے یہ خیال نہ فرمایا کہ نماز پنجگانہ کی اذان کا یہ حکم ہے جو ابھی روز روشن کی طرح انشاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہونے والا ہے۔ ان کے اس فقہی استدلال سے یہ بھی ہمیں

۱۔ حضور ﷺ نے مدینہ میں ظہر عصر اور مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھا بلا کسی خوف اور سفر اور بارش کے۔ ترمذی ص ۲۳۵)

۲۔ فتاوی ہندیہ۔ ص ۵۵ (الباب الثانی فی الاذان۔ فصل ثانی)

معلوم ہوا کہ کوئی فقہی روایت اس بارہ میں ان کو نہیں ملی اور ملتی کیوں کر جبکہ کتب فقہیہ میں اس کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

فاضل بریلوی کا اپنے لیئے تفرد کا اثبات

(۵) فاضل بریلوی نے جدید تحقیق کی رو سے جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد ہونے کا فتوی تو دے دیا لیکن حدیث **اتبعواالسواد الا عظم فمن شذ شذ فی النار.**

ان کے لئے باعث اضطراب تھی اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے رسالہ وقایۃ السنۃ "میں اس عبارت کے لکھنے کی ضرورت ہوئی چنانچہ لکھتے ہیں

یہ حدیث در بارہ عقائد ہے یا فروع محضہ فقہیہ میں بھی۔ کون امام مجتہد ہے جسے بعض مسائل میں تفرد نہ ہوا امام اعظمؒ نے مدت رضاعت ڈھائی برس مانی، امام مالکؒ نے سور الکلب کو طاہر و مباح فرمایا، امام شافعیؒ نے متروک التسمیہ عمدا کو حلال بتایا، امام احمدؒ نے لحم جزور کو ناقض وضو ٹھرایا، کیا جمہور کے ان مسائل میں خلاف پر نہیں، کیا معاذاللہ یہاں من شذ شذ کا محل ہے۔ کیا مقلدین ائمہ پر فرض ہے کہ اپنے اپنے اماموں کے مسائل خلاف جمہور ترک کردیں انتہی "(۱)

مطلب یہ کہ ائمہ اربعہ نے بعض مسائل میں تفرد کیا ہے تو اسی طرح ہم کو بھی حق حاصل ہے کہ کسی مسئلہ میں متفرد بنیں۔ لیکن ان کو اس شعر کے مضمون پر لحاظ رکھنا چاہیئے۔

کار پاکاں راقیاس ازخود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر وشیر

جمہور کے خلاف اور اجماع کے خلاف میں زمین وآسمان کا فرق ہے یہ ائمہ اربعہ کی شان تھی کہ جس مسئلہ میں ان کی شرکت نہ ہو گو وہ جمہور کا قول سہی اجماع منعقد نہیں ہو سکتا ان کا تفرد اس امر کی دلیل ہے کہ سرے سے اجماع ہی

۱۔ مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ ص ۱۵۔

نہیں کیونکہ ان کے تفرد کا یہ مطلب ہے کہ ان کے لاکھوں متبعین اس جماعت سے علحدہ ہو گئے اور ممکن ہے کہ اصل جماعت سے متبعین کا عدد بڑھ جاوے جب یہ ہے تو کہاں حدیث اتبعوالسوادالاعظم کی مخالفت ہوئی اب جبکہ مجتہدین کا دور ختم ہو گیا ہے اس زمانہ میں کسی کی مجال نہیں کہ کسی مسئلہ میں متفرد بنے۔ فرض کیجئے کہ فروغ محضۂ فقہیہ میں مخالفت اجماع جائز ہے اور حدیث اتبعوالسواد الاعظم سے مستثنے ہے لیکن یہ استثناء مجتہدین کیلئے ہے نہ کہ مقلدین کے واسطے۔ اور اگر سب کو فروع محضہ فقہیہ میں تفرد کا حق حاصل ہے خواہ مجتہد ہو یا غیر مجتہد تو پھر غیر مقلدین نے کیا قصور کیا ہے جن پر آئے دن یہ لے دے کی جاتی ہے کہ تم حدیث اتبعوالسوادالاعظم کا خلاف کر رہے ہو۔ اب تو وہ صاف جواب دیدیں گے کہ ہم تو بعض مسائل فقہیہ میں متفرد ہیں اور اسکا ہم کو حق حاصل ہے باقی مسائل اجتہادیہ میں ہم ائمہ کے ساتھ ہیں اور ان کی تقلید کرتے ہیں۔ یہاں فاضل بریلوی کو اس قدر ضرور عذر ہو گا کہ وہ عقائد میں بھی تو خلاف ہیں۔ مگر اس کا جواب سہل ہے ہم ایسے فرقہ کی نسبت ان سے فتوی طلب کرتے ہیں جو اہل سنت والجماعت کے ہم عقیدہ ہے لیکن اعمال میں وہ فرقہ کسی امام کا پابند نہیں ہے اور یہ کہتا ہے کہ معاملات میں ہم امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں صرف عبادات کے چند مسائل میں ہم کو تفرد ہو گیا ہے جس کا شرعی حق ہم کو حاصل ہے۔ اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ فاضل بریلوی اس فرقہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں اگر انکو اہل حق مانتے ہیں تو حضرات مقلدین کو اپنی تقلید سے آئندہ معافی دیں۔ اور اگر وہ اہل حق سے نہیں گردانتے تو اب وہ کونسی دلیل فاضل بریلوی کے پاس رہ گئی ہے جس سے ان کو الزام دے سکیں۔ الغرض اس جدید تحقیق کی رو سے نئے فتنہ کا دروازہ کھل گیا۔ فاضل بریلوی کے اس عذر بارد سے اس کا بھی پتہ چلا کہ وہ اپنے کو مخالف جمہور سمجھے ہوئے ہیں اور جانتے ہیں کہ جمہور میرے خلاف ہیں اب اگر کہیں وہ یہ دعوی کریں کہ میں نے جمہور کے خلاف نہیں کیا ہے تو وہ نا مسموع ہو گا یہ مقام ناظرین خصوصیت سے یاد رکھیں۔

دورِ رسالت سے بُعد لے بقدر علم دین میں کمی

(٦) جس قدر زمانہ رسول ﷺ سے دوری ہوتی جاتی ہے برابر اس علم میں کمی آرہی ہے جو مشکوۃ نبوۃ سے حاصل ہوا ہے اس کے متعلق مرجع انام حقائق آگاہ حضرت مولانا مولوی محمد انوار اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ نے حقیقۃ الفقہ میں نہایت مبسوط بحث لکھی ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے تھے کہ مجھ کو ساڑھے سات لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں امام احمد آٹھویں طبقہ میں ہیں اور امام بخاری نویں طبقہ میں۔ صرف ایک طبقہ کے فرق سے اس قدر باہمی دونوں بزرگواروں کے علم میں تفاوت ہوا کہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھ کو ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں

ع۔ ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

صرف ایک طبقہ کے فرق سے ساڑھے چھ لاکھ صحیح حدیثیں دنیا سے اُٹھ گئیں۔ اب یہاں سے امام اعظمؒ کے علم کا اندازہ کیجئے کیوں کہ وہ پانچویں طبقے میں تھے کس قدر کثرت سے احادیث صحیحہ ان کو یاد ہونا چاہیے، پھر لطف یہ کہ کثرت سے اساتذہ کی سوانح عمریاں یاد کرنے اور سلسلۂ اسناد ضبط کرنے میں جو وقت امام بخاری ودیگر محدثین کا صرف ہوتا تھا اس سے امام صاحب کو فراغت حاصل تھی کیوں کہ امام صاحب کے استاذ یا صحابی تھے یا تابعی اپنے استاد کا ہر شخص کو پورا علم ہوتا ہے اب رہے استاذالاستاذ تو وہ صحابی ہیں جن کے احوال کے تفتیش کی چنداں ضرورت نہیں کہ۔ "**الصحابة کلهم عدول**" جو وقت دیگر محدثین کا احوال کے ضبط میں صرف ہوتا تھا قدرتی طور سے امام صاحب کو اس سے فراغت تھی اس کے مقابلہ میں جو وقت امام صاحب کو میسر تھا وہ بھی ضبط احادیث میں صرف ہوتا تھا اب اندازہ کیجئے کہ امام صاحب کا علم امام بخاری سے مثلاً کس قدر بڑھا ہوا ہونا چاہیے، اس وقت ہمارے پیش نظر صحیح بخاری ہے اس میں سات ہزار کئی سو حدیثیں ہیں پوری لاکھ صحیح حدیثیں جو امام بخاری کو یاد تھیں اس میں نہیں ہیں۔ پھر وہ کیا ہوئیں یہی جواب ہوگا کہ تلف ہوگئیں

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ کی چھ لاکھ صحیح حدیثوں کا مرثیہ جدا رہا۔ پھر امام صاحب کی محفوظ کئی لاکھ احادیث ہونا چاہیئے جن سے انھوں نے احکام شرعیہ استنباط کئے۔ یہ سب احادیث اسوقت اگر موجود ہوتیں تو یہ یقین ہے کہ ایک ایک مسئلہ فقہی کئی کئی احادیث سے ثابت کیا جاتا اور تمام مسائل کے دلائل سب کو واضح ہو جاتے لیکن احادیث تلف ہو گئیں اب سوائے اس کے چارہ نہیں ہے کہ جو ائمہ نے احکام مستنبط کر دیے ہیں ان کو دل و جان سے قبول کر کے ادہر ادھر نظر نہ دوڑائی جاوے۔ اور اگر کوئی حدیث ظاہر میں کسی مسئلہ فقہی کے خلاف مل جاوے تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس فقہی مسئلہ پر ضرور کوئی نہ کوئی دلیل ہے جس سے ہم کو بے خبری ہے اور ہمارے امام کو واقفیت تھی، یہ ہیں معنی سچی تقلید کے۔اور کوئی مقلد استنباط کے درپے ہو جاوے تو پھر فرمایئے اس میں اور غیر مقلد میں کیا فرق رہا۔ اس امر کا فاضل بریلوی اور ان کے اتباع کو بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ وہ سلسلہ استنباط کو ایک تحت بند کر دیں اور اپنی قدیم روش کو ہاتھ سے نہ دیں ورنہ آج تو یہ مسئلہ استنباط ہوا ہے کل دوسرے کی نوبت آئیگی پھر زور پکڑنے کے بعد یہ دریا کی طغیانی کسی کے بس کی نہ رہے گی۔

مرادما نصیحت بودو گفتیم حوالت باخدا کردیم و رفتیم

فاضل بریلوی کی اجماع کو ناپسند کرنیکی ایک اور تدبیر

(۷) فاضل بریلوی نے اجماع کو ناپید کرنے کی ایک اور تدبیر بتائی ہے چنانچہ اپنے رسالہ فیصلہ حق نما میں تحریر فرماتے ہیں .

نیز ردالمحتار اور فتاوی غیاثیہ اواخر کتاب الاجارہ میں سید امام شہید رحمہ اللہ تعالی سے ہے۔**انما یدل علی الجوازمایکون علی الا ستقرار من الصدرالاول فاذالم یکن کذالک لایکون فعلهم حجة الااذا کان من الناس کافة فی البلد ان کلها الا تروا انهم لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا لایفتی بالحل (۱)**

(۱) حوالہ اگلے صفحہ پر

اس عبارت سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نقل تعامل کوئی چیز نہیں تاوقتیکہ صدر اول سے نہ ہو دیکھو اگر بیع خمر اور ربا پر تعامل کر بیٹھیں تو اس کے جواز کا فتوی نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن ہم فاضل بریلوی کی جناب میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس مسئلہ متنازع فیہامیں تعامل صدر اول سے ہے اگر کسی زمانہ وسط میں حادث ہوتا تو اس کے آغاز کی تاریخ کا کسی کتاب سے پتہ چلتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ و تاریخ کی کتابیں اس سے ساکت ہیں اور اسی وجہ سے فاضل بریلوی باوصف وسعت نظر اس پر مطلع نہ ہوسکے مسئلہ متنازع فیہا میں ہم توارث کے مدعی ہیں اور تعامل موجود اس پر حجت ہے جو ہم رتبہ دلیل استصواب کے ہے جس کو فقہاء نے عموماً معتبر مانا ہے فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ حادث ہے تو اب اس کے ثبوت کا بار ان پر ہے نہ کہ ہم پر لیکن وہ برابر ہم سے ثبوت طلب کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر صدر اول سے اس کا وجود ہے تو کوئی کتابی سند پیش کرو۔ وہ اطمینان رکھیں ہم کتابی ثبوت بھی آئندہ نمبر میں پیش کردینگے لیکن نہ پیش کرنے کی صورت میں بھی ہم پر کوئی الزام نہیں ہے البتہ موردالزام فاضل بریلوی ہیں کہ جو اس کے حدوث کا دعوی کرکے بھی تاریخ حدوث نہ پیش کرسکے علاوہ ازیں اس پر تو تمام اہل سنت والجماعۃ خصوصاً احناف کا اجماع ہے اور یہ صورت **الا اذاکان من الناس کافۃ فی البلدان کلھا**۔ میں داخل ہے کیوں کہ کوئی شہر ایسا نہ ملے گا جہاں جمعہ کی اذان خارج مسجد ہوتی ہو لیجئے ان ہر دو کتاب سے بھی ہمارا دعوی پائیہ ثبوت کو پہنچ گیا فللہ الحمد۔

حوالہ صفحہ گذشتہ (۱) جواز پر وہ تعامل دلالت کرتا ہے جو صدر اول سے چلا آرہا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو لوگوں کا فعل حجت نہیں ہوگا مگر جبکہ تمام انسانوں کا تمام شہروں میں تعامل ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اگر لوگ شراب بیچنے یا سود پر تعامل کرلیں تو ان کے حلال ہونے کا فتوے نہیں دیا جائے گا (مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ۔ ص ۱۶)۔

نظر غور سے دیکھو تو اس مقام میں حق پر پردہ ڈالنے کی سعی بلیغ کی گئی ہے کیوں کہ علامہ شامی وسید امام شہید نے نص قطعی کے خلاف میں تعامل کو ساقط عن الاعتبار قرار دیا ہے یہ بات بالکل صحیح ہے نص قطعی کے بالمقابل تعامل کوئی چیز نہیں یہ صورت مسئلہ متنازع فیہا میں نہیں ہے ایسا کون ہے جو رہا اور بیع خمولی طرح اذان عند المنبر کو قرار دے فاضل بریلوی بھی بایں ہمہ تخالف کراہت سے قدم آگے نہ بڑھا سکے پھر نہ معلوم کیوں ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کی جرات کی گئی یہ واضح رہے کہ نص قطعی کے خلاف جیسا کہ تعامل ساقط عن الا عتبار ہے اسی طرح نص قطعی کے خلاف میں اجماع بھی غیر معتبر ہے لیکن مخبر صادق ﷺ کی پیشین گوئی سے معلوم ہو چکا ہے کہ کبھی نص قطعی کے خلاف امت مرحوم اجماع نہ کرے گی جیسا کہ لا تجتمع امتی علی الضلالۃ اس سے ظاہر ہے اب اگر ہر دو علامہ کی مراد تعامل سے رواج ہے تب تو جواب بہت سہل ہے کیوں کہ رواج اور معمولی تعامل یقینا نص کے خلاف کوئی درجہ اعتبار کا نہیں رکھتے اور اگر اجماع مقصود ہے تو بھی صحیح ہے لیکن اس صورت میں یہ قضیہ شرطیہ ہو گا جس کا مقدم حسب ارشاد نبوی ﷺ محال ہے جیسا کہ ان کان زید حمارا کان ناھقا میں ہے۔ جس کی صدہا نظیریں محاورات میں ملیں گی۔ بہر حال اجماع اب بھی قطعی رہا اور مسئلہ متنازع فیہا میں یقینا اجماع ہے نہ کہ معمولی تعامل۔ اور جہاں اجماع ہو گا وہ موافق نص قطعی ہو گا۔ لیجئے مضمون حدیث رسالتمآب ﷺ اور ہر دو علامہ کے قول بجائے خود صحیح رہے اور فاضل بریلوی اپنے مدعا میں ناکامیاب۔ فجاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

فاضل بریلوی کی پیش کردہ حدیث اجماع و توارث کا مقابلہ نہیں کر سکتی

(۸) جس روایت سے فاضل بریلوی سند لائے ہیں وہ اگر درجہ صحت کو بھی

پہنچی ہوئی ہوتی تو بھی اجماع و توارث کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی نہ کہ حدیث حسن جس کے وہ خود قائل ہیں انھوں نے اپنے رسالہ وقایۃ السنتہ میں جا بجا اس کی تصریح کی ہے چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں

اس کا حاصل کمال اتفاق میں نوع قصور ہے اور اس قسم کے رواۃ جمیع دوادین اسلام وصحاح و صحیحین میں ہیں اسی بناء پر ایسوں کی حدیث صحیح سے حسن کے مرتبہ میں آئی انتہی۔(۱)

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں

الحمد للہ آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ محمد ابن اسحق ثقہ ہیں اور دروازہ مسجد پر اذان جمعہ کی حدیث صحیح انتہی۔(۲)

یہاں اس حدیث کو صحیح کہہ دیا مانا کہ صحیح ہی سہی لیکن نہ تو اجماع کا مقابلہ کر سکتی ہے اور نہ فاضل بریلوی کو اس سے کسی حکم کے استنباط کا حق حاصل ہے امر اول اظہر من الشمس ہے امر ثانی کے متعلق مرجع انام حقائق آگاہ حضرت مولانا مولوی محمد انوار اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ نے اپنی مشہور کتاب حقیقۃ الفقہ میں تحریر فرمایا ہے

کسی حدیث سے استنباط حکم کا منصب اسکو حاصل ہو سکتا ہے کہ اس استنباط سے اس پر کیفیت اطمینانی فائض ہو جاوے اور اطمینان کے لئے تمام آیات اور تمام احادیث اور تمام اقوال صحابہ جن کا تعلق اس مسئلہ سے ہے ان سب کے پیش نظر ہونے کی ضرورت ہے جیسا کہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے انصاف میں لکھا ہے **وثانیهما ان یجمع الاحادیث والا ثار فیحصل احکامها ویتنبه لماخذ الفقه ویجمع مختلفها.(۳)**

اور امام احمد ابن حنبلؒ کے قول سے معلوم ہو چکا ہے کہ صحیح صحیح احادیث

---

(۱)وقایۃ اھل السنہ عن مکر دیوبند و الفتنہ ص ۸۰۔

(۲)ایضا ص ۴۳۔

(۳)الانصاف فی بیان سبب الاختلاف مع ترجمہ اردو کشاف ۷۳۔

واثار کا بہت بڑا ذخیرہ تلف ہو گیا ہے جس کی کسی قدر تشریح اوپر گذر چکی ہے یہ چند موجود حدیثیں ان لاکھوں تلف شدہ کے قائم مقام کیوں کر ہو سکتی ہیں پھر احادیث میں قابل اعتماد وہ حدیثیں ہوتی ہیں۔ جو آنحضرت ﷺ کا آخری قول یا فعل ہوں چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔

قال الزهری انما یوخذ من امر رسول اللهﷺ الا خر فالاخر.

جب لاکھوں حدیثیں تلف ہو گئیں تو ان احادیث وآثار کا جو آخری قول یا فعل ہونے کی وجہ سے ناسخ ہیں تلف ہو جانا بالکل قرین قیاس ہے ہاں اگر اصحاب صحاح ستہ یہ تصریح کر دیتے کہ کل صحیح حدیثیں ہمیں پہنچ گئی ہیں مگر کسی مصلحت سے ہم نے بیکار حدیثوں کو ترک کر دیا اور کام کی حدیثیں صحاح میں لکھ دیں تو ان کے اعتماد پر یہ کہنا ممکن تھا کہ تلف شدہ حدیثوں کو دین کے معاملہ میں کوئی دخل نہ تھا لیکن آج تک کسی محدث نے یہ دعوی نہیں کیا۔ پھر ہم کیوں کر اطمینان کر لیں کہ جو احادیث تلف ہوئی ہیں ان میں کوئی پچھلی و ناسخ حدیث نہیں ہے اور نہ یہ اطمینان ہے کہ محدثین نے جن احادیث کا اخراج کیا ہے ان میں کوئی منسوخ نہیں۔ دیکھئے صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے

قال ابوالدرداء کیف کان عبداللہ یقرء واللیل اذا یغشی قال الذکر والانثی فقال ابوالدرداء مازال هولاء حتی کا دوا یشککونی وقد سمعتها من رسول الله ﷺ

دیکھئے اگر بخاری شریف میں کل روایتیں واجب العمل ہوتیں تو سورہ واللیل میں کوئی نہیں تو اہل حدیث تو ضرور والذکر والانثی پڑھتے حالانکہ وہ بھی یقیناً نہیں پڑھتے ہیں۔ اب بتائیے ایسی حدیثیں ہوتے ہوئے اس آخری دور کے عالموں کو کس طرح نفس حدیث سے اطمینانی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے البتہ اطمینان قلبی ایک طور سے پیدا ہو سکتا ہے وہ یہ کہ احادیث کا انحصار انہیں موجود احادیث میں سمجھ لیا جاوے اور باقی لاکھوں صحیح حدیثیں کان لم یکن۔ فرض کر

صحیح بخاری ص ۷۳۷ ج ۲ کتاب التفسیر۔ ایضاً ص ۵۳۱ ج ۱ (کتاب المناقب)

لی جاویں اور خیال باندھ لیا جاوے کہ نبی کریم ﷺ نے وہ ارشاد ہی نہیں فرمائیں ۔مگر یہ تصور خلاف واقع ہے اور جو اجتہاد اس خلاف واقع تصور پر متفرع ہوگا وہ بھی خلاف واقع اور باطل ہو گا بہر حال اس پچھلے دور میں کسی کو یہ زیبا نہیں ہے کہ مجرد حدیث سے کوئی حکم استنباط کر سکے اس وجہ سے ہم کو سخت تعجب ہے اور تعجب کے ساتھ افسوس بھی کہ فاضل بریلوی جیسے سنی حنفی شخص نے وہ روش کیوں اختیار کی جس سے ہمیشہ دوسروں کو منع کرتے رہے اب جو فاضل بریلوی نے وقایۃ اہل السنۃ میں تمام زور اس حدیث کی تصحیح میں صرف کیا ہے اور کامل چھتیس (۳۶) صفحات اسی رنگ میں رنگ کر راوی حدیث محمد بن اسحق کی توثیق کی ہے اس سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ بہر کیف حدیث خواہ صحیح ہو یا ضعیف اس سے استدلال نہ تو ان کا منصب ہے اور نہ آئندہ ان کو سنی حنفی ہونے کی وجہ سے اس پر مصر ہونا چاہئے ورنہ سب سے بڑھ کر ان کو الزام دینے والی خود ان کی کتابیں اور ان کی تصانیف ہوں گی۔

فاضل بریلوی کی پیش کردہ حدیث کا جواب

(۹) جس حدیث سے فاضل بریلوی نے استنباط کیا ہے اس کو ہم یہاں مع سند کے نقل کرتے ہیں یہ حدیث سنن ابوداود میں اس طرح ہے

حدثنا النفیلی ثنا محمد بن سلمه عن محمد ابن اسحق عن الزهری عن السائب بن یزید قال کان یوذن بین یدی رسول اللہ اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر .(۱)

اس حدیث میں علی باب المسجد وارد ہوا ہے۔ اسی لفظ نے فاضل بریلوی کو استنباط پر آمادہ کیا لیکن انہیں سائب ابن یزید سے بطریق دیگر بجائے لفظ علی

---

(۱) ابوداود - ص ۱۵۵ (باب النداء یوم الجمعۃ)

باب المسجد کے علی المسجد وارد ہوا ہے جیسا کہ عینی شرح صحیح بخاری میں ہے

عن السائب بن یزید کان اذا جلس رسول اللہ علی المنبر اذن علی المسجد.

مسجد پر اذان بالائے بام ہو یا اس کے اندر دونوں کا حکم ایک ہے۔ لیجئے اس سے اذان داخل مسجد ثابت ہوئی صرف محمد بن اسحق اس زیادتی میں متفرد ہیں ان کے سوا کسی نے یہ زیادتی نہیں نقل کی صحیحین میں بھی انہیں سائب ابن یزید سے روایت ہے اور اسی پر صرف اکتفا ہے کہ

بین یدی النبیؐ وابی بکر وعمر

راوی حدیث محمد بن اسحق ائمہ جرح وتعدیل کی نظر میں

اب اگر محمد ابن اسحق ثقہ حجتہ ہیں تب تو ان کی زیادتی مقبول ہو گی ورنہ رد کر دی جاویگی اور اس حدیث سے استدلال باطل ہو جاوے گا

ناظرین کی سہولت کے لئے ہم ایک نقشہ قائم کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جاوے گا کہ ائمہ اعلام سے کس قدر ان کے متعلق جرحیں منقول ہیں۔ وہ نقشہ یہ ہے۔

أسمائے کتب اسمائے جارحین تشریح جرح محمد ابن اسحق (راوی الحدیث)

کتاب الضعفاء امام نسائی امام نسائی (۱)محمد ابن اسحق لیس بالقوی

محمد ابن اسحق قوی فی الحدیث نہیں ہیں

تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی(۲)انہ یشذ اشیاء وانہ لیس بحجۃ فی الحلال والحرام

محمد ابن اسحق نادر روایتیں بیان کرتے ہیں اور وہ باب حلال وحرام میں حجت نہیں ہیں۔

تقریب التہذیب حافظ ابن حجر (۳) صدوق یدلس ورمی بالتشیع والقدر

گو سچے ہیں لیکن مدلس(ایک راوی یا اس سے زیادہ کو سند سے ساقط کرنے والے) ہیں شیعی اور قدری ہونے کی نسبت ان کے ساتھ کی گئی ہے

خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال ابوزرعہ (امام المحدث)

(۴)قال ابوزرعہ منکرالحدیث

ابوزرعہ کہتے ہیں کہ منکر الحدیث ہیں۔

میزان الاعتدال امام نسائی (۵) قال النسائی وغیرہ لیس بالقوی

امام نسائی کا قول ہے، قوی فی الحدیث نہیں ہیں۔

ایضاً دار قطنی (محدث) (٦) قال الدار قطنی لا یحتج بہ

دار قطنی کا قول ہے کہ محمد ابن اسحق قابل احتجاج نہیں ہیں۔

ایضاً ابوداود (۷)قال ابوداود قدری معتزلی

ابوداود کہتے ہیں قدری معتزلی ہیں۔

ایضاً سلیمان تیمی (۸)قال سلیمان التیمی کذاب

سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ کذاب ہیں۔

ایضاً ہشام ابن عروۃ (۹)قال وہیب سمعت ہشام ابن عروہ یقول کذاب

وہیب کہتے ہیں کہ میں نے ہشام ابن عروہ کو یہ کہتے سنا کہ وہ کذاب ہیں

ایضاً امام مالک (امام دارالھجرۃ(۱۰)قال وہیب سالت مالکاً عن ابن

اسحق فاتہمہ

امام مالکؒ سے وہیب نے ابن اسحق کی نسبت سوال کیا امام مالکؒ نے ان کو متہم کیا۔

ایضاً امام مالک (۱۱) قال یحی ابن آدم ثنا ابن ادریس قال کنت عند مالک فقیل لہ ان ابن اسحق یقول اعرضوا علی علم مالک فانی بیطارہ فقال مالک انہ دجال من ا لدجاجلتہ

یحی ابن آدم ادریس سے نقل کرتے ہیں کہ میں امام مالکؒ کی حضوری میں تھا کہ کسی نے امام مالکؒ سے کہا کہ ابن اسحق یہ کہتے ہیں کہ مالکؒ کا علم میرے سامنے پیش کرو میں علم مالکؒ کا بیطار (پرکھنے والا) ہوں اس پر امام مالکؒ نے فرمایا کہ بچو یہ دجالوں میں کا ایک دجال ہے۔ اب خیال فرمائے کہ امام مالکؒ جیسا جارح اور جرح ایسی سخت نہ معلوم کیوں کر اس کے بعد ان کی توثیق پر جرأت ہوئی۔

ایضاً سفیان ابن عیینہ (۱۲) قال ابن عیینہ رائت ابن اسحق فی مسجد الخیف فاستحییت ان یرانی معہ احد اتہموہ بالقدر

سفیان ابن عیینہ لکھتے ہیں کہ ابن اسحق کو میں نے مسجد خیف میں دیکھا مجھے اس سے شرم آئی کہ کہیں کوئی مجھکو ان کے ساتھ نہ دیکھ لے کہ لوگوں نے ان کو متہم بالقدر کیا ہے۔

ایضاً حماد بن سلمہ (۱۳) روی ابوداود عن حماد ابن سلمہ قال مارویت عن ابن اسحق الاباضطرار

ابوداود حماد ابن سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن اسحق سے بمجبوری روایت کی۔

ایضاً امام احمد ابن حنبل (۱۴) قال احمد ہو کثیر التدلیس حد اقیل لہ فاذا قال اخبرنی وحدثنی فہو ثقۃ قال ہو یقول اخبرنی ویخالف

امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں کہ وہ حد سے زیادہ مدلس ہیں (یعنی راوی کو بیچ سے چھوڑ دیتے ہیں) اس پر امام احمد سے کسی نے کہا کہ جب وہ روایت میں اخبرنی وحدثنی تصریح کر کے کہیں پھر تو ان کی روایت مقبول ہونا چاہیئے امام

احمد نے اس کو بھی تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ وہ اخبر فی کہ کر بھی خلاف کر جاتے ہیں (جس کا صاف یہ مطلب ہے کہ کاذب ہیں)

ایضاً ابن عدی (صاحب المسند (۱۵) قال ابن عدی کان ابن اسحق یلعب بالدیوک

ابن عدی کہتے ہیں کہ ابن اسحق مرغ باز تھے (یہ جرح خصوصیت سے ملاحظہ ہو)

ایضاً مکی ابن ابراہیم (۱۶)قال الفنوی ثنامکی ابن ابراہیم قال جلست الی ابن اسحق وکان یخضب بالسواد فذکراحا دیث فی صفته فنفرت منها فلم اعدالیه

(۱۶) مکی ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ ابن اسحق سیاہ خضاب لگایا کرتے تھے (خلاف شرع فعل ہے) انھوں نے اللہ عزاسمہ کے صفات کے متعلق ایسی باتیں بیان کیں جن سے مجھ کو وحشت و پراگندگی ہوئی اور پھر میں ان کے پاس نہ گیا۔

ایضاً حمید ابن حبیب (۱۷)روی عن حمید ابن حبیب انه رأی ابن اسحق جلوداً فی القدر جلد ابرہیم ابن ہشام (الامیر)

حمید ابن حبیب سے مروی ہے کہ انھوں نے ابن اسحق کے بدن پر کوڑوں کے ضرب کے نشان پائے جو معاملہ قدر میں ابراہیم ابن ہشام نے ان پر لگوائے تھے (یہ گویا ان کے قدر یہ ہونے کی رجسٹری تھی۔)

کتاب الضعفاء ابن الجوزی (۱۸)یحی ابن سعید القطان (امام الجرح والتعدیل قال یحی ابن سعید القطان ماترکت حدیثه الا للہ . اشهدانه کذاب

یحی ابن سعید القطان کہتے ہیں کہ محمد ابن اسحق کی حدیث کو میں نے محض لوجہ اللہ ترک کیا ہے میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ وہ جھوٹے ہیں۔

(۱۹) علی ابن المدینی (امام الجرح والتعدیل) کہتے ہیں کہ محمد ابن اسحق ایسے لوگوں سے باطل روایتیں کرتے ہیں جو مجہول ہیں۔

انصاف پسند حضرات کے لئے تو اسی قدر بس ہے لیکن جن کی طبائع قدرتی طور سے جدلی واقع ہوئی ہیں ان کو اس پر قانع ہونا مشکل ہے وہ ضرور اس صراط مستقیم میں خار سخت بچھانے کی کوشش کریں گے اور یہ حجت پیش کریں گے کہ

جہاں محمد ابن اسحق پر جرح کی گئی ہے وہاں ان کی تعدیل و توثیق بھی کی گئی ہے۔

محدث ابن معین ان کو ثقہ کہتے ہیں امام مالکؒ کی جرح کی میزان الاعتدال وغیرہ میں کافی تردید ہو چکی ہے اور اسی کے ساتھ ہشام ابن عروہ کی جرح کالعدم ہو گئی اور بعض جرحیں مبہم ہیں جیسے لیس بالقوی وغیرہ اور بعض جارحین امام الجرح والتعدیل نہیں ہیں جیسے سلیمان تیمی"

لیکن فیصلہ کے بعد یہ سب بحثیں بیکار ہیں صاحب میزان الاعتدال کا فیصلہ سنیئے

فالذی یظہرلی ان ابن اسحق حسن الحدیث صالح الحال صدوق وما انفردبه ففیه نکارۃ فان فی حفظه شیئا۔[1]

یعنی تمام اقوال کی تحقیق و تنقید کے بعد یہ بات مجھ کو معلوم ہوئی کہ ابن اسحق حسن الحدیث اور نیک بخت و سچے آدمی ہیں لیکن جس روایت میں وہ منفرد اور تنہا ہوں اس میں نکارت ہوتی ہے (لہذا منکر ہوئی) کیوں کہ ان کے حافظہ میں نقصان ہے۔"

صاحبو ہم کو بھی صرف اسی سے کام ہے ہم نہیں چاہتے کہ خواہ مخواہ امام مالکؒ کے مشہور قول کے مطابق ان کو دجال مانیں ہماری غرض تو صرف اسی فیصلہ سے پوری ہو گئی کیوں کہ مسئلہ متنازع فیہا میں جس روایت سے سند لائی گئی ہے اس میں محمد ابن اسحق منفرد ہیں۔ جب منفرد ہوئے تو حسب فیصلہ صاحب المیزان روایت ضعیف ہو گئی اور ضعیف روایت قابل احتجاج نہیں ہوتی۔ لیجئے ہمارا مقصود حاصل ہو گیا فللہ الحمد

---

(۱) میزان الاعتدال ص ۴۷۵ جلد ۳۔

محمد بن اسحق کے بارے فیصلہ کن قول

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں محمد ابن اسحق کی نسبت ائمہ کی جرح وتعدیل نقل کرکے یہ فیصلہ دیتے ہیں۔

والذی تقرر علیه العمل ان ابن اسحق یرجع فی المغازی والا یام النبویة مع انه یشذباشیاء وانه لیس بحجة فی الحلال والحرام. (۱)

یعنی اس پر عمل آٹھیرا ہے کہ محمد ابن اسحق کی طرف مغازی وعہد نبوی کی تاریخ میں رجوع کیا جائے بایں ہمہ وہ نادر روایتیں بھی ذکر کرتے ہیں (مطلب یہ کہ وہ روایتیں جو محدثین میں رائج نہیں ہیں) اور یہ کہ وہ باب حلال وحرام میں حجت نہیں ہیں۔

دیکھئے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں تمام اقوال متعلق جرح وتعدیل نقل کرکے اخیر میں یہ مختصر مگر جامع فیصلہ دے دیا کہ حلال وحرام کے باب میں یہ حجت نہیں ہیں، ہمارا بھی صرف یہی مقصد تھا وہ بحمدللہ حاصل ہو گیا۔ فاضل بریلوی نے غالباان فیصلوں پر نظر نہیں ڈالی انھوں نے جو ان کی نسبت تعدیل کے الفاظ دیکھے بس کیا تھا تمام اقوال نقل کر گئے اور نہ نقل کرنے والے پر خیانت کا الزام قائم کرکے اخیر میں یہ عبارت لکھ دی

الحمدللہ آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ محمد ابن اسحق ثقہ ہیں اور دروازہ مسجد پر اذان جمعہ کی حدیث صحیح فاضل بریلوی اگر ان ہر دو فیصلوں پر نظر ڈال لیتے تو نہ کامل (۳۶) صفحوں کی تحریر کی نوبت پہنچتی، نہ یہ عبارت ان کے قلم سے نکلتی اور نہ یہ مسئلہ ایجاد ہوتا ورنہ ایسے راوی بہت کم ہیں جن کی بالاتفاق

---

(۱) وقایۃ اہل السنۃ عن مکر دیوبند والفتنۃ۔ ص ۴۳۔

سب نے جرح کی ہو یا بالاجماع سب نے تعدیل کی ہو کتب اسماء الرجال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص جس کی نسبت دجال ہونے کا حکم کیا گیا ہے اسی کو دوسرے صاحب امیر المومنین فی الحدیث فرمارہے ہیں اور پھر لطف یہ کہ ایک ہی شخص سے جرح بھی منقول ہے اور اسی سے تعدیل بھی ایسے مقامات میں عجب تحیر لاحق ہوتا ہے ۔ کہ اب ہم ان کی نسبت کیا عقیدہ رکھیں۔ مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم عطاء فرمائی ہے وہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس کا فیصلہ ہماری مقدرت سے باہر ہے کیونکہ ہر ایک راوی کے متعلق اس قدر کثرت سے مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں کہ ہر راوی کا حال بجائے خود ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تمام راویوں کے متعلق تمام اقوال کا حافظ اس طرح پر کہ ان کے جملہ حالات پر بھی مطلع ہو اور جارحین ومعدلین کے حالات سے بھی واقف ہو اور جس کو ان کی جرح وتعدیل کے منشاء سے بھی واقفیت ہو ایسا شخص اس زمانہ میں کوئی ہے؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں دیا جاویگا جب یہ ہے تو اس زمانہ کے کسی عالم کو فیصلہ کا کوئی حق حاصل نہیں ہے یہ حق انھیں کا ہے جو اس میدان کے مرد ہیں اور انھوں نے جو فیصلہ دیا وہ اوپر گذر چکا ۔ اب ہم کو بھی چاہیے کہ ان کے فیصلہ کے موافق بطرز فاضل بریلوی کہیں کہ الحمدللہ آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ محمد ابن اسحق باب حلال وحرام میں حجت نہیں ہیں اور اس وجہ سے دروازہ مسجد پر اذان جمعہ کی حدیث ضعیف اور ان کا استدلال اس سے باطل وساقط۔

فاضل بریلوی کی پیش کردہ حدیث سے صرف عہد نبوی اور دور صدیقی وفاروقی کا حال معلوم ہوا

(۱۰) جس حدیث سے سند لائی گئی ہے اس سے صرف عہد نبوی ﷺ سے لے کر زمانہ صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ عنہما تک کا حال معلوم ہوا کہ باب مسجد پر اذان ہوتی تھی ۔ اس کے بعد کا حال ہنوز پردہ خفا میں ہے۔ ممکن

ہے کہ جہاں حضرت عثمانؓ کے عہد میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے ایک اذان کے اضافہ ہونے سے تغیر ہوا وہاں یہ تغیر بھی کچھ بعید نہیں کہ جو اذان عہد سابق میں باب مسجد پر ہوتی تھی وہ اب قریب منبر ہو اور اس پر شاہد مولانا مولوی عبدالحیٔ صاحب نور اللہ مرقدہ کی یہ عبارت ہے جو عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ سے نقل کی جاتی ہے۔

ثم نقل الاذان الذی کان علی المنارحین صعودالامام علی المنبر علی عهدالنبی ؐ وابی بکرؓ وعمرؓ وصدرمن خلافة عثمان بین یدیه. [1]

یعنی جو اذان زمانہ نبی کریم ﷺ وصدیق اکبرؓ وفاروق اعظمؓ میں منار پر ہوتی تھی جس سے مقصود اعلام غائبین تھا اب اس اذان کی زیادتی سے وہ تو بین یدی الامام آگئی اور اس زائد اذان نے منار پر جگہ پائی"

اس سے صاف یہ نتیجہ نکلا کہ منار پر اذان اس غرض سے تھی کہ اعلام الغائبین ہو۔ جب اذان زائد سے غرض پوری ہو گئی تو یہ اذان جو بین یدی الامام ہوتی ہے اس سے غرض صرف اعلام للحاضرین قرار پائی اور اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس اذان کے لئے اب خارج مسجد ہونے کی ضرورت نہیں کیوں کہ فاضل بریلوی اور دوسرے ان کے ہم خیال حضرات نے اس پر بہت زور دیا تھا کہ اذان سے غرض اعلام الغائبین ہے جب اذان داخل مسجد ہو گئی تو وہ غرض فوت ہو جائے گی۔ ہم کہتے ہیں کہ جب پہلی اذان سے یہ بات حاصل ہو گئی تو اب دوسری اذان سے صرف یہ غرض رہی کہ حاضرین کو خطبہ سننے کے لئے متنبہ کیا جائے دیکھو حافظ ابن حجر فتح الباری میں کیا لکھتے ہیں۔

---

[1] عمدۃ الرعایۃ برحاشیۂ شرح وقایہ ص ۱۹۲ جلد اول (باب صلوۃ الجمعۃ)

قال المهلب الحکمة فی جعل الا ذان فی هذا المحل لیعرف الناس بجلوس الامام علی المنبر فینصتون له اذا خطب کذا قال .وفیه نظرفان سیاق ابن اسحق عندالطبرانی وغیره عن الزهری فی هذا الحدیث ان بلالا کان یوذن علی باب المسجد فالظاهر انه کان لمطلق الا علام لا لخصوص الا نصات نعم لمازیدالا ذان الاول کان للاعلام وکان الذی بین یدی الخطیب للا نصات۔

مہلب لکھتے ہیں کہ اذان ثانی داخل مسجد ہونے میں یہ حکمت ہے کہ لوگ یہ جان لیں کہ امام کی نشست منبر پر ہو گئی ہے تا کہ اب سکوت اختیار کریں۔"

دیکھئے اس سے دو نتیجے برآمد ہوئے اول یہ کہ اس اذان کا داخل مسجد ہونا قدیم سے متوارث چلا آیا ہے کہ حافظ ابن حجر کو مہلب سے اس کی حکمت بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی دوسرا یہ کہ اذان انصات کی غرض سے ہے نہ کہ اعلام للغائبین اس سے مقصود ہے۔ جب یہ ہے تو اس کا داخل مسجد ہونا ضروری ہے اس کے بعد حافظ ابن حجر نظر کرتے ہیں کہ بروایت ابن اسحٰق یہ امر پائیہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ بلالؓ باب مسجد پر اذان دیتے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اذان مطلق اعلام کے لئے تھی نہ خاص، کر انصات کے لئے (یہی روایت سرمائیہ ناز جناب فاضل بریلوی ودیگر حضرات ہے) اس کا جواب حافظ ابن حجر صدہا سال پیشتر اس طرح دیتے ہیں کہ جب اذان اول زائد ہوئی (خلافت حضرت عثمان غنیؓ)میں تو وہ اعلام کے لئے ہو گئی اور جو بین یدی الخطیب ہوتی تھی وہ انصات کے لئے قرار پائی۔ لیجے تمام نزاع کا فیصلہ ہو گیا اور کئی عقدے حل ہو گئے۔

اوّل یہ کہ حضرت مولانا مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی نے جو عمدۃ الرعایہ میں اس اذان کے متعلق تحریر فرمایا تھا کہ

فتح الباری جلد ۲ ۔ ص ۳۲۷۔ (باب الاذان یوم الجمعہ)

ای مستقبل الامام فی المسجد کان اوخارجه والمسنون هو الثانی . جس سے فاضل بریلوی نے اپنے مفید مدعا مطلب اخذ کیا تھا اب یہ عبارت ہم کو مفید ہو گئی کیونکہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ وعہد صدیقی و فاروقی رضی اللہ عنہما میں اذان خارج مسجد دروازہ پر ہوتی تھی اور اعلام للغائبین کیلئے تھی لیکن عہد عثمانیؓ میں وہ داخل مسجد ہو گئی اور انصات کے لئے قرار پائی اس وجہ سے حضرت مولانا مرحوم نے دونوں صورتوں کو ذکر فرماکے اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ گو عہد نبوی ﷺ میں یہ اذان دروازہ مسجد پر ہوتی تھی

(والمسنون هو الثانی) سے یہی مراد ہے لیکن عہد عثمانیؓ میں جہاں زیادتی اذان اول پر اجماع ہوا وہاں اذان ثانی کے داخل مسجد ہونے پر بھی حسب تصریح حافظ ابن حجر اجماع ہو گیا اور فثبت الا مر علی ذلک. میں داخل۔ اب اجماع ہوئے بعد جیسا اذان اول کو کوئی اس وجہ سے ساقط نہیں کر سکتا کہ یہ عہد نبوی میں نہ تھی اسی طرح اذان ثانی داخل مسجد کو بھی منع کرنے کا اس کو حق حاصل نہیں ہے خصوصا فاضل بریلوی کو کیونکہ اس تعامل کو جو صدر اول سے ہو اس کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ بار ہا اس کی تصریح اپنے رسالہ میں کی ہے خواہ حضور انور ﷺ کے عہد مبارک میں اس کا وجود نہ ہو ورنہ اب تو اس اذان ثانی میں نزاع ہے پھر مساجد کی محرابوں میں بھی جھگڑا قائم ہو جاویگا کیونکہ عہد نبوی ﷺ میں ان کا وجود نہ تھا البتہ صدر اول (زمانہ اصحاب رسول اللہ ﷺ وتابعین) میں ان کی بنیاد قائم ہوئی ہے اسوقت فاضل بریلوی کو یک نشد دوشد کا مضمون پیش آوے گا اور کچھ عجب نہیں کہ یہ رائے قائم ہوئے بعد محرابوں کے انہدام کی فکر کی جاوے اس وقت لطف تو جب ہے کہ مسجد جامع دہلی سے سلسلۂ انہدام آغاز کیا جائے ۔ الغرض اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ اذان ثانی صدر اول میں ہونے کی وجہ سے حد جواز میں ہے پھر جب کہ اذان اول کی

عمدہ الرعایۃ برحاشیہ شرح وقایہ ص ۱۹۲ جلد اول (باب صلوۃ الجمعہ)

زیادتی اور اذان ثانی کے داخل مسجد ہونے پر اجماع ہو گیا اور اجماع بھی ایسا زبردست جو صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو کثرت سے حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں تھے اور توارث اور وہ بھی ایسا زبردست جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے شروع ہوا تواب اسکی مخالفت ممنوع ہو گئی نتیجہ صحیح اخذ کرنے کے لئے تمام عبارت پر نظر ڈالنے کی اور ان کو تنقیدی نظر سے پرکھنے کی ضرورت ہے ورنہ یقینا نتیجہ غلط نکلے گا کاش فاضل بریلوی کم از کم اسی پر نظر ڈال لیتے کہ حافظ ابن حجر ایسا وسیع النظر شخص اس کو عہد حضرت عثمان غنیؓ سے بتا رہا ہے اب اس میں کیا شبہ رہا کہ اذان داخل مسجد صدر اول سے برابر یونہی چلی آرہی ہے۔

(۲) دوسرے فاضل بریلوی اور اس بارہ میں ان کے ہم خیال حضرات کا وہ خیال بھی خواب وخیال ہو گیا کہ علماء سابق نے تعامل کو دیکھ کر اس کی مسنونیت سمجھ لی اور تحقیق کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ کیا حافظ ابن حجر کو بھی ایسا ہی آپ حضرات شمار کرتے ہیں کہ جو امام فی الحدیث ہونے کے علاوہ زبردست مورخ بھی ہے

(۳) تیسرے یہ کہ محمد ابن اسحق کی روایت اس طور پر اگر صحیح مان لی جاوے تو اب کوئی حرج نہیں کیونکہ عہد نبوی ﷺ وصدیقیؓ وفاروقیؓ میں باب مسجد پر ہی اذان ہوتی تھی اور عہد عثمانیؓ میں داخل مسجد منبر کے قریب ہونے لگی اور اس پر جو اجماع ہوا وہ آج تک برابر چلا آرہا ہے اسی وجہ سے عامہ کتب فقہ میں لفظ بین یدی الامام وعند المنبر ہے جو قرب پر دال ہے جس کی آئندہ نمبر میں تحقیق ہو گی۔ لیجئے حدیث بھی بجائے خود صحیح یا حسن رہی اور تعامل اپنی جگہ پر حجت رہا اور مولانا عبدالحی صاحب کی بھی عبارت کا مطلب ہمارے موافق ہو گیا اور وہ شبہ بھی جاتا رہا، کہ اذان سے مقصود اعلام للغائبین ہے لہذا خارج مسجد ہونا چاہیے کیونکہ جب یہ اذان انصات کے لئے ہوئی تو وہ زعم خود بخود باطل ہو

بخاری ص۱۲۵باب التاذین عند الخطبة)

گیا۔ اور روایات فقہیہ اور اس حدیث میں جو بظاہر تعارض تھا وہ بھی اٹھ گیا اور حضرت سائب ابن یزید کے عہد فاروقیؓ تک اذان باب المسجد کے سلسلہ کو ختم کردینے کا بھی راز معلوم ہو گیا اور اس سے باشارۃ النص سمجھا گیا کہ آئندہ یہ سلسلہ منقطع ہے اور اسکی صراحت حافظ ابن حجرؒ نے کردی جس سے تعامل کا آغاز صدر اول سے معلوم ہو گیا اور فقہاء کی وسیع النظری معلوم ہونیکے علاوہ اسکا بھی علم ہو گیا کہ توارث قدیم کو توڑنا کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے وہ ضرور کسی نہ کسی حجت شرعی پر مبنی ہوتا ہے ایسے موقع پر غیر محدود نظر اور سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

فاضل بریلوی کی پیش کردہ حدیث قابلِ استدلال نہیں

(۱۱) حدیث سائب ابن یزید استدلال میں اسی وقت پیش ہو سکتی ہے کہ باب مسجد سے قبلہ کا محاذی دروازہ مراد لیا جاوے لیکن اس کی نسبت ہم صاف کہتے ہیں کہ **ما انزل الله بهذا من سلطان.** کیونکہ قبلہ رخ ایک دروازہ تھا جس کے بند کرنے کے بعد عین اسکی محاذات میں شمالی دروازہ کھولا گیا جسکی نسبت علامہ سمہودی مدنی تاریخ خلاصۃ الوفاء باخبار دارالمصطفی میں لکھتے ہیں۔

ان المسجد الشريف جعل له ثلثة ابواب باب فى موخره الى جهة القبلة اليوم يدخل منه الى المقصورة وهذا قدسد قديما وباب عن يمين المصلى، وباب عن يسار القبلة فى محاذات الباب قبله يدخل منه للمقصورة.

یعنی مسجد شریف کے تین دروازہ بنائے گئے تھے۔ پہلا وہ دروازہ جواب قبلہ کی جانب ہے جس سے مقصورہ کی راہ تھی یہ دروازہ قدیم سے بند کر دیا گیا ہے۔ دوسرا دروازہ داہنی جانب ہے تیسرا قبلہ کے بائیں طرف بند شدہ دروازہ کے محاذی۔"

اب ہم میں اور فاضل بریلوی میں صرف اس قدر نزاع رہ گئی کہ فاضل بریلوی تیسرا دروازہ مراد لیتے ہیں تاکہ اذان خارج مسجد ہو جاوے اور ہمارے

نزدیک باب مسجد سے مراد وہ دروازہ ہے جو قبلہ کی جانب ہے اور اب مسدود ہے جب تک یہ قوی احتمال قائم ہے ان کا استدلال باطل ہے مشہور مقولہ ہے کہ اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال اس قوی احتمال کو مولانا عبدالقادر صاحب شبلی حنفی مدرس مدرسہ مسجد نبوی نے اپنے فتوی میں ذکر فرمایا ہے جس کے جواب میں فاضل بریلوی نے صرف اس پر قناعت فرمائی ہے

یہ بھی منجملہ ان کی سولہ جہالتوں میں سے ایک جہالت ہے۔"

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایسے قوی احتمال کو کیوں نظر انداز کر کے ان کو جہالت کا تمغہ پہنایا گیا اب ہم ترقی کرتے ہیں کہ یقیناً مراد وہی ہے جو فاضل و محدث مدنی کے قلم سے نکلی ورنہ تمام مسجدوں کے دروازے حسب رائے فاضل بریلوی محراب کے مقابل نہ ہوتے بلکہ اس سے جانب شمال ہٹ کر منبر کے محاذی ہوتے حالانکہ عموماً تمام مساجد میں اس کے خلاف ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ فاضل بریلوی یہاں بھی وہی رواج اور تعامل کا عذر پیش کر کے خاموش نہ ہونگے مگر پھر ایک مشکل یہ پیش آوے گی کہ کوئی بڑی مسجد دنیا میں تعمیر نہ ہوسکے اور جو تعمیر ہو گئی ہیں جیسے جامع ازہر و مسجد جامع دہلی و مسجد شاہی لاہور ان سب کی تعمیر حسب زعم فاضل بریلوی خلاف شرع ہے کیوں کہ ان مسجدوں میں خارج مسجد اذان دینے سے بین یدی کا مفاد فاضل بریلوی کے طور پر بھی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اب اذان نہ غائبین کے اعلام کیلئے ہو سکتی ہے نہ حاضرین کے انصات کے لئے۔ ممکن ہے کہ فاضل بریلوی یہ تاویل کر بیٹھیں کہ ایسے موقع پر فناء مسجد میں اذان ہو گی تو اس صورت میں یہ مشکل پیش آوے گی کہ اس اذان سے مقصود حسب زعم فاضل بریلوی اعلام للغائبین تھا وہ حاصل نہ ہوا اور دوری کی صورت میں انصات للحاضرین بھی مقصود ہے شاید اپنے مفقود کو پس پشت ڈال کر فاضل بریلوی یہ فتوی صادر فرمادیں کہ ایسی مسجدوں میں اس حصہ فنا میں اذان دی جاوے جو قریب دالان ہونے کی وجہ سے قریب منبر ہے تو یہ کوئی جدید بات نہیں ہوئی اس کی تو تمام دنیائے اسلام قائل ہے جیسا کہ مسجد جامع دہلی کے مکبرۃ سے ظاہر ہے کہ وہ مسجد میں داخل اور دالان سے خارج قریب منبر ہے

دوسری اذان جمعہ اسی پر ہوتی ہے حالانکہ فاضل بریلوی تعامل کے صریح مخالف ہیں اور تمام اسلامی دنیا کے سامنے نئی بات پیش کرنے کے مدعی ہیں اب بجز اس کے چارہ نہیں ہے کہ ایسی مسجدوں کی تعمیر کو خلاف شرع قرار دیا جاوے اور ان کے انہدام کی فکر کی جاوے مناسب ہوگا اس کار خیر کی ابتدا مسجد جامع دہلی سے کی جاوے۔ ولنعم ما قال.ع ان الدھرلات بالاعاجیب

فاضل بریلوی کا لفظ بین یدی اور عند کے حقیقی معنیٰ کو ترک کرنا

(۱۲) فاضل بریلوی کا فقہی استدلال یہ ہے کہ عامہ کتب فقہیہ میں یکرہ الاذن فی المسجد وارد ہے اور اس میں تخصیص کسی خاص اذان کی نہیں ہے لہذا جمعہ کی اذان ثانی بھی اس کلیہ میں آگئی لیکن اب فاضل بریلوی نے دیکھا کہ اذان ثانی کے متعلق عموماً یہ جملہ وارد ہے کہ اذن الموذنون بین یدی الامام اور لفظ بین یدی قریب پر دال ہے تو اس کی تاویل کر ڈالی کہ یہ صرف محاذات پر دال ہے اور حضرۃ علمیہ کے لئے اور اس پر بکثرت بزعم خود شواہد پیش کر دے اور اسکی سند میں آیات قرآنیہ کا ایک سلسلہ قائم کر دیا جیسے یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم وغیرذالک من الا یات .لفظ بین یدی چھوڑ کر بعض علماء نے وہ روایتیں پیش کیں جن میں لفظ عند" ہے جیسے عنایہ شرح ہدایہ میں ہے۔

لانہ لوانتظرالاذان عندالمنبر یفوتہ اداء السنۃ وسماع الخطبۃ (ثم قال بعد) وکان الطحاوی یقول المعتبر ھوالاذان عند المنبر بعد خروج الامام(۱)

مجمع الانہر میں ہے لانہ لو انتظرالاذن عند المنبر یفوتہ اداء السنۃ وسماع الخطبۃ(۲)

عالمگیری میں ہے قال الطحاوی یجب السعی ویکرہ البیع عند اذان المنبر(۳) حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے۔

دیکھئے ان سب کتب معتبرہ میں لفظ عند وارد ہے جس کے معنے نزد و پاس کے ہیں جن کے مفہوم میں قرب داخل ہے۔ جب یہ نظائر فاضل بریلوی کی حضوری میں پیش ہوئیں تو عند اپنے معنی میں نہ رہا اور اس کے معنے بھی وہی ہو گئے جو بین یدی کے تاویلی معنے تھے اور اس پر بھی فاضل بریلوی نے آیات و نصوص جیسے عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ اور اس کے ماسوا پیش کر دیں کہ دیکھو اللہ کے نزدیک جناب نبی کریم ﷺ بھی ہیں اور صلحاء امت بھی حالانکہ دونوں کے مراتب میں بیحد فرق ہے اور دیکھو لفظ عند سب کو شامل ہے معلوم ہوا یہ قرب کے لئے خاص نہیں ہے غرض بین یدی سے کثرت شواہد میں عند بھی کم نہ رہا۔ خیر یہ سب کچھ ہوا لیکن اس کا کیا جواب ہے جو عالمگیری میں ہے۔

الاصح ان كل اذان يكون قبل الزوال فهو غير معتبر والمعتبر اول الاذان بعد الزوال سواء كان على المنبر اوعلى الزوراء كذافى الكافى(١)

دیکھئے یہاں نہ تو لفظ عند المنبر ہے نہ بین یدی الخطیب تا کہ باب تاویلات کشادہ ہو یہاں تو علی المنبر ہے جو صاف قرب پر دال ہے اب رہی کھینچ تان سو وہ یہاں بھی ہو سکتی ہے کہ علی استعلاء کے لئے آتا ہے اور ظاہر ہے کہ منبر پر تو اذان نہیں ہوتی بلکہ اس کے سامنے جب یہ اپنے معنی حقیقی سے تجاوز کر گیا تو ممکن بلکہ واجب ہے کہ محاذات کے معنی اس میں حلول کر گئے ہوں۔ مگر ہم ان کھینچ تانوں کے جواب دہی میں اپنا وقت عزیز نہیں ضائع کرتے ناظرین کی فطرت سلیمہ پر اس کا فیصلہ چھوڑتے ہیں۔

۱۔ عنایہ مع فتح القدیر شرح الھدایہ ص ۶۹ ج ۱
۲۔ مجمع الانہر ص ۱۷۱ ج ۱ طبع مصر۔
(۳) فتاوی عالمگیری ص ۱۴۹ جلد ۱

بین یدی اور عند کے حقیقی معنی

یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ لفظ بین یدی و عند سے ان کے حقیقی معنے قرب کیوں سلب کر لئے گئے۔ کشاف اور مدارک میں تو بین یدی کی نسبت صاف یہ تصریح موجود ہے۔

وحقیقتقولهم جلست بين يدي فلان ان يجلس بين الجهتين المسامتين بيمينه وشماله قريبا منه.

اسی طرح عامہ کتب تفسیر وادب میں اس کے معنے قرب کے تحریر کئے ہیں کثرت نقل سے ہم مضمون کو دراز نہیں کرنا چاہتے ورنہ ایک کتاب اس طولانی مضمون کے لئے درکار ہے رہا لفظ عند تو اس کو قرب کے لئے نہ کہنے سے لغت کی بے اعتباری کا اندیشہ ہے مبسوط میں ہے کہ **عند عبارة عن القرب** اسی وجہ سے بعض کتب فقہیہ جامع الرموز وغیرہ میں اس کی تصریح آچکی ہے کہ ان میں عند المنبر کے معنے قریبا منہ درج ہے۔(۱)

تو اب فاضل بریلوی کو کونسا حق حاصل ہے کہ وہ احناف کو اس قرب سے دور رکھیں اور استثناء سے روکیں بے شک **لا یوذن فی المسجد** صحیح ہے لیکن اذان ثانی اس کلیہ سے مستثنے ہے اور اس کا استثناء انھیں **بین یدی** وعند سے ہو گیا اب رہیں آیات ونصوص تو اس کا جواب سہل ہے کیونکہ در حقیقت لفظ **بین یدی وعند** قرب مکانی کے لئے موضوع ہیں اور ظاہر ہے کہ ان نصوص میں قرب مکانی نہیں مراد ہے بلکہ قرب رتبی مقصود ہے جس کے لحاظ سے یہ ہر دو مجاز ہو گئے اور قرب رتبی مجازی قرار پایا اور یہ بات روز روشن کی طرح تاباں ہے کہ اللہ جل جلالہ کے احاطہ علمی میں تمام عالم آگیا ہے اس قرینہ سے وہاں لفظ بین یدی میں وسعت آگئی اور لفظ عند بھی اس کے شریک **فی الوسعة**

---

(۱) جامع الرموز ص ۱۱۸ جلد ۱۔

ہو گیا لیجئے قصہ ختم شد۔ اتنی سی بات تھی اسے افسانہ کر دیا۔
کس نے دعوی کیا تھا کہ اگر کسی لفظ کے کوئی حقیقی معنے بتائے جاویں تو وہ کبھی معنی مجازی میں مستعمل نہ ہوگا ہاں یہ امر ضروری ہے کہ جب تک حقیقی معنی متعذر نہ ہوں معنے مجازی نہیں مراد ہو سکتے اور **عند التعذر** معنی مجازی پر قرینہ قائم ہونے کی صورت میں معنی مجازی کا ارادہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے موافق حضرات علماء کا بھی یہی کہنا تھا کہ **عند المنبر وبین یدی الخطیب** میں حقیقی معنی کی رو سے ہمارا مدعا حاصل ہو گیا اس پر فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ فلاں فلاں آیات میں تو یہ معنی مراد نہیں ہے ہم کہتے ہیں نہ ہو کیوں کہ وہاں معنی مجازی پر قرینہ قائم ہے پھر کیا اس سے اس کے معنی حقیقی ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاویں گے۔

قول فیصل (۱۴) صاحبو آؤ ہم تم کو معتبر کتاب فقہ کی ایسی صاف عبارت دکھائیں جس کے بعد ہمیشہ کے لئے گفتگو کا خاتمہ ہو جاوے اور تاویلات کی رگ قطع کر دے، مراقی الفلاح میں ہے۔

والاذان بین یدیه کالا قامة جری به التوارث۔ [ل]

یعنی جمعہ کی اذان ثانی امام کے سامنے اقامت (تکبیر) کی طرح ہوسی پر توارث چلا آیا ہے یہاں اذان ثانی کی جو اقامت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس سے مقصود بجز اس کے نہیں معلوم ہوتا کہ جیسے اقامت داخل مسجد حاضرین کے اعلام کے لئے ہوتی ہے اسی طرح یہ اذان ثانی بھی داخل مسجد ہونا چاہیے ورنہ **کالا قامة** کا لفظ بے کار ہو جاوے گا۔ ہمارے خیال میں صاحب مراقی الفلاح فقیہ ہونے کے علاوہ ملہم من اللہ بھی تھے کچھ عجب نہیں کہ انھوں نے یہ خیال کیا ہو کہ کوئی صاحب جدت پسند **بین یدی** میں تاویل کر کے مسجد سے اذان ثانی کو نکال باہر کریں اور **اعلام للغا ئبین** کی صدا بلند کر کے عام کلیہ **لا یوذن فی المسجد** میں داخل کر دیں اس لحاظ سے انھوں نے **کالا قامة** کی قید بڑھا

[ل] مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۱ ۲ ۴۔

دی تا کہ کسی کو کلام کرنے کی گنجایش نہ ملے اور پھر لطف یہ کہ جری بہ التوارث کا جملہ ارشاد فرما کے مخالفین کا ہمیشہ کے لئے منہ بند کر دیا تا کہ کوئی اس کو معمولی تعامل اور رواج سمجھ کے حضرت مجدد الف ثانی وعلامہ شامی کی عبارتیں پیش کرنا شروع نہ کردے یہاں ایک ادنی تامل کی ضرورت تھی جس کی وجہ سے جملہ احناف اور فاضل بریلوی کی ہمیشہ کے لئے صلح رہتی مگر کیا کریں مسلمانوں کے ادبار کا دور ہی نہیں ختم ہوتا ہے آئے دن اصول چھوڑ فروع میں نزاع و تکرار رہتی ہے اور اس کا سلسلہ ہے کہ برابر بڑھ رہا ہے۔

اللهم اصلح امة محمد ﷺ

آمین یارب العالمین.

ای بسرا پردہ یثرب بخواب خیز کہ شد مشرق ومغرب خراب

کتبه العبد المسکین معین الدین الاجمیری کان الله له
المدرس فی المدرسة المعینية العثمانية اجمیر شریف

تجلیات انوار المعین

فاضل بریلوی کی خصوصیات

○

تجلیات انوار المعین

تالیفِ فخرِ سلسلۂ خیرآبادی

حضرۃ العلامہ مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ
صدر المدرسین مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف و ناظم انجمن جمعیۃ انوارِ خواجۂ اجمیر
[اُستاذِ مکرم حضرۃ خواجہ قمر الدین سجادہ نشین سیال شریف]

○

انجمن ارشاد المسلمین
۴-بی شاداب کالونی، حمید نظامی روڈ، لاہور

بسم اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

الحمد للہ رب العٰلمین،والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ نبینا و مولانا محمد والہ واصحابہ اجمعین،

اما بعد، مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اعلیٰ حضرت، پیشوائے مدعیان سنت مجدد ماتہ حاضرہ بالقابہ المقررہ نے بیٹھے بٹھائے ایک فتویٰ چھاپ دیا کہ جمعہ کی اذان ثانی کو مسجد بدر کر دینا چاہئے گو یہ امام اعظمؒ سے براہ راست مروی نہ سہی لیکن فقیہوں (کل نے نہ سہی تو بعض) نے یہ لکھ ہی دیا ہے کہ لا یوذن فی المسجد اور حدیث میں بروایت محمد بن اسحٰق (گو کہ امام مالکؒ جیسے جلیل القدر امام نے ان کو دجال اور دیگر ائمہ نے ان کو ضعیف کہا ہے)علی باب المسجد آیا ہے۔ اس مشتبہ (بلکہ غلط در غلط) ثبوت پر دنیائے اسلام میں انہوں نے اپنا چیلنج شائع کر دیا کہ اگر کوئی ہمارا مخالف عالم دنیا کے پردہ میں رہتا بستا ہے وہ میدان تحریر میں اترے مباحثہ علمیہ میں گو وہ عہدہ برا ہو سکتا ہے لیکن پہلو دار گوئی و دشنام دہی میں کوئی بازی نہیں لیجا سکتا اپنے موافقین کو احیائے سنت کا سبز باغ دکھا کر سو شہیدوں کا اجر تقسیم کر بیٹھے۔

احمد رضا خان قادیانی' چکڑالوی کے نقش قدم پر

اعلیٰ حضرت نے سمجھ لیا تھا کہ اس چودھویں صدی کے لوگ جبکہ ایک پنجابی[1] کے دعوائے نبوت کو ٹھنڈے دل سے سن کر اس کو تسلیم کرنے میں عذر نہیں کرتے اور دوسرے پنجابی کی[2] صدا سن کر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو خیرباد کہہ دیتے ہیں تو چلو آؤ اس آپادھاپی کے زمانہ میں خود بھی بہ نسبت ان کے ایک سہل دعویٰ کر کے اپنی ایک ممتاز جماعت کھڑی کر لو۔ عمر ستر سے تجاوز کر گئی دفعتہً پیغام اجل آگیا تو سارے ارمان دل کے دل ہی میں رہ

۱- مرزا غلام احمد قادیانی ۲- عبداللہ چکڑالوی

جاویں گے۔ جو وقت ہے وہ غنیمت ہے۔

شوریدہ سر و جاہل جماعت

کچھ مختصر سی بے ہنگام جماعت ہاں میں ہاں ملانے والی اور ہم کو مجدد ماننے والی سر دست موجود ہے۔ اہل علم کے تسلیم نہ کرنے سے قادیانی کا کیا بگڑا جو اس کا خراب اثر ہم پر پڑیگا یہ شوریدہ سر و متوالی جماعت ہی ہمارا رتبہ بڑھانے اور چیخ پکار مچانے کے لئے کیا کم ہے۔ آخر قادیانی کا ستارۂ اقبال دنیا میں چمک ہی گیا۔ علماء اس کے متبع نہ ہوئے نہ سہی ایک جاہل جماعت کے جہل کو خدا سلامت رکھے تو اپنے لئے بھی سب کچھ ہو لے گا۔ لوگوں کی عام حالت دیکھتے ہوئے اعلیٰ حضرت کا خیال کچھ دور از کار بھی نہ تھا۔ یہ خیال جمنے کی دیر تھی کہ بریلی سے فتویٰ شائع ہو گیا جس کا نام خود انہوں نے فتوائے مبارکہ رکھ دیا۔ اس فتویٰ میں بطور دفع دخل اصل دس سوالات کے بعد پانچ کا اور اضافہ کر کے فتوے کو مکمل کر دیا یہ اضافہ صرف جماعت علماء کے مرعوب کرنے کی خاطر کیا اور چونکہ جانتے تھے کہ اکثر اہل علم سادہ طریق سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور ریاکار قاریوں کے زمرہ میں داخل نہیں ہیں اور خود بدولت ذرا ظہور فن قرات سے آشنا ہیں اس وجہ سے اس کا اس طرح اظہار فرماتے ہیں کہ ''ہندوستان میں کتنے عالم ہیں جو قرآن کو مخرج صحیح سے ادا کرتے ہیں'' مطلب یہ کہ ہم قاری ہیں اور یہ علماء جبکہ فن تجوید کے مطابق قرآن مجید نہیں پڑھ سکتے تو ہم سے (جبکہ ہم قاری ہیں) وہ کیا حث کر سکتے ہیں اور اگر اعلیٰ حضرت کی فضیلت قرأت میں ذرا کسی نے چون و چرا کی تو پھر بے تامل تکفیر اس کے سر تھوپ دی جائیگی کہ دیکھو یہ شخص قرآن کی صحیح تلاوت کی اہمیت میں کلام کرتا ہے غرض اس قسم کے قیود بڑھا کر علماء کو مرعوب کرنا چاہا تھا۔

احمد رضا خان صاحب کا زعم باطل طشت ازبام

مگر اہل حق ان باتوں سے کب مرعوب ہونے والے تھے انہوں نے مفتی

صاحب کے زعم باطل کو اسلامی دنیا میں خوب طشت ازبام کیا اور چاروں طرف سے اس فتوے پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ ایک دو عالم کی تحریر کے جواب دہی کے لئے اعلیٰ حضرت نے دم بھی مارا کہ۔

ع۔ پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است

لیکن جب اس کا سلسلہ ان کو غیر محدود نظر آیا اور خیال فرمایا کہ یہ وہی مثل ہوئی کہ ؎

ہر بلائے کز آسماں آید خانہ انوری کجا باشد

تو انہوں نے اپنے لئے یہ صورت تخفیف نکالی کہ فلاں رسالہ جو فلاں کے نامزد ہے یہ دراصل اس کا نہیں بلکہ اس کا مصنف فلاں شخص ہے اور جو تقریری مناظرہ کے لئے آمادہ ہوا اس کی نسبت چھاپ دیا کہ یہ غیر معروف ہے قابل خطاب نہیں۔

اعلیٰ حضرت کی پردہ نشینی کہ آٹھ بار طلبی پر بھی میدان مناظرہ میں نہیں آئے

علماء بدایوں نے جب تقریری مناظرہ کی بنیاد ڈالی اور ایک بار نہیں دوبار نہیں بلکہ آٹھ بار اشتہار طبع کرا کر مختلف طریقے سے اعلیٰ حضرت کو ابھارا، خطوط علیحدہ لکھے تمام جلسہ کا بار صرف اپنے ذمہ لیا جن علماء کو مدعو کرنا تھا ان کے نام تک ایک طویل اشتہار کے ذریعہ شائع کر دیئے شرائط مناظرہ ایسے قرار دیئے جو اگرچہ علماء بدایوں کے حق میں نہایت بارگراں تھے مگر اعلیٰ حضرت کے حق میں نہایت ہلکے اور خفیف پھر اس قدر اس میں سہولت کا اور اضافہ کر دیا کہ آپ بذات خاص نہ سہی آپ کے کوئی خوشہ چیں بزرگ ہی مناظرہ کے میدان میں آ جاویں کہ ان پر الزام بعینہ آپ پر الزام ہو غرض جو باتیں ان ہونی تھیں وہ بھی علماء بدایوں نے مناظرہ کی خاطر اختیار کیں اور دوسری طرف اعلیٰ حضرت کو غیرت پہ غیرت دلائی مگر احیائے سنت کے مدعی اعلیٰ حضرت سو شہیدوں کا اجر

تقسیم کرنے والے اعلیٰ حضرت دنیا بھر کو اپنی مجددیت منوانے والے اعلیٰ حضرت! ایک عالم کی تکفیر کرنے والے اعلیٰ حضرت مناظرہ کے لئے آمادہ نہ ہوئے پر نہ ہوئے اور نہ کسی کو اپنا قایم مقام کیا کچھ دنوں کے بعد یہ مشتہر کر دیا کہ جناب مولانا عبد المقتدر رحمتہ اللہ علیہ میں تو تاب مناظرہ تھی نہیں۔ وہ تو اس سے سکوت کریں اور ادھر ادھر کے غیر معروف ناقص العلم بازی لیجائیں۔ بھلا یہ ہو سکتا ہے۔ ان کے مریدین نے تو یہ سنتے ہی کہا ہوگا کہ توبہ حضور! کسی کی کیا مجال جو حضور سے ہوں کر سکے۔ حضور ایسے اور ویسے' پہلے کوئی حضور کے ہم رتبہ تو ہو لے پھر کہیں مناظرہ کی ہوس کرے۔ مطلب یہ کہ نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔ اللہ اکبر! پہلو بچانے کے کیا زبردست داؤ گھات چودھویں صدی کے مجددنے ایجاد کئے ہیں کہ تمام عالم کی تکفیر و تفسیق کے بعد بھی کسی کے ہتے نہ چڑھے اور گھر میں بیٹھ کر تمام میدان جیت لئے۔

علماء بدایوں کے مقابلہ سے احمد رضا خان کا فرار

اب وہ سنئے جس کا جلوہ یہاں دکھایا کہ دعوتِ مناظرہ[1] پر لبیک نہ کہی اور رجماً بالغیب یہ فرمادیا کہ "القول الاظہر" کے مصنف حضرت مولانا محمد انوار اللہ صاحب معین المہام امور مذہبی صوبہ دکن ہیں۔ لطف یہ کہ حضرت مولانا معین المہام دامت برکاتہم اپنے ایک خط میں اس غلط انتساب کی تغلیط بھی کرتے ہیں اور صاف تحریر فرماتے ہیں کہ "مولوی معین الدین صاحب صدر مدرس معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف نے ایک رسالہ لکھ کر بغرض طبع میرے پاس پیش کیا"۔ اس پر طرح یہ کہ اجلی انوار الرضا (جس کے متعلق خواب میں اعلیٰ حضرت کو بشارت ہوئی ہے کہ یہ "القول الاظہر" کا جواب ہے) میں بعینہ اُس خط کو بھی نقل فرمادیتے ہیں جس میں فقرہ مذکورہ درج ہے جس کو یقین نہ ہو وہ اجلی انوار الرضا صفحہ ۶ کا مطالعہ کرے اور خوب دل کھول کر صدق و دیانت کا مرثیہ

۱۔ یہ دعویٰ بعنوان "اعلان مناظرہ" دو سال ہوئے کہ شائع ہو کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں باریاب ہو چکا ہے لیکن ہم اس عذر لنگ سے بھی محروم ہیں جو علماء بدایوں کے حق میں کہا گیا۔

پڑھے کہ جب چودھویں صدی کے مجدد تک سے کافور ہو گئی تو اس کے امتی و کلمہ گو جس قدر بھی اس سے عاری ہوں محل شکایت نہیں۔ اس مقام پر ناظرین کو یہ خلجان ضرور ہو گا کہ صدق و دیانت کا بلا وجہ اعلیٰ حضرت نے کیوں خون کیا اور کس مصلحت نے ان کو اس امر شنیع پر آمادہ کیا۔ اس کا خود اعلیٰ حضرت اجل الرضا میں اس طرح جواب دیتے ہیں کہ

"رسالہ ایک غیر معروف شخص کے نام سے تھا اور لوح پر صاحب ممدوح کی فرمائش سے طبع ہونا مکتوب مجاہیل یا جہلہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق"

مطلب یہ کہ ہم کو گو اس کا اقرار ہے کہ حضرت مولانا معین المہام دامت برکاتہم کو اس رسالہ (القول الاظہر) سے صرف اس قدر تعلق ہے کہ ان کی فرمائش سے طبع ہوا و نیز اس کا بھی اعتراف ہے کہ یہ رسالہ غیر معروف شخص کا مصنفہ ہے لیکن چونکہ مصنف مجہول یا جاہل ہے اس لئے اپنی علو شان کا لحاظ کر کے ہم جائے مصنف' صاحب مطبع سے الجھنے کا حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ معروف ہونے کے علاوہ ایک اسلامی ریاست کے رکن بھی ہیں اور ادھر ہم اعلیٰ حضرت! چلو جوڑ برابر کا ہو گیا۔ اگر یہ مطلب نہ لیا جاوے تو اعلیٰ حضرت کے دونوں جملوں میں کوئی ربط نہ رہے گا جو ان کے خلاف شان عالی ہے۔

بریلوی صاحب کا تقریری مناظرہ سے فرار اور صریح کذب پر اصرار

اب اگر ہم کو افسوس ہے تو اس کا کہ خلق اللہ کی زبان اب بھی بند نہ ہو گی وہ برابر یہ کہے گی کہ اعلیٰ حضرت ہدایت کے لئے کھڑے ہوئے تھے ان کو برابر کا جوڑ تلاش کرنے سے کیا صرف ایک جاہل یا مجہول شخص طالب ہدایت اپنے جہل یا مجہولیت کے باعث کیا استفسار کا بھی کوئی حق نہیں رکھتا۔ اور کیا مجیب و ہادی کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ وہ مستفسر و طالب ہدایت کو اسی وقت جواب دے یا اس سے ہمکلام ہو جبکہ وہ مجیب و ہادی کے ہم پلہ و ہم رتبہ ہو۔ اگر روحی فداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی قاعدہ کی پابندی فرماتے تو ایک کو بھی ہدایت نہ

ہوتی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمسر صرف مفقود ہی نہ تھا بلکہ بقول عرفی شیرازی اس کا مصداق ہے ؎

روزے کہ شمروند عدیلش ز محالات
تاریخ تولد ہو شتند عدم را

اعلیٰ حضرت نے جب احیائے سنت کا نام لیکر سو شہیدوں کا بید ریغ اجر تقسیم کرنے پر کمر باندھ لی تھی اور اس صدائے خوش کن سے کرۂ عرض میں ایک گونج پیدا کر دی تھی تو ان کو چاہئے تھا کہ ہر ممکن طریق سے تشنگان ہدایت کو سیراب کرتے اور نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جا وبے جا سوالات سن کر سائلین کا اطمینان کرتے۔ اس کے لئے دور دراز سفر کی بھی زحمت گوارا فرماتے خلقت کی جا وبے جا نکتہ چینیوں کو ٹھنڈے دل سے سنتے اور ان کے شبہات کو رفع کر کے سب سے پیشتر سو شہیدوں کا اجر خود مول لیتے خلقت کے سخت کلمات کی پروانہ کر کے اس کان سن اس کان اڑاتے اور صابرین کے زمرہ میں داخل ہو کر خلق حسن کا بہترین نمونہ صفحہ دہر پر چھوڑتے۔

بارگاہ رضوی یا لکھنو کے مشہور کوٹھے

لیکن بجائے اس کے بارگاہِ اعلیٰ حضرت سے وہ در فشانی وگوہر باری ہوئی کہ خلقت حیران ہے کہ ان کا ظہور بارگاہ رضوی سے ہوا ہے یا لکھنو کے مشہور کوٹھوں سے چلئے اہل علم کی حلیم جماعت اس کے لئے بھی حاضر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی در فشانی کی بہار دیکھے لیکن حضرت کی برابر کے جوڑ کا عذر کس طرح رفع کیا جاوے۔ اب فرمائیے کہ سائل کے اطمینان کی کیا صورت؟

بریلوی صاحب کا تقریری و تحریری مناظرہ سے فرار

بالمشافہ گفتگو و تقریری مناظرہ سے ہمیشہ اعلیٰ حضرت گریز کرتے رہے لیکن اب تحریری گفتگو کے بھی لالے پڑ گئے۔ اگر یہی تھا تو پھر اس سلسلہ کی بنیاد ڈالنے کی کیا ضرورت تھی گھر میں بیٹھ کر جو چاہتے کرتے کوئی ہوں بھی نہ کرتا

اور نہ حضرت کو اس قدر تحریری کوفت اٹھانا پڑتی جب ہمت کر کے میدان میں آ گئے تو اب علمی اکھاڑے سے گریز کیسا۔

کامل ڈیڑھ سال انتظار کے بعد بجائے جواب

"القول الاظہر" صرف ایک فقرہ وصول ہوا

القول الاظہر کو شائع ہوئے تیسرا سال ہے اب تک اس کا جواب نہ ہو سکا اور نہ آئندہ اس کی امید، البتہ دعوت مناظرہ ورسالہ ہر دو کے جواب میں کامل ڈیڑھ سال انتظار کے بعد اعلیٰ حضرت کی سرکار سے ہم کو صرف یہ فقرہ وصول ہوا کہ مجاہیل یا مہملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق۔

اجلی انوار رضا اور انشائے ماد ہو رام

باقی رہا رسالہ، سو قصور معاف اگر انشائی ماد ہو رام، تحریر ابن الہمام کا جواب ہو سکتی ہے تو اجل الرضا بھی القول الاظہر کا جواب قرار پا سکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہنوز خلقت کی عقلیں اس قدر مسخ نہیں ہوئیں کہ ایک غیر متعلق رسالہ اجل الرضا کو القول الاظہر کا غلط جواب بھی تسلیم کر لیں۔

"القول الاظہر" اور "اجل الرضا" کا مقابلہ و مختصر خاکہ

ناظرین کی واقفیت کیلئے ہم دونوں رسالوں کا مختصر خاکہ کھینچتے ہیں جس سے اندازہ ہو جائیگا کہ ہر دو رسالہ میں کیا تعلق ہے یقین حاصل کرنے کے لئے اس سے بہتر صورت نہیں کہ دونوں رسالوں کو پیش نظر رکھ کر تقابل کیا جاوے۔ اس مقابلہ کے لئے انصاف کی بھی ضرورت نہیں غیر منصف بھی ایک بار حیران ہو کر یہ جملہ تو بول ہی دے گا کہ یہ جواب ہے یا مذاق؟

مضامین القول الاظہر

القول الاظہر میں صفحہ ۲۳ تک نہایت وضاحت کے ساتھ نفس اجماع کی تحقیق اور اس کی اہمیت تحریر کی گئی ہے۔ اسی اثناء میں اس کے متعلق اعلیٰ

حضرت کے شبہات کا صرف قابل دید رد ہی نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ان کا ایسا زبردست خاتمہ کیا کہ خود رسالہ اجل الرضا نے اپنے مصنف کے سکوت سے فائدہ اٹھا کر خلاف شہادت دیدی۔ اعلیٰ حضرت کے انہیں استناد ات (جن کی رو سے اجماع کی وقعت و عظمت کم کی گئی تھی) نے اجماع کی وقعت ذہن نشین کی اور اس طرح وہ بجائے ان کے مفید ہونے کے محمد للہ ہم کو مفید ہوئے۔ صفحہ ۲۳ سے صفحہ ۳۳ تک جس ضعیف روایت کی بناء پر اعلیٰ حضرت بدعت کو مام سنت رواج دینے کے لئے کمربستہ ہوئے تھے اس کے ایک راوی محمد بن اسحٰق پر تنقید کی گئی ہے اور جن اکابر ائمہ نے ان پر جرح کی ہے ان کا حوالہ کتاب مع تشریح جرح ایک نقشہ مرتب کر کے دکھلایا ہے کہ اس کے بعد اس روایت سے استدلال معمولی شخص کا کام نہیں بلکہ مستدل کے لئے بے انتہا شوخ چشمی و دیدہ دلیری کی بعد ضرورت ہے اسی سلسلہ میں محمد بن اسحٰق کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی کا محققانہ فیصلہ درج کر کے فضول قیل و قال کا خاتمہ کر دیا۔ صفحہ ۳۴ سے صفحہ ۳۸ تک روایت کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد بھی روشن کر دیا کہ اعلیٰ حضرت کا اس سے استناد باطل- اسی ضمن میں حق کی تائید اس اجماع سے (جو عہد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں منعقد ہوا تھا) کر کے حضرت مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی کی عبارت مندرجہ "عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ" کا مطلب ظاہر کیا گیا اور اس وجہ سے وہ عبارت ہم کو مفید اور اعلیٰ حضرت کے حق میں مضر ہو گئی-

ع وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور ان کا نکل آیا

حسام الحرمین کا ایک تقریظ نگار بارگاہِ رضوی میں احمق و جاہل

صفحہ ۳۹ سے صفحہ ۴۰ تک اس فتوے کا خلاصہ ہے جو ایک مقدس فاضل عبدالقادر مدنی مدرس حرم شریف نبوی (ﷺ) کے قلم سے اعلیٰ حضرت کے خلاف صادر ہوا ہے یہ مفتی اجل وہی ہیں جن کو اعلیٰ حضرت نے اپنی کتاب حسام الحرمین میں نہایت تعظیمی الفاظ سے یاد کیا ہے اور اب خلاف کی وجہ سے

بارگاہ اعلیٰ حضرت سے سوائے احمق و جاہل ان مفتی صاحب کے نصیبوں میں کچھ نہیں۔

ان الدھرلات بالاعاجیب

صفحہ ۴۱ سے صفحہ ۴۵ تک معتبر کتب احناف سے سلسلہ روایات قائم کیا جو بالاتفاق اذان اندرون مسجد پر شاہد ہیں۔ اسی ضمن میں اعلیٰ حضرت کے استدلال و تاویلات کا قلع قمع کیا اور امر حق کو ایک روشن ثبوت سے واضح کر کے رسالہ کو ختم کیا ہے۔

مضامین اجل الرضا   اب اس کے مقابلہ میں اعلیٰ حضرت کے اجل الرضا کو ملاحظہ فرمایئے۔ جس کو سوء اتفاق سے اعلیٰ حضرت نے القول الاظہر کا رد بلیغ سمجھ لیا۔ اس رسالہ کی ابتدا اپنی مدح سرائی سے ہوئی ہے کہ ہم ایسے اور ویسے مطلب یہ کہ ہم احیائے سنت واتباع ملت وغیرہ میں منتخب روزگار اور ہمارے مخالفین تحریف وخیانت وافترا و جہل وغیرہ میں گرفتار ایک صفحہ اسی مضمون کے نذر ہو گیا دوسرے صفحہ میں حضرات علماء بدایوں و علماء رامپور کی مذمت و تنقیص سے فراغت حاصل کر کے خواہ مخواہ حضرت مولانا معین المہام مدظلہ کے سر ہو گئے۔ اس طرح اس صفحہ کا خاتمہ کر کے تیسرے صفحہ میں پھر القول الاظہر کی راگنی اس طرح گائی کہ اس کے مصنف حضرت مولانا معین المہام (حسب قرار داد اعلیٰ حضرت) نے وہ رسالہ علماء مذکورین کی طرح میرے پاس نہ بھیجا۔

بریلوی صاحب کا نامہ اعمال روشنائی سے روشن

اس کے بعد باہمی مراسلت کے قصہ کو چھیڑ کر پورے سولہ صفحے نامہ اعمال کی طرح روشنائی سے روشن کر دیئے اور ان میں تمام خطوط اپنے اور حضرت مولانا کے نقل کر گئے اور ان کے ایک مضمون خط پر تنقیدات قائم کر کے رسالہ کا حجم بڑھا دیا۔ تنقیدات لکھتے لکھتے جو وفورِ علم نے زور کیا تو اس کی طغیانی کون فرو کرے۔ دریا کے تلاطم کا تماشا دیکھو پہلی لہر میں نیچری نمودار دوسری میں

ندوی آشکار تو تیسرے میں اہل دیوبند پدیدار۔ اسی تموج میں علماء دیوبند کے کفریات کا شمار اب مصنف القول الاظہر کی غیر محدود حیرانی کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کو کبھی اس قسم کی بے ربطی سے سابقہ پڑا ہو۔ تفسیر کبیر کی مذمت میں بطور استہزاء کسی نے یہ جملہ کہا تھا فیه كل العلوم الاالتفسير، یعنی اس تفسیر میں صرف تفسیر کی کمی ہے باقی جملہ علوم اس میں موجود ہیں۔ یہ قول اس تفسیر کے حق میں یقیناً غلط ہے لیکن اعلیٰ حضرت نے اپنے رسالہ (اجل الرضا) کی نسبت اس کو سچ کر دکھایا کہ تمام مذاہب رائج الوقت پر طعن کر گئے اور اس رسالہ کو چھوا تک نہیں جس کی تردید لکھنے بیٹھے تھے۔ لطف پر لطف یہ کہ غیر متعلق حضرات کے نام و ذکر سے اجل الرضا کو پُر کر دیا اور نہ معلوم کس مصلحت سے اپنے خاص خصم کو سوائے اپنے دل کے رسالہ میں جگہ نہ دی اور اس کے صراحتاً ذکر کو اپنے لئے عار سمجھ کر صرف اشارہ کنایہ سے کام لیا کہ ہنوز وہ غیر معروف و پردۂ خفا میں ہے پھر فرط عنایت و الطاف سے دوسروں[1] کی زبان سے اس کا نام رسالہ میں نقل بھی کر دیا۔ اب تازہ مصیبت یہ پیش آئی کہ جس راز کو مخفی رکھنا چاہا تھا۔ وہ طشت ازبام ہو گیا۔ اس میں ہمارا کیا قصور۔ یہ اجنبی حضرات سے بطور خود باہمی مراسلات ہونے اور اس کے شائع کر دینے کا نتیجہ ہے۔

خط گئے پکڑے کسی کے نام کے
یہ مزے ہیں نامہ و پیغام کے

احمد رضا خان کے طالب علمانہ سوالات

البتہ جس سوالات کا لست باب جو انہوں نے حضرت مولانا محمد انوار اللہ صاحب پر اپنے ایک خط میں کھولا تھا اور جس کی نقل رسالہ (اجل الرضا) میں ہے وہ کسی قدر القول الاظہر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس حساب سے رسالہ بھر میں

۱۔ اشارہ جناب حضرت مولانا محمد انوار اللہ صاحب بالقابہ مدظلہ العالی۔ ان کے خط کو اعلیٰ حضرت نے بعینہ اپنی رسالہ میں نقل کر دیا ہے۔ اس میں مصنف کے نام کی تصریح آگئی ہے۔

صرف دو صفحے ہیں جن کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ مصنف اجل الرضا نے القول الاظہر کا اگر مطالعہ نہیں کیا تو اس کو خواب میں ضرور دیکھا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ یہ تعلق بھی صرف اس قدر ہے کہ اعلیٰ حضرت نے بجز استفسار اور درِ سوال باز کرنے کے کوئی نقض یا منع وارد نہیں کیا معارضہ تو جائے خود رہا۔ اس میں نرے خالی خولی سوالات ہی سوالات ہیں جو عموماً طلبہ بطور استفادہ اپنے اساتذہ سے کیا کرتے ہیں۔ یہ ہے اجل الرضا کی کائنات کہ جو القول الاظہر کے بارہ مضامین میں سے ایک مضمون کے ایک حصہ کے ایک جز کے ساتھ سائلانہ تعلق رکھتی ہے۔ اور جس کو اعلیٰ حضرت نے القول الاظہر کا رد بلیغ فرمایا اور اس کی لوح پر اس کو ثبت کرا دیا۔

اعلیٰ حضرت کے خاص الخاص مشنری

اس قدر گزارش دحقیقت حال روشن کرنے کے بعد بھی اعلیٰ حضرت کی خاص الخاص مشنریوں[1] سے انصاف کی توقع اس لئے نہیں کہ ان کو اعلیٰ

---

[1] اعلیٰ حضرت کے مشنری اطراف ہندوستان میں حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے احکام کی جا بجا تبلیغ واشاعت ان کا کام ہے۔ یہ لوگ خود علم سے محض ناآشنا ہوتے ہیں جن کا مبلغ علم کل یہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے اردو رسالے اس طرح پڑھ دیں کہ فی سطر کم از کم دس جگہ غلطیاں ضرور کر جائیں لیکن علماء ربانیین کی تکفیر و توہین ان کا شعار اور ان کی تعطیل و تفسیق ان کا دثار ہے۔ جس سرزمین میں جہالت عروج پر ہوتی ہے وہاں ان کے قدم خوب جمتے ہیں اور جس خطہ پاک میں علمی چرچا ہوتا ہے اس طرف اولاً تو یہ حضرات رخ نہیں کرتے کیونکہ گو علوم سے واقف نہ سہی لیکن اپنی حقیقت سے خوب واقف ہوتے ہیں اور اگر غلطی سے وہاں پہنچ جاتے ہیں تو اپنے واہی تباہی مضامین کے باعث تمغہ شہر بدری ضرور حاصل کر لیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے ایک مشہور فرسٹ کلاس مشنری تو بیکٹھ باشی ہو گئے جن کی زبان ان کے دل سے زیادہ عالم تھی۔ انہوں نے کئی بار شہر بدری کے علاوہ کئی مرتبہ سزایابی کا بھی فخر حاصل کیا تھا۔ مشنری سیکنڈ کلاس (درجہ دوم) کلکتہ میں مقیم ہیں۔ یہ بزرگ وہاں اپنی جماعت کے لال گرو ہیں۔ آپ کی وعظ گوئی منجانب سرکار داخل جرم ہو چکی ہے۔ آپ کا جہل ہندوستان کے تمام عالموں کے علم سے بڑھا ہوا ہے۔ ان کے ماسوا تمام مشنری تھرڈ کلاس ہیں۔ ان میں کے ایک مشنری اجمیر شریف میں مقیم ہیں جن کو فتنہ انگیزیوں واہل علم کی غیبتوں کے لیے خداداد فراست حاصل ہے۔ آپ کو اسلامی و علمی ریاست ٹونک سے شہر بدری کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ بعض جہال کے (چشم بد دور) آپ نور نظر ہیں۔
(محی الدین کان اللہ لہ)

حضرت کی ذات سے منافع دنیوی حاصل ہیں جن پر ان کا کارخانہ زندگی چل رہا ہے اور اس لئے وہ دنیا کے قدر شناس، عقل و علم سے پاک و مقدس ہستیاں ہر ایک قسم کے تخاطب سے آزادی بخشنے کے لائق ہیں۔

بریلوی صاحب کی انوکھی روش کی تاویل

البتہ اُن کے ماسوا تمام بنی آدم کو رسالہ اجل الرضا کے غلط جواب بھی تسلیم کرنے میں نہ صرف تامل بلکہ سخت تحیر ہوگا اور کچھ عجب نہیں کہ مبادا خلاف شان اعلیٰ حضرت ان کو سوء ظنی ہو جائے جس کے انسداد کی بلحاظ شان اعلیٰ حضرت نہایت ضرورت ہے اس بارے میں فقیر کا یہ خیال ہے کہ جیسا مصنفین کا عام قاعدہ ہے اعلیٰ حضرت نے چار مضامین کے لئے چار کاپیاں مخصوص کی ہوں گی۔ ایک علماء دیوبند کے رد کے لئے، دوسری علماء بدایوں ورامپور کے نامزد، تیسری حضرت معین المہام مدظلہ العالیٰ کے جوابی خطوط کے لئے مخصوص، چوتھی القول الاظہر کے جواب کے لئے مقرر ان چاروں کے جدا جدا عنوان ان کی لوح پر ثبت کرادیئے گئے ہوں گے کہ جس کے متعلق جو مسودہ تیار ہو جاوے وہ اسی کی مخصوص کاپی میں نقل کر دیا جائے اور اس طرح جب وہ کاپی مکمل رسالہ کی شکل میں آجائے تو اس کو طبع کرا دیا جائے۔ پس بہت ممکن ہے کہ تین اوّل الذکر مسودات مرتب ہونے کے بعد اعلیٰ حضرت نے نقل کا حکم صادر فرما دیا ہو جس کا یہ مطلب تھا کہ یہ تین مسودے اپنی اپنی مخصوص کاپیوں میں نقل کر دیئے جاویں لیکن سوء اتفاق سے کاتب نے سہواً ان تمام مسودات کو اس کاپی میں نقل کر دیا جو القول الاظہر کے جواب کیلئے مخصوص تھی جس کا ہنوز مسودہ بھی تیار نہ ہوا تھا اور بعد نقل بغیر مشورہ اعلیٰ حضرت اس کو طبع کرا دیا اس وجہ سے یہ انوکھی بات پیدا ہوگئی کہ لوح پر تو یہ مرقوم کہ (القول الاظہر کا رد بلیغ) اور رسالہ میں دیکھو تو کہیں علماء بدایوں کا رد کہیں علماء رامپور و دیوبند کا رد کہیں حضرت مولانا معین المہام مدظلہ کے خطوط پر تنقیدی نظر، لیکن القول الاظہر کا اس میں نہ جواب نہ اس کے کسی

مضمون کی تردید نہ اس کے مصنف سے تخاطب، اس تاویل سے ناظرین کی حیرت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور ادھر بے ربطی کا بدنما دھبہ جو اعلیٰ حضرت کے دامن پر لگ گیا تھا' دھل گیا۔ لیکن اب اعلیٰ حضرت کو چاہئے کہ وہ کسی پر اعتماد نہ کیا کریں ورنہ آئے دن اس قسم کی بے تکی صورتیں پیدا ہونے سے خلقت کی نظروں میں بے وقعتی کا سخت اندیشہ ہے۔ ان سفہاء کا تو کچھ بگڑے گا نہیں جو بے سوچے سمجھے' بغیر مشورہ اعلیٰ حضرت اندھا دھند ایسی حرکات کر بیٹھنے کے عادی ہیں لیکن اعلیٰ حضرت کی حاصل کردہ عظمت (جو تمام عمر کی جانفشانی کا نتیجہ ہے، ان کے کرتوتوں خاک میں ملجاویگی۔

حیرانی اور اس کا ازالہ: اس تاویل کے بعد اگر حیرانی ہے تو صرف اس قدر کہ یہ جملہ (مجاہیل یا جہلہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق) القول الاظہر سے بین طور پر تعلق ظاہر کر رہا ہے۔ سو اس کا جواب سہل ہے کہ یہ جملہ مقطع میں آپڑی تھی سخن گسترانہ بات' کے قبیل سے ہے۔ البتہ چونکہ اس فقرہ کا تعلق خاص ہماری ذات سے ہے گو کہ کسی اجنبی رسالہ میں اسطر ادا آگیا ہو اس وجہ سے ہماری تمام تر توجہ اسی پر مبذول ہو گی کہ ہماری قسمت میں کامل ڈیڑھ سال انتظار کے بعد رسالہ کے جواب کے بدلے صرف یہ فقرہ لکھا ہوا تھا۔ ہم اسی پر قناعت کر کے اس فقرہ کی ایسی توضیح کریں گے کہ اسی کے ضمن میں اعلیٰ حضرت کے نہ صرف بیس عقدے حل ہوں گے بلکہ ان کی سوانح حیات اور بعض مخصوص فضائل پر بھی کافی روشنی پڑ جائیگی اور اس لحاظ سے یہ رسالہ نہ صرف علمی ہے بلکہ ایک اعجوبہ روزگار کے صحیح خاکہ ہونے کا شرف بھی اپنے اندر مضمر رکھتا ہے۔ یہ مجد و شرف اس رسالہ کو محض اس فقرہ کی بدولت حاصل ہوا اور اس لئے ہم اعلیٰ حضرت کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے وہ فقرہ لکھ کر ہم کو نہ صرف ممنون بنایا بلکہ اس خدمت پر مجبور محض کر کے تمام اہماء عصر میں ہم کو شرف امتیاز بخشا۔

احمد رضا خان صاحب کے فضائل و خصوصیات

چونکہ یہ فقرہ مغلق و مبہم ہے اس کی توضیح کے لئے چند ابواب کا انعقاد ضرور' جس سے اعلیٰ حضرت کے وہ حالات جو ہنوز پردہ ظلمت و تاریکی میں ہیں منظر عام میں آجادیں گے اس وجہ سے ہر باب کو تجلی سے تعبیر کرنا مناسب۔

تجلی اوّل

اس فقرہ (مجاہیل یا ہمملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق) میں دو دعویٰ ہیں۔ اوّل یہ کہ مجاہیل یا ہمملہ سے خطاب کرنے میں کوئی فائدہ نہیں دوم یہ کہ یہاں کی شان اس قدر عظیم ہے کہ مجاہیل یا ہمملہ سے نفس خطاب موجب ننگ و عار ہے۔

بریلوی صاحب کا استکبار و علم بسیط

دوسرے دعویٰ کے متعلق بحث کی اس وجہ سے ضرورت نہیں کہ یہ جہل مرکب (توبہ توبہ) علم بسیط اعلیٰ حضرت کا مدار زندگی ہے۔ ایسی حالت میں ہم کیوں ان کے علم بسیط کا خاتمہ کر کے ان کی زندگی کا خاتمہ کریں البتہ بحث طلب پہلا دعویٰ ہے کہ ہم اپنی جہالت اور خصوصاً مجہولیت کے جرم کے باعث خطاب سے کیوں محروم کئے گئے جبکہ ٹھنڈے دل سے استفادہ کے لئے حاضر ہیں کیا اعلیٰ حضرت کے حواری سب کے سب اعلیٰ حضرت کی طرح معروف یا عالم ہیں کہ ان سے آئے دن مخاطبہ ہوتا رہے اور ہم سے اس قدر بد کیں کہ مخاطبہ کا نام لینا داخل جرم ہو حواریان اعلیٰ حضرت کو صریح مخاطبہ سے بھی آج تک کوئی معتدبہ فائدہ حاصل نہ ہوا لیکن ہم کو صرف ایک ہی مخاطبہ سے (جو اتفاقاً در پردہ ہوا ہے) اس قدر فائدہ ہوا کہ اس کا عشر عشیر بھی کسی حواری کو نہ ہوا ہوگا۔ اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت کی خصوصیات و کمالات تاریکی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے حواریو! لو آؤ ہم تم کو اعلیٰ حضرت کے کمالات سے روشناس کرائیں تم نے ساری عمر ان کے ساتھ صحبت اور مخاطبہ میں گزار دی پھر بھی ان کے کمالات سے بے خبر رہے اور ہم پر صرف ایک ہی مخاطبہ کی

بدولت تمام کمالات و خصوصیات کا انکشاف ہوگیا۔ ذلک فضل اللہ یئوتیہ من یشاء، واللہ ذوالفضل العظیم۔

فاضل بریلوی کی تیرہ خصوصیات

خصوصیت-۱-مد خلاصی :

جب اعلیٰ حضرت دلائل مخالف کے جواب سے عاجز ہو جاتے ہیں تو اپنی مد خلاصی کے لئے اصل دعویٰ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اسی کو دیکھئے کہ اذان خارج مسجد پر کس قدر زور دیا کہ اس کے اجراء پر سو شہیدوں کا اجر تقسیم کر بیٹھے اور اپنے فتویٰ میں اس کے متعلق چھاپ دیا کہ -

مسلمانوں خصوصاً مسجد کے متولیوں اماموں مؤذنوں کو سو شہیدوں کے ثواب اور باریابی دربار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت"

اس بے سروپا دعوے کے جوش میں یہ جوہر کمال دکھایا کہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام علماء بدعت وگمراہی کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور بعض کو تمغہ تکفیر تک پہنا دیا گیا۔ جب علماء بدایوں کا سخت وار آشکارا ہوا تو سد الفرار صفحہ ۱۲ میں اس دعوے سے اس طرح فرار کیا۔

"دوسرا افترا یہ کہ میں نے بجزم ویقین نسبت قطعی کی کہ زمانہ رسالت و خلافت میں یقیناً خارج مسجد تھی حالانکہ نہ یہ الفاظ ہمارے کلام میں نہ قطع (جزم) کی حاجت فرعی احکام میں۔"

بریلوی صاحب نے اپنی چنائی آپ ڈھادی

لیجئے اعلیٰ حضرت نے مد خلاصی تو کرلی مگر ساتھ ہی اس کے اپنی چنائی آپ ہی ڈھائی یا تو یہ شوراشوری کہ اذان خارج مسجد سنت اور اندرون مسجد بدعت، اور یا یہ بے نمکی کہ یہ فرعی حکم ہے ہم کو اس کا یقین تو کیا جزم بھی نہیں۔ جب یہ حالت تھی تو دنیائے اسلام میں یہ فتنہ کبریٰ نہ معلوم کس مصلحت سے برپا کیا جس مسئلہ میں جزم تک حاصل نہ ہو اس کی وجہ سے فتنہ عظیم برپا کردینا صرف

اعلیٰ حضرت کا حصہ ہے۔

(۲) القول الاظہر میں روشن دلائل سے جب یہ ثابت کر دیا کہ اذان خطبہ کے اندرون مسجد ہونے پر اجماع ہے تو ان کا جواب اعلیٰ حضرت سے نہ بن پڑا اور نہ اُن دلائل قاہرہ کی زد سے نکلنے کی کوئی سبیل نظر آئی اس وجہ سے طالب علمانہ سوالات کی اس طرح بنیاد ڈالی کہ ائمہ نے اجماع کی کیا تعریف فرمائی۔ اس طرح اعلیٰ حضرت کی بد خلاصی ہو گئی۔ اب حیرانی ہے تو صرف یہ کہ ہم اس کو نقض کہیں یا معارضہ۔

احمد رضا خان نقض واستفسار میں فرق نہ کر سکے

جب اعلیٰ حضرت نقض اجماع کے درپے تھے تو کوئی بات ایسی پیش کی ہوتی جس سے اجماع کا فرق یا اُس کا ابطال ہوتا نہ یہ کہ طالب علمانہ سوال وارد فرمادیا کہ بھلا بتاؤ تو سہی کہ ائمہ نے اجماع کی کیا تعریف فرمائی۔ اس پر یہ فخر کہ میں نے نقض اجماع کے متعلق بیس سوالات کئے کیا اعلیٰ حضرت نے اتنی زحمت بھی گوارا نہ کی کہ نقض و استفسار میں فرق کر سکتے؟ یہ ہے وہ سوال جس سے سوالات کا آغاز ہوا ہے۔ اللہ فہم و علم دے اجماع کی محقق تعریف اور اس کے متعلق قدرے تفصیلی بیان خصوصیت خود فراموشی و مجادلہ میں آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت مضطرب نہ ہوں۔ اب تو یہی ٹھہر گئی ہے کہ اعلیٰ حضرت طالب علمانہ سوال کئے جاویں اور ہم اپنے کو جواب کیلئے وقف کر دیں۔

خصوصیت-۲-اِلزام بِمالَمْ یلتزم:

یعنی جس امر کا مخالف کو التزام نہ ہو۔ نہ شرعاً عرفاً اس کا لزوم ہو اس کو اپنے مخالف کے سر تھوپ دینا اعلیٰ حضرت کی صفت خاصہ ہے۔ جس کا اکثر مواقع میں ظہور ہوتا رہتا ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف دو مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

(۱) یہ ظاہر ہے کہ اعلیٰ حضرت کے مخالف تمام علماء اذان اندرون مسجد

ہونے پر بین یدی المنبر و بین یدی الخطیب سے استدلال لاتے ہیں اور عند الباب اذان کو اس کے منافی سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے سب نے بالاتفاق اس روایت کا انکار کر دیا جو بذریعہ محمد بن اسحٰق مروی ہے جس میں بین یدیہ کے ساتھ علی باب المسجد آیا ہے۔ اسی مقدس طائفہ علماء میں جناب مولانا عبد الغفار خان صاحب رامپوری بھی ہیں۔ اب اعلیٰ حضرت کی بہار دیکھئے انہوں نے اپنے مقتل کذب و کید صفحہ ۱۱ میں جناب مولوی صاحب کو الزام اس طرح دیا کہ اہل حق نے کتنا سکھایا کہ

بین یدیہ کچھ ایسے ہی قرب سے خاص نہیں کہ اذان دروازہ پر ہو تو بین یدیہ نہ رہے۔ دیکھو صحاح ستہ سے سنن ابو داؤد شریف کی صحیح حدیث میں علی باب المسجد کے ساتھ بین یدیہ موجود ہے کیا صحابی اہل زبان بین یدیہ کے معنی نہ جانتے تھے تم سمجھے۔

اسی کو الزام ما لم یلتزم کہتے ہیں۔ یعنی مولوی عبد الغفار خان صاحب سرے سے اس روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے اور اس کے راوی محمد بن اسحٰق کو مجروح مانتے ہیں۔ اب ان پر اس روایت سے یہ الزام کہ بین یدیہ و علی باب المسجد منافی نہیں۔ طرفہ تماشا ہے وہ صاف کہہ دیں گے کہ علی باب المسجد بین یدیہ کے بالکل منافی ہے اور جس روایت میں دونوں کا اجتماع ہے وہ پایہ اعتبار سے ساقط۔

احمد رضا خان کی زبردستی

اعلیٰ حضرت کی حکومت و زبردستی ملاحظہ ہو کہ جس روایت کا انکار کر کے مولوی صاحب ہر دو میں منافات قرار دے رہے ہیں۔ آپ اسی روایت کو منافات کے ابطال میں پیش کر رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے طور پر عمل نزاع ہو سکتا ہے۔ اب اس کو خواہ نوع بشر تسلیم نہ کرے لیکن اعلیٰ حضرت کے خود ساختہ قانون میں یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون،

(۲) القول الاظہر میں اذان خطبہ کے داخل مسجد ہونے پر جہاں اور

دلائل قاہرہ پیش کئے تھے وہاں مراقی الفلاح کی اس عبارت سے بھی اس کی تائید کی تھی۔ والاذان بین یدیه کا لاقامة جری به التوارث جس سے داخل مسجد اذان کا نہ صرف ثبوت ہوا تھا بلکہ اس کا اجماعی ہونا مثل آفتاب روشن ہو گیا تھا اور اقامت کے ساتھ تشبیہ نے اس میں تازہ روح پھونک دی تھی اب اعلیٰ حضرت کا تجاہل عارفانہ ملاحظہ ہو آپ نے جریٰ به التوارث کو نظر انداز کر کے یہ سوال گھڑا کہ ہمارے فقہائے کرام نے کہیں اس اجماع کا ذکر فرمایا۔ مطلب یہ کہ گو حسب تصریح صاحب مراقی الفلاح اذان داخل مسجد متوارث سہی لیکن خاص لفظ اجماع کا انہوں نے نہیں فرمایا اور جب تک کہ لفظ اجماع کی تصریح نہ ہو ہم کو بدستور سائل رہنے کا حق حاصل اور ہمارا الزام قائم کہ مسئلہ کا اجماعی ہونا کسی کتاب سے ثابت نہ ہوا۔ حالانکہ ہم نے ثبوت اجماع کے لئے لفظ اجماع کا التزام نہیں کیا تھا نہ اس التزام کی ضرورت ہے۔

چشمِ اعلیٰ حضرت پر تعصب و جہل مرکب کا ناخنہ

کاش اگر تعصب و علم البسیط کا ناخنہ چشم اعلیٰ حضرت سے دور ہو جائے تو ان کو صاف نظر آسکتا ہے کہ توارث روشنی میں اجماع سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس تقریر سے سوال دوم کے ساتھ ان کے سوال چہارم کا بھی خاتمہ ہو گیا جس میں اجماع کی تعریف' دریافت کرنے کے بعد ارشاد ہوا تھا کہ روشن علم پر اس کی تطبیق بھی ارشاد۔ یہ تطبیق عبارت مراقی الفلاح سے القول الاظہر میں عرض کر دی گئی تھی کہ جس کا یہ فقرہ جری به التوارث اس کے لیے کافی سے بھی زائد ہے لیکن اعلیٰ حضرت کی نظر عالی اس پر نہیں پڑی اور نہ اب اس کی امید۔ اللہ ان کی نظر کو نیچی کرے۔

خاصیت۔ ۳۔ مغالطہ دہی

یہ خاصیت اعلیٰ حضرت کی تمام تالیفات کی جان اور روح رواں ہے یہ

عامتہ الورود خصوصیت مثل مغالطہ عامتہ الورود دیگر خصوصیات کو بھی جاری ہے اس کی مثالیں آپ کی تالیفات میں بکثرت ہیں جس کے احاطہ کے لیے ایک دفتر بھی کفایت کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ مجبوراً دو مثال پر اقتصار مناسب سمجھا گیا

(۱) اعلیٰ حضرت اپنے سد الفرار میں حضرات علماء بدایوں کے منہ اس طرح آتے ہیں۔

اول تو کھلا دور مضمر ہے۔ اس اذان کا حکم لایوذن سے خارج جاننا حکم ہما اس پر موقوف کہ بین یدیہ وعند کو دخول پر دال مانیں اور ان کو دخول پر دال ماننا اس پر موقوف کہ داخل مسجد کو صالح اذان جمعہ مانیں اور داخل مسجد کو صالح اذان جمعہ جاننا اس پر موقوف کہ اس اذان کو حکم لایوذن سے خارج مانیں۔ الٹ پلٹ کرشے خود اپنے نفس پر موقوف ہو گئی۔

اعلیٰ حضرت کا دور بھی ماشاء اللہ تمام دوروں کا قبلہ گاہ واعلیٰ حضرت نکلا کہ جس کے دائرہ میں تمام دنیا آگئی۔ سچ تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی طرح اگر ان کے دور میں وسعت نہ ہوئی تو پھر بات کیا ہوئی۔

بریلوی صاحب کا عالمگیر دور

اب ناظرین اس دور کا تماشہ دیکھیں کہ کہاں تک اس کا دور حکومت ہے۔ ہم تمام بنی آدم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ ایک شخص نے قصر شاہی کی نسبت کہا کہ (اس میں کسی شخص کے جانے کی اجازت نہیں) دوسرے شخص نے یہ خبر دی کہ (سلطان قصر میں رونق افروز ہیں) اب تمام نوع بشر سے سوال ہے کہ ان ہر دو شخص کی خبریں کیا باہمی متناقض ہیں۔ یا دور کے دائرہ میں آئی ہوئی ہیں۔ فقیر کے خیال میں انسان تو انسان حیوان کو بھی اگر نطق پر قدرت ہو جائے تو اس کا بھی یہی جواب ہوگا کہ اس میں نہ تناقض ہے نہ دور لیکن اعلیٰ حضرت کے طور پر اس میں دور ہے اس طرح کہ سلطان کا اس کلیہ (قصر شاہی میں کسی شخص کے جانے کی اجازت نہیں) سے خارج جاننا اس پر موقوف کہ خبر

ثانی (سلطان قصر میں رونق افروز ہیں) کو دخول پر دال مانیں اور اس کو دخول پر دال ماننا اس پر موقوف کہ قصر شاہی کو صالح دخول سمجھیں اور اس کا صالح دخول سمجھنا اس پر موقوف کہ سلطان کو اس کلیہ سے خارج جانیں۔ الٹ پلٹ کرشمے خود اپنے نفس پر موقوف ہو گئی۔ لہٰذا ممکن نہیں کہ حکم خبر اول سلطان کو اپنے قصر میں داخل ہونا نصیب ہو۔

اعلیٰ حضرت بیت الخلاء میں رونق افروز

دور کیوں جایئے خود اعلیٰ حضرت پر بھی اس کا انطباق اس طرح ہو سکتا ہے کہ جب اعلیٰ حضرت بیت الخلاء میں رونق افروز ہوں اس وقت کوئی یہ حکم سنا دے کہ (اس وقت کوئی بیت الخلاء میں داخل نہیں ہو سکتا) دوسرا شخص یہ خبر دے کہ (اعلیٰ حضرت بیت الخلاء میں رونق افروز ہیں) یہ خبریں تمام دنیا کے نزدیک صحیح تسلیم کی جاسکتی ہیں لیکن اعلیٰ حضرت کے طور پر اس میں دور ہے اس طرح کہ اعلیٰ حضرت کا اس کلیہ (اس وقت بیت الخلاء میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا) سے خارج جاننا اس پر موقوف کہ خبر ثانی (اعلیٰ حضرت بیت الخلا میں رونق افروز ہیں) کو دخول پر دال مانیں اور اس کو دخول پر دال ماننا اس پر موقوف کہ بیت الخلا کو صالح دخول سمجھیں اور اس کا صالح دخول سمجھنا اس پر موقوف کہ اعلیٰ حضرت کو اس کلیہ سے خارج جانیں الٹ پلٹ کرشی خود اپنے نفس پر موقوف ہو گئی لہٰذا اعلیٰ حضرت دخول کی حالت میں اس مقام سے خارج اعلیٰ حضرت کے مسلک پر اجتماع نقیضین تک جائز۔ لیکن نہیں صحیح تو یہ دور جس کے ایجاد کا سہرا خاص اعلیٰ حضرت کے سر بندھا ہے۔

اعلیٰ حضرتی کا خاتمہ

دیکھئے یہ دور کہاں کہاں گھومتا ہے۔ اس کم بخت دور نے اعلیٰ حضرت کے تشخص میں بھی بٹہ لگا دیا۔ اور ان کی اعلیٰ حضرتی کو بھی فنا کر کے رہا اس طرح کہ اگر کوئی انجان بریلی میں کہے کہ (یہاں ایک اعلیٰ حضرت رہتے ہیں جو کہ سید

ہیں) اس پر دوسرا شخص کہے کہ (یہاں کوئی اعلیٰ حضرت نہیں) تیسرا بولے (کہ یہاں صرف ایک خانصاحب اعلیٰ حضرت ہیں) ہمارے طور پر یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے مسلک پر سراسر باطل و غلط ہے کیونکہ اس میں دور ہے اس طرح کہ اعلیٰ حضرت کا اس کلیہ (یہاں کوئی اعلیٰ حضرت نہیں) سے خارج جاننا اس پر موقوف کہ خبر ثانی (یہاں صرف ایک خانصاحب اعلیٰ حضرت ہیں) کو وجود اعلیٰ حضرت پر دال مانیں اور ان کے وجود ہستی پر اس کو دال ماننا اس پر موقوف کہ اعلیٰ حضرت کو اعلیٰ حضرتی کا صالح مانیں اور اعلیٰ حضرت کا صالح ماننا اس پر موقوف کہ اعلیٰ حضرت کو اس کلیہ سے خارج جانیں۔ الٹ پلٹ کر شے اپنے نفس پر موقوف ہو گئی۔ چلئے اعلیٰ حضرتی کا خاتمہ ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

احمد رضا خان صاحب کا دعویٰ درہم برہم

بلکہ اعلیٰ حضرت کے دعوے کو بھی یہ دور درہم برہم کر کے رہا اس طرح کہ لایوذن کو تمام اذانوں پر حادی ماننا اس پر موقوف کہ بین یدیہ کہ دخول پر دال نہ مانیں اور اس کو دخول پر دال نہ ماننا (اس پر موقوف کہ داخل مسجد کو صالح اذان جمعہ نہ جانیں اور داخل مسجد کو صالح اذان جمعہ نہ جاننا اس پر موقوف کہ لایوذن کو تمام اذانوں پر حاوی مانیں۔ الٹ پلٹ کر شے خود اپنے نفس پر موقوف ہو گئی۔ لیجئے اعلیٰ حضرت کا دعویٰ بھی دور کے پھیر میں آگیا۔ اعلیٰ حضرت کا چونکہ دور دورہ ہے ان کو اختیار ہے اپنے دماغ سے جس قدر چاہیں دور نکالیں کہ وہ ماشاء اللہ ان کا مخزن ہے لیکن ایسے دور کے دائرہ سے تو نکل جائیں جو کمبخت ان کے تشخص کو بھی اپنے چکر میں لا کر اس کا خاتمہ کر دے۔

بریلوی صاحب کی دیدہ و دانستہ مغالطہ دہی

اصل بات یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے یہاں صریح مغالطہ دیا ہے وہ یہ کہ

بین یدیه و عند دخول پر دال ہیں اور انہیں کی دلالت پر مسجد صالح اذان ہو گئی- پس صلاحیت خود اس دلالت پر متفرع ہے نہ کہ اس کا موقوف علیہ- اعلیٰ حضرت نے متفرع و موقوف علیہ میں دیدہ و دانستہ فرق نہ کر کے عوام کو مغالطہ میں ڈالنا چاہا تھا- لیکن مغالطہ آخر مغالطہ ہی ہے- انجام یہ ہوا کہ اس کا پردہ فاش ہو کر رہا- مسجد کا اذان کے لیے صالح ہونا یا نہ ہونا ہم کو نص سے معلوم ہوگا- پس لفظ بین یدیہ و عند سے اس کا صالح ہونا ظاہر ہو گیا اور ساتھ ہی اس کے یہ کہ لا یوذن کا یہ مخصص ہے نہ یہ کہ نص اپنی دلالت میں صلوح کی تابع ہو- اس قدر واضح بات کو اعلیٰ حضرت نے کس قدر الجھایا ہے کہ العیاذ باللہ-

اعلیٰ حضرت کی فنونِ عقلیہ سے ناآشنائی

نہ معلوم ہمارے مقدس اعلیٰ حضرت کو یہ کس نے مشورہ دیا کہ مغالطہ کے لیے خاص دور کو تجویز کریں- کیونکہ اعلیٰ حضرت ایک عرصہ سے فنون عقلیہ کو (بزعم خود) طلاق مغلظہ دے چکے- پس جس فن سے ناآشنائی ہو اس میں دخل دینے سے سوائے اس کے کہ اصل حقیقت ظاہر ہو جائے کسی فائدہ کی توقع نہیں- لہٰذا اعلیٰ حضرت خواہ مغالطہ دہی ترک نہ فرمادیں لیکن جن فنون کی ان کی بارگاہ تک رسائی نہ ہو اگر ان سے کنارہ کش رہیں تو اس میں بڑی مصلحت ہے- مشورہ دینے والوں کو بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے-

(۲) القول الاظہر[1] کی اس عبارت "تواتر اجماع کی ایک قسم ہے

۱- جناب مولانا عبدالقدیر صاحب بدایونی ایک بار اعلیٰ حضرت سے ملاقی ہوئے- دونوں میں باہمی گفتگو ہوئی (اعلیٰ حضرت) آپ نے کتب درسیہ بالاستیعاب کہاں پڑھیں (مولانا) اکثر کتب درسیہ حضرت عبدالمقتدر (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں تمام کیں- بعض کتب عقلیہ کا استفادہ حضرت مولانا حکیم برکات احمد مدظلہ العالی سے کیا (اعلیٰ حضرت) ہم نے تو فنون عقلیہ کو طلاق مغلظہ دے دی جب سے ان کی طرف کچھ التفات نہیں کیا (مولانا) جن فنون کو آپ نے طلاق مغلظہ دے دی ان کا حلالہ ٹونک میں ہو رہا ہے- اس لفظ سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے-

جواب سوال سوم

کسی کام پر اجماع ہو گیا تواتر نام پایا کسی فعل پر اتفاق ہو گیا اجماع کہلایا" پر یہ سوال وارد فرماتے ہیں کہ "یہ تقسیم و تعریف کتب معتمدہ اصول میں ہے یا تازہ ایجاد۔ اگر ہے تو کہاں۔" پھر غایت جوش میں آکر اسی کو حاشیہ میں اس طرح دہراتے ہیں۔

یہ جہان بھر سے انوکھی عقل و علم سے نرالی تقسیم و تعریف "القول الاظہر" کے صفحہ ۶ پر ہے۔

"القول الاظہر میں تواتر و اجماع ہر دو کی عظمت شان اس طرح ظاہر کی تھی کہ اکابر صحابہ وائمہ حتی کہ جمیع امت محمدیہ کے نزدیک ان دونوں کی وقعت اس قدر ذہن نشین ہے کہ ان کے مقابلہ میں احادیث آحاد تک تسلیم نہیں کرتے۔ جیسا کہ روایت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بمقابلہ کتاب اللہ تسلیم نہیں کیا کہ اس کا ایک ایک حرف متواتر ہے۔ یہی حال اجماع کا ہے کہ وہ اجماع امت محمدی کے نزدیک ایسا ہی مقبول ہے جیسے تواتر۔ اس مقبولیت میں دونوں شریک ہیں اور یہ مقبولیت دونوں کے لیے بطور لازم عام ہے۔

مغالطہ دہی کے لیے عبارت میں قطع وبرید کر ڈالی

یہاں اعلیٰ حضرت نے مغالطہ دہی کی خاطر صرف یہ کیا ہے کہ القول الاظہر کی اول و آخر عبارت کو ساقط کر کے بیچ کا فقرہ نقل فرما دیا اور اس طرح اس شاعر کے بھائی بن گئے۔ جس نے یہ کہا ہے۔

لاتقربوا الصلوۃ زنہی ام بخاطر است
وزامر یاد مانده کلوا واشربوا مرا

یہاں مقصود صرف یہ تھا کہ جس طرح تواتر کے انکار کی گنجائش نہیں۔ یہی حال اجماع کا ہے۔ پھر اس کے بعد ہر ایک میں باہمی مناسبت اس طور سے ظاہر کی تھی کہ ہر ایک دوسرے پر صادق بھی آتا ہے گو جانبین سے صدق کلی نہ سہی اور گو بعض موارد میں اطلاقات کے اعتبار سے کچھ فرق سہی لیکن صدق

جزئی اور مواضع خاصہ میں ہر ایک کے دوسرے پر اطلاق سے ہر دو میں مناسبت تامہ ظاہر۔ اسی صدق جزئی اور مناسبت خاص کے لحاظ سے تواتر کو اجماع کی قسم قرار دے دیا گیا تھا۔ جیسے حیوان کو قسم ابیض کی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ صدق کلی جانبین سے مفقود اور نسبت عموم خصوص من وجہ موجود۔ بلکہ خود یہ نسبت (عموم خصوص من وجہ) اس پر صراحتاً دال کہ ہر ایک دوسرے کا مقسم بھی ہے اور اس کی قسم بھی۔ پس جب کہ حیوان باوصف تبائن مفہوم محض صدق جزئی کی بنا پر ابیض کی قسم قرار دیدیا گیا تو تواتر نے کیا قصور کیا ہے کہ اس پر اجماع کا اطلاق جرم ہو جس کو ہر قرن میں بالاجماع امت محمدی نے نقل کیا ہو جیسے کتاب اللہ کا ایک ایک حرف۔ ہر تواتر میں گفتگو نہیں نہ ہر اجماع میں کلام۔ بعض مواد میں محض تصادق واجتماع قسم قرار دینے کے لیے کافی۔ یہاں نہ صدق کلی کا دعویٰ تھا نہ ان دونوں کی تعریف مقصود نہ تعریف پر کوئی لفظ دال نہ خاص تواتر واجماع شرعی میں کلام دونوں کے مشترک احکام عام طور سے ثابت کئے گئے تھے اور ہر دو کے تمام نوع بشر کے نزدیک مقبول ہونے میں گفتگو تھی جس پر القول الاظہر کی عبارت صراحتاً دال جس کا آغاز اسی مذکورہ بالا فقرہ کے بعد سے ہوا ہے کہ "عقل کو اگر قیود مذہب سے آزادی بھی دیدی جائے تو وہ اجماع و تواتر کی پابند نظر آئے گی۔ لندن و کلکتہ کے نہ دیکھنے والوں کو بھی ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ دیکھنے والوں کو۔"

اعلیٰ حضرت نے اس عبارت کو جو اس فقرہ سے بالکل متصل تھی حذف کر کے مغالطہ کو چار چاند اس طرح لگائے کہ۔

اولاً تواتر واجماع شرعی پر عبارت کو ڈھالا۔

ثانیاً ہم پر یہ الزام قائم کیا کہ ہم دونوں کے لوازم عامہ و احکام مشترکہ نہیں بیان کر رہے ہیں بلکہ تعریف و تقسیم کر رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کی طفلانہ کٹ حجتی

مقصود زیر بحث کی طرف سے آنکھ پر ٹھیکری رکھ کر بالائی اور خارجی باتوں میں اپنے خصم کو مشغول کرنے کی بنیاد قائم کی کہ اس قسم کی طالب علمانہ کج بحثی و طفلانہ کٹ حجتی ہی میں وقت تمام ہو جائے اور اس طرح ان کے مغالطے و تلبیسات بدستور پردہ خفا میں رہیں۔

رابعاً

اس سوال و استفسار کا نام نقض و اجماع رکھا۔ گویا آپ نے نام خدا محض ایک طالب علمانہ سوال کیا تراشا کہ دنیا کے پردہ سے اجماع اٹھ گیا اور مخالفین کے ہاتھوں سے قلم چھوٹ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اے صفت مغالطہ دہی اپنے مربی و سرپرست اعلیٰ حضرت کے جان کی خیر منا۔ ورنہ ان کے بعد تو محض لاوارث و یتیم رہ جاوے گی اور پھر تجھ کو اس طرح دنیا میں فروغ دینے والا میسر نہیں آویگا۔ تو بڑی خوش نصیب ہے کہ تیرے بھاگوں ایسا قدر دان تجھ کو ملا کہ جس کی نظیر نہ پہلے تھی نہ آئندہ اس کی امید۔ ان کی ظل عاطفت کو غنیمت جان کر یہ تیرا دور اقبال ہے۔ پھر نہ معلوم آئندہ تیری کیا گت بنے۔

خصوصیت۔ ۴ بہتان طرازی

اجل الرضا میں ارشاد ہے[1]

صفحہ ۱۵۔ میں اس اجماع کے قطعی ہونے صفحہ ۲۳ میں یقیناً اجماع ہونے صفحہ ۳۷ میں اجماع صحابہ کبار رضی اللہ عنہم ہونے صفحہ ۹ میں مثل اجماع اذان و صلوۃ ہونے کا دعویٰ ہے کہ وہ رد ہو تو کسی اجماعی مسئلہ حتیٰ کہ نماز پر اطمینان نہیں رہ سکتا۔ ان دعووں پر دلیل کافی ارشاد ہو۔

۱۔ جواب سوال پنجم و ششم و ہفتم

بریلوی صاحب کی بصارت وبصیرت دونوں ضعف کا شکار

اولالذکر تین سوالوں کے جوابات القول الاظہر مین مشرح طور پر مذکور ہیں۔ اگر پہلی مرتبہ چشم اعلیٰ حضرت سے مخفی رہے تو ثانیاً اس پر نظر توجہ ڈالنے کی زحمت گوارا کی جاوے۔ ممکن ہے کہ باوصف ضعف بصارت نظر آجاویں بشرطیکہ بصیرت بھی اس کا ساتھ دے۔ اعلیٰ حضرت کی سہولت کے لیے اس مقام پر صرف اس قدر گزارش ہے کہ براہ کرم عبارت مراقی الفلاح والاذان بین یدیہ کالا قامۃ جری بہ التوارث اور خود اپنی پیش کردہ روایت (جس میں عہد شیخین رضی اللہ عنہما تک اذان علی الباب کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے اور حافظ ابن حجر کی عبارت پر (جس میں مورخانہ و محققانہ طور سے اس کا اثبات ہے کہ اذان خطبہ داخل مسجد ہوتی چلی آئی ہے۔ نیز اس کی بھی تصریح ہے کہ یہ عہد عثمانی سے ہے کہ جس سے عہد شیخین تک ختم سلسلہ کا بھی راز معلوم ہو گیا۔ پھر اس میں محض اسی پر اکتفا نہیں بلکہ اذان اندرون مسجد کی مصلحت کا بھی بیان ہے' نظر ثانی ڈالئے آپ کے تینوں عقدے اسی سے حل ہو جائیں گے۔ اور پھر ہم سے سوال واستفسار کی نوبت نہیں آئے گی۔ گو اس کی تشریح القول الاظہر میں کامل طور سے ہو چکی ہے لیکن کبر سنی کی وجہ سے جو اعلیٰ حضرت کی بصارت وبصیرت میں قدرتی طور پر اضافہ ہو گیا ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے تجلی دوم میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کی توضیح کر دینگے۔ اعلیٰ حضرت مضطرب نہ ہوں۔

خان صاحب کا افتراء محض

رہی یہ بات کہ اذان خطبہ داخل مسجد کو القول الاظہر میں مثل اذان و صلوۃ قرار دیا گیا ہے یہ محض افترا ہے۔ البتہ اعلیٰ حضرت کی اس بے ہنگام روش کے انسداد کے لیے جو تمام دنیائے اسلام کے خلاف نمودار ہوئی ہے یہ عرض کیا گیا تھا کہ۔

"اگر انہیں بعض کے مجرد قول و فتوے پر ایسے زبردست اجماع نیست و نابود ہو سکتے ہیں تو پھر کسی اجماعی مسئلہ پر اطمینان باقی نہیں رہ سکتا۔ عام مسلمانوں پر اس کا نہایت برا اثر پڑے گا۔ مبادا کہیں وہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ نفس صلٰوۃ و اذان پر جو اجماع ہے کہیں یہ بھی مصنوعی نہ ہو۔ لیجئے ارادہ تو کیا تھا احیاء سنت کا اور ہو گیا یہ کہ اب فرض و واجبات کے بچنے کی بھی خیر نہیں ہے۔"

کجا یہ بات کہ اس کا عام مسلمانوں پر برا اثر پڑے گا اور کجا یہ افترا کہ مثل اذان و صلوۃ ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور پھر فرط جرات سے مطالبہ دلیل۔ لطف یہ کہ اسی کے بعد متصلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مشہور روایت سے اس کو اس طرح مدلل کیا تھا کہ۔

"دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مبادا جدید الاسلام قوم اسلام کو خیر باد نہ کہہ دے' خانہ کعبہ میں کسی قسم کا تصرف نہیں فرمایا اور حطیم کو بدستور اس سے خارج رہنے دیا۔"

اس سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے اس کو بھی وہیں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ فساد عظیم کے فرو کرنے کے لیے چھوٹا موٹا فتنہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ تبویب بخاری بھی اس کی رہبری کر رہی ہے۔ اب کہئے اس بیان سے اذان خطبہ اندرون مسجد و نفس اذان و صلوۃ میں فرق سمجھا جائے گا یا اعلیٰ حضرت نے جو بات دماغ سے نکالی وہ سمجھی جائے گی۔ کہ دونوں ایک ہو گئے۔ اس مقام پر صرف مسلمانوں کی عام حالت پر نظر کر کے ان کی سنت جدیدہ کا استیصال مد نظر تھا کہ اگر وہ خدانخواستہ صحیح بھی ہو تب بھی اعلیٰ حضرت کو ایک بڑے فتنہ کا لحاظ کر کے سکوت اختیار کرنا چاہیے تھا جیسے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

بریلوی صاحب کا حدیث پر حملہ

اگر اعلیٰ حضرت کو انصاف سے روشناسی ہوتی تو وہ اسی سے اذان خطبہ اور نفس اذان و صلوۃ میں فرق سمجھ لیتے کہ ان کی مخترعہ سنت کو فتنہ صغریٰ اور اس کی وجہ سے نفس اذان و صلوۃ پر اطمینان نہ رہنے کو فتنہ کبریٰ قرار دیا ہے۔ یہ ہیں

اعلیٰ حضرت کے تصرفات (العیاذ باللہ) ممکن ہے اعلیٰ حضرت یہ سمجھے ہوں کہ توجہ و لحاظ کے لیے دونوں فتنوں کا ہم رتبہ ہونا ضروری ہے۔ تو اس خیال پاک سے حدیث بخاری رد ہو گئی کہ اس میں فتنوں کی برابری نہیں ہے۔

خصوصیت ۵۔ خروج از دائرہ بحث[1]

جب اعلیٰ حضرت جواب سے عاجز و درماندہ ہو جاتے ہیں تو بحوث عنہ کو چھوڑ کر غیر متعلق مباحث کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں کہ مبادا کہیں حق ظاہر ہو جائے تو اور لینے کے دینے پڑیں۔ اعلیٰ حضرت نے جب دیکھا کہ عام طور پر کتب احناف میں بین یدی المنبر و عندالمنبرو علی المنبر موجود اور انکا تراشیدہ خیال علی باب المسجد سب میں مفقود۔ ایسی بے بسی کی حالت میں اعلیٰ حضرت بجز اس کے فقہاء احناف بلکہ امام شافعی و فقہائے شافعیہ و امام احمد بن حنبل و جمیع حنابلہ کا ساتھ چھوڑ کر امام مالک کا (بزعم خود) دم نہ بھریں تو کیا کریں۔ چنانچہ اجل الرضا صفحہ ۱۹ میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرات کرام مالکیہ اور خود ان کے امام سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کہ ربع اسلام ہیں کیا ان کے خلاف کے ساتھ کوئی اجماع منعقد ہو سکتا ہے۔

للہ الحمد اس عبارت سے اس قدر ضرور واضح ہو گیا کہ بجز امام مالک رضی اللہ عنہ و حضرات مالکیہ تمام ائمہ امام اعظم و امام شافعی و امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم و جمیع فقہاء اس امر پر متفق ہیں کہ اذان خطبہ اندرون مسجد ہونا چاہیے۔

بریلوی صاحب کا امام اعظمؒ کی تقلید سے انحراف

اب اعلیٰ حضرت کو اذان داخل مسجد میں کیا عذر ہے جب کہ وہ حنفی ہیں اور سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاص مسئلہ میں وہ مالکی ہیں یا مجتہد کہ کسی امام کی پیروی سے سروکار نہیں رکھتے۔ اور اگر

۱۔ جواب سوال ہشتم

خدانخواستہ اس مسئلہ میں بھی مقلد امام ابو حنیفہ ہیں تو پھر نہ معلوم حضرات کرام مالکیہ کا ذکر بے محل چھیڑنے اور دائرہ بحث سے خارج ہونے میں ان کو کیا فائدہ حاصل ہوا۔ بجز اس کے اذان خطبہ داخل مسجد پر ایسا اجماع نہیں ہے جیسا کہ نفس صلوۃ پر سو اس کا کون قائل ہے۔ لیکن جب کہ اعلیٰ حضرت حنفی ہونے کی وجہ سے ایسے مسائل پر بھی عامل ہیں کہ جن کے قائل صرف امام اعظم ہیں اور باقی ائمہ ان کو تسلیم نہیں کرتے تو اذان خطبہ داخل مسجد اس کی زیادہ تر مستحق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے کہ اس میں حضرت امام اعظم کے ساتھ امام شافعی و امام احمد بھی ہیں۔ کیا عمل کے لیے یہ شرط ہے کہ ائمہ اربعہ کا اتفاق و اجماع اس پر ہو ورنہ قابل عمل نہیں۔ اگر یہ ہے تو پھر اذان خارج مسجد پر بھی عامل نہ ہوا جائے کہ اس کے قائل (بزعم اعلیٰ حضرت) صرف امام مالک ہیں۔

خان صاحب کی پادر ہوا باتیں

یہ گفتگو اعلیٰ حضرت کے زعم پر تھی ورنہ حضرت امام مالک و حضرات مالکیہ کا خلاف بھی قابل تسلیم نہیں جب تک کہ ان کی کتب معتبرہ سے حوالہ نہ دیا جاوے۔ پادر ہوا باتوں سے کام نہیں چلتا۔ خوش قسمتی سے ہم بارگاہ تجدید میں اس قدر خوش عقیدہ بھی نہیں کہ ان کی ہر بے سند بات پر ان کے حواریوں کی طرح ایمان لے آویں۔ خصوصاً جب کہ حضرات مالکیہ کی تصریح اعلیٰ حضرت کے خلاف موجود چنانچہ شرح زرقانی مالکی میں ہے۔ سن الاذان لجماعة طلبت غير هابفرض وقتى ولوجمعة صادق بالاول والثانى فان كل واحد منهما سنة والثانى اوكدلانه الذى كان بين يديه صلى الله عليه وسلم۔

اس میں علی باب المسجد کا نام و نشان نہیں جو اعلیٰ حضرت کو مفید ہوتا۔ فاضل مدنی مولانا عبد القادر شبلی مدرس مدرسہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی عبارت نقل کر کے اعلیٰ حضرت کے خلاف ڈگری دی تھی جس کا جواب اعلیٰ حضرت سے صرف یہ بن پڑا کہ

"شرح خلیل کی عبارت صاف اس کے مخالف ہے خوش فہمی سے اسے بھی نقل کر لایا۔"

اب یہ بات اعلیٰ حضرت کے سینے میں راز سربستہ کی طرح رہی کہ یہ عبارت فاضل مدنی کے خلاف کیوں ہے جب کسی طریق سے ان کے سینہ کی شرح ہو گی اس وقت یہ راز سربستہ آشکارا ہو جائے گا۔ ورنہ ان کے زبان و قلم سے امید نہیں کہ وہ اس باب میں کچھ کہے یا لکھے۔

خصوصیت ۶۔ مجادلہ [1]

یہ صفت اعلیٰ حضرت کا آخری حیلہ ہے جب دیگر صفات سے کام نہیں چلتا تو پھر آخر الحیل المجادلة پر عمل کرتے ہیں۔ القول الاظہر میں حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری کی عبارت سے اذان داخل مسجد کا روشن ثبوت پیش کیا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے جب اپنے تمام کیے کرائے پر پانی پھرتے دیکھا اور ہر چہار طرف سے اپنے کو مجبور پایا تو مجادلہ کی اس طرح بنیاد ڈالی کہ۔

ابن حجر شافعی المذہب کی عبارت سے کہ صفحہ ۳۵ میں استدلال ہے اس میں ہذا المحل سے داخل مسجد کی طرف اشارہ ہے یا بین یدی الامام کی طرف اول کی تعیین پر کیا دلیل ہے۔

اعلیٰ حضرت شق اول (داخل مسجد) کی تعیین پر وہ عبارت دلیل ہے جو القول الاظہر میں نقل ہوئی اور آپ کی نظروں سے اوجھل رہی اور اب پھر آپ کے استفسار پر نقل کی جاتی ہے۔

وفیه نظر فان فی سیاق ابن اسحاق عندالطبرانی وغیره عن الزہری فی ہذا الحدیث ان بلالا کان یوذن علی باب المسجد۔ دیکھئے اگر ہذا المحل سے داخل مسجد کی طرف اشارہ نہ

---

[1] جواب سوال نہم

ہوتا تو پھر یہ نظر بے محل ہوتی- نظر کا حاصل یہ ہے کہ داخل مسجد قریب منبر اذان ہونے کی جو حکمت مہلب نے بیان کی ہے کہ لوگ منبر پر امام کا جلوس معلوم کر کے خاموش ہو جاویں یہ اس وجہ سے صحیح نہیں کہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت بلال باب مسجد پر اذان دیتے تھے- اعلیٰ حضرت کے طور پر نظر کا حاصل یہ ہونا چاہیے کہ بین یدی الامام اذان ہونے کی جو حکمت مہلب نے بیان کی ہے یہ اسوجہ سے صحیح نہیں کہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت بلال باب مسجد پر اذان دیتے تھے- اب کوئی اعلیٰ حضرت سے پوچھے کہ باب مسجد و داخل مسجد میں تو کھلی منافات ہے- اس طور پر نظر ورود معقول (لیکن بین یدی الامام وباب مسجد میں گو ہمارے طور پر منافات ہے اور اس وجہ سے اگر اشارہ بین یدی الامام کی طرف ہی تسلیم کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن آپ کے طور پر نظر معقول ہو گئی- اس طرح کہ مہلب کا قول بھی بجائے خود صحیح اور اس پر نظر بھی صحیح کیونکہ مہلب نے اذان بین یدی الامام کی حکمت بیان کی جو آپ کے طور پر باب مسجد پر بھی ممکن ہے اب اس پر یہ نظر کہ ابن اسحاق کی روایت میں تو علی باب المسجد آیا ہے مہلب کے قول کو کیا صدمہ پہنچاتی ہے-

خان صاحب بے تکی باتیں کر کے اپنا تماشہ دکھاتے ہیں

کیا علامہ ابن حجرؒ سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ اس قسم کی بے تکی نظر وارد کر کے اعلیٰ حضرت کی طرح اپنا تماشا دکھائیں- البتہ اگر اعلی حضرت بین یدی الامام و علی باب المسجد میں منافات تسلیم کر لیں- اور بین یدی الامام کو دخول مسجد پر دال مانیں تو اب ہذا المحل کا اشارہ بین یدی الامام کی طرف بھی صحیح ہو سکتا ہے- ورنہ خواہ اس کا اشارہ بین یدی الامام کی طرف ہو یا داخل مسجد کی جانب ان کے لیے زہر ہلاہل ہے شق اول میں نظر غیر معقول شق ثانی میں ہمارا مدعا حاصل حق کی صولت اور اس کی جبروتیت ملاحظہ ہو کہ اعلیٰ حضرت سے وہ بات استغسار کرادی جس سے بین یدی الامام و علی باب المسجد میں منافات ظاہر ہو گئی

جس کا ان کو شدت سے انکار تھا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

القول الاظہر[1] میں جب کہ اذان خطبہ کے داخل مسجد ہونے پر حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت سے اجماع ثابت کر دیا گیا۔ ایسی حالت میں اعلیٰ حضرت کے لیے بجز مجادلہ کوئی پناہ نہ تھی چنانچہ اس کا سہارا لے کر اجل الرضا میں فرماتے ہیں کہ۔

بالفرض ہو بھی (یعنی اجماع) تو اس میں اجماع صحابہ کا کوئی لفظ ہے؟ یا محض اپنے خیال پر قطعیت و یقینیت کا دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے۔

ہم کو اس کے جواب کی کیا حاجت جب کہ اعلیٰ حضرت سد الفرار میں اپنے اس قول کی اس طرح تردید فرما دیں کہ۔

اس کا ایک مزے دار جھنجلائی ادا میں جواب یہ دیا کہ فقہاء نے عام حکم دیا ہے۔ خاص اس اذان کا تو نام نہ لیا یعنی قرآن عظیم میں ہزاروں احکام بصیغہ عام ہوا کریں مولانا کا خاص نام لے کر تو کوئی حکم نہیں۔

اب ہم بھی بطور اعلیٰ حضرت کہتے ہیں کہ اس کا ایک مزے دار جھنجلائی ادا میں جواب یہ دیا کہ فثبت الامر علی ذلک و دیگر الفاظ عامہ سے عام اجماع ثابت ہوا ہے خاص اجماع صحابہ کا تو نام نہ لیا۔ یعنی قرن اول (عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) میں صدہا اجماع بصیغہ عام منعقد ہوا کریں خاص اجماع صحابہ کا نام لے کر تو کوئی اجماع نہیں۔ کیوں اعلیٰ حضرت کیسی کہی۔

اب تو خدارا حق کی طرف رجوع فرمائیے

اب تو خدارا حق کی طرف رجوع فرمائیے یا یہ ٹھہرالی ہے کہ ہم جس پر جس طریق سے اعتراض کریں یا جواب دیں ہمکو سراسر شایاں و زیبا۔ اور اگر یہی طریق دوسرا استعمال کرے تو سراسر ناموزوں و بیجا۔ ہاں یہ تو فرمائیے حافظ ابن حجر کی اس عبارت میں نعم لما زید الاذان الاول کان للاعلام وکان الذی بین یدی الخطیب للانصات۔

---

[1] جواب سوال دہم

جو اذان خطبہ کو انصات کے لیے قرار دیا گیا ہے اور اس کو زیادتی اذان پر متفرع کیا- یہ زیادتی اذان کیا عہد شاہجہاں و عالمگیر میں ہوئی ہے یا عہد بابر و ہمایوں میں- بیوا تو جروا-

بریلوی صاحب نے جمعہ کی اذان اول ہی کا انکار کر دیا

اب تو اعلیٰ حضرت کو واضح ہو گیا- کہ زیادتی اذان کس عہد میں ہوئی اور کس نے اجماع کیا- اس پر بھی اگر سمجھ شریف میں نہ آیا ہو تو صاف سنئے کہ یہ زیادتی عہد عثمانی میں ہوئی اور اذان خطبہ جو اعلام کے لیے تھی- اب انصات کے لئے ہو گئی اور دونوں پر اجماع ہو گیا اور ظاہر ہے کہ عہد عثمانی میں اعلیٰ حضرت اور ان کے مشزی نہ تھے- بلکہ صحابہ کرام تھے جنہوں نے اجماع کیا- جو اس پر بھی نہ سمجھے وہ الخ- اعلیٰ حضرت کے اصول پر نفس اذان اول بھی دائرہ اجماع سے نکل گئی کیونکہ اس کے لیے بھی صرف یہ جملہ وارد ہوا ہے کہ فثبت الامر علی ذلک- خاص لفظ اجماع صحابہ کا ذکر نہیں- اب جو شخص نفس اذان اول کے اجماع کو اپنے خود ساختہ قانون سے رد کر دے اس سے مسئلہ متنازعہ فیہا میں کیا شکایت- دیکھئے اعلیٰ حضرت کی یہ بے ہنگام رفتار کیسے کیسے زبردست اجماعوں کا خاتمہ کرتی ہے- نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا-

خصوصیت ۷- حق پوشی [1]

القول الاظہر میں اذان خطبہ داخل مسجد کے اجماعی ہونے کا ثبوت متعدد کتابوں سے دیا تھا- اسی سلسلہ میں ایک روشن ثبوت کتاب مراقی الفلاح سے بھی پیش کیا تھا جس کی عبارت بقدر ضرورت اوپر نقل کی گئی-

اعلیٰ حضرت براہ حق پوشی ان تمام عبارات کو نظر انداز کر کے صرف علامہ ابن حجر کی عبارت کو اس طرح رد فرماتے ہیں کہ-

---

۱- جواب سوال دوازدہم

"یہ بھی سہی (یعنی اجماع صحابہ) تو ایک ابن حجر کی نقل سے یقیناً اجماع ہونا کیونکر مانا- کتب اصول میں اجماع منقول احاد کا کیا حکم ہے-

اب اس کا جواب وہ دے جس نے محض ابن حجر کی عبارت پر اکتفا کیا ہو- اعلیٰ حضرت خواہ مخواہ ہمارے سر کیوں ہوتے ہیں جب کہ ہم نے علامہ ابن حجر کی نقل و کتاب مراقی الفلاح سے اجماع کا ثبوت اور دیگر کتب مثل عالمگیری و کشاف و مدارک سے اس کی تائید کی اور اب پھر تجلی دوم میں اس کی مزید تائید کے لیے حاضر- رہا اجماع منقول احاداً سو اس کی نسبت بھی عامہ اصولیین کی رائے یہ ہے کہ وہ مثل حدیث احاد واجب العمل ہے گو ظنی ہی سہی- چنانچہ علامہ تفتازانی تلویح میں فرماتے ہیں-

نقل الاجماع الینا قدیکون بالتواتر فیفید القطع وقدیکون بالشھرۃ فیقرب منه وقد یکون بخبر واحد فیفید الظن ویو جب العمل لوجوب اتباع الظن بالدلائل المذکورۃ انتھی-

اس مقام پر اعلیٰ حضرت نے حق پوشی کے ساتھ انصاف سے بھی کام لیا- کہ جس مسئلہ کا ان کو علم تھا اس کا ہم سے استفسار کر کے اپنی تسلی کر لی-

اب یہ بات اور ہے کہ جواب مسئلہ نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا کیونکہ اجماع منقول احاداً احادیث آحاد کی طرح واجب العمل ثابت ہوا- اس کا اذان خطبہ اندرون مسجد پر یہ اثر ہوگا کہ وہ واجب العمل ہو جائے گی جس کے نام سے اعلیٰ حضرت کو لرزہ آتا ہے-اس صورت میں اعلیٰ حضرت کی حق پوشی نے بھی اظہار حق کر دیا-فللہ الحمد ع -وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور ان کا نکل آیا-

قصداً اظہار حق نہ کرنے کی خان صاحب سے شکایت

اب اگر اعلیٰ حضرت سے شکایت ہے تو اس قدر کہ جس طرح بالا ضطرار حق ان کے قلم سے نکل جاتا ہے اسی طرح اپنے اختیار سے بھی اس کا اظہار فرمایا کریں-

خصوصیت ۸-بادبدستی

اعلیٰ حضرت سے جب کچھ نہیں بن پڑتا تو باد ہوائی باتیں شروع کر دیتے ہیں- جن کی سند تو درکار اس کے وعدہ کا بھی اندراج اپنے رسالہ میں نہیں کرتے اور پھر نہایت کشادہ دلی کے ساتھ ایسی بے بنیاد بات کو ایسے پیرایہ میں ظاہر فرماتے ہیں کہ جیسے یہ تمام دنیا کے نزدیک مسلم ہے اور جس طرح دو' دو' چار کا انکار نہیں ہو سکتا اسی طرح یہ باد ہوائی بات بھی ہے-اس بساط بچھانے کے بعد یہ شاطرانہ چال چلتے ہیں کہ دیکھو اس بنا پر ہمارے مخالف کا دعویٰ رد ہو گیا- القول الاظہر میں جب کہ عبارت فتح الباری سے اذان داخل مسجد پر اجماع ثابت کر دیا گیا تو اس کی نقض کی اعلیٰ حضرت کو صرف یہ ترکیب سوجھی کہ انہیں علامہ ابن حجر کی طرف ایک غلط اور بے سروپا بات نسبت کر کے اجماع کا خاتمہ کر دینا چاہیے- چنانچہ اجل الرضا صفحہ ۲۰ میں فرماتے ہیں کہ-

یہی ابن حجر اسی فتح الباری میں جو ملک مغرب کا حال لکھتے ہیں وہ اس جزئی دعوے (جمیع بلاد اسلامیہ) اور صفحہ ۸ میں صریح تصریح (تمام عرب و عجم مشرق و غرب) پر کیا اثر ڈالتا ہے-

اعلیٰ حضرت کی اس تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سچ مچ ابن حجر نے فتح الباری کے کسی مقام میں کوئی ایسی بات اذان خطبہ کے متعلق تحریر کر دی ہے جس میں اہل مغرب کا تعامل اعلیٰ حضرت کے مطابق ہے-

بریلوی صاحب کی ستم ظریفی

اب اس ستم ظریفی کو دیکھئے کہ آپ نے نہ فتح الباری کی کوئی عبارت نقل کی نہ اس عبارت کا خلاصہ پیش کیا نہ اتنی بڑی کتاب کی کسی جلد کا حوالہ دیا (جو کہ کامل تیرہ جلدوں میں ہے) نہ باب و فصل سے اطلاع دی نہ صفحہ کا نشان دیا ایک اڑتی ہوئی بات ارشاد فرما کر ہم پر یہ خلل وارد فرما دیا کہ وہ آپ کے دعوے پر کیا اثر ڈالتا ہے- پھر یہ بھی نہیں ظاہر فرمایا کہ برا اثر ڈالتا ہے یا اچھا- اچھا اس کا

استفسار بھی ہم سے ہے کہ تم اس اثر کی حقیقت بیان کرو۔ ہم تو سوال کرنے کے دھنی ہیں۔ اجماع کا ثبوت بھی ان کا خصم دے مختلف کتب کی عبارتیں بھی انہیں کا خصم نقل کرے۔ اب جو انہوں نے باد ہوائی بات پیش کی ہے اس کی جستجو بھی ان کا خصم ہی کرے۔ پھر اس کا مطلب بھی ان کا خصم بیان کرے۔ پھر جو اس پر احکام مرتب ہوں ان کا اظہار بھی ان کے خصم کے ذمہ جب تمام اہم امور کی انجام دہی ان کے خصم کے سپرد ہوگئی تو اب اعلیٰ حضرت کے ذمہ کیا رہا بجز اس کے کہ ان کا خصم ان کے منہ مانگے تمام سوالات پورے کرتا رہے اور یہ اس کی ایک بات بھی نہ مانیں۔

اعلیٰ حضرت نے فتح الباری کا ایک فرضی حوالہ گھڑ لیا

لطف پر لطف سمجھئے یا ستم پر ستم کہ القول الاظہر کے صفحات کا بڑے زور شور سے حوالہ دیا جائے جو کل تین جز کا رسالہ ہے۔ چنانچہ اس سوال میں بھی صفحہ ۸ کا حوالہ مرقوم ہے لیکن فتح الباری جیسی عظیم الشان کتاب کہ جو کامل تیرہ جلدوں میں ہے اس کے صفحہ کا نام و نشان تو درکنار اس کی جلد تک کا حوالہ درج نہیں ہے۔ بلکہ نفس مضمون کے اظہار سے بھی دریغ صرف اس کا اظہار کہ ابن حجر فتح الباری میں جو ملک مغرب کا حال لکھتے ہیں۔ اب اعلیٰ حضرت سے کوئی پوچھے کیا وہ ملک مغرب کا جغرافیہ لکھتے ہیں یا وہاں کی مساجد کا نقشہ لکھتے ہیں یا وہاں کے علماء کی سوانح عمری لکھتے ہیں یا ان کے عقائد کا حال لکھتے ہیں۔ کیا لکھتے ہیں اور کہاں لکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کو ترکیب تو خوب سوجھی کہ چلو آؤ تم بھی اتنی بڑی کتاب کا اپنے اثبات مدعا میں حوالہ دیدو لیکن نہ تو اس کی عبارت نقل کرو (کیونکہ درحقیقت ان کے دعوئی کے مطابق کوئی عبارت ہی اس میں نہ تھی) نہ اس کے مضمون سے آگاہ کرو نہ جلد و صفحہ کا نشان بتاؤ ایک مبہم بات کہہ کر فتح الباری کی طرف نسبت کردو اور اپنے خصم کو اس طرح الزام دو کہ اگر تم فتح الباری کی ایک عبارت سے استدلال قائم کرتے ہو تو ہم بھی اسی فتح الباری سے اپنے

دعوی پر استدلال لاتے ہیں۔ اب اس کی تحقیق کون کرے گا کہ ان کے خصم نے عبارت نقل کی۔ اس کا مطلب سمجھا کر استدلال قائم کیا۔ اور یہاں صرف باد ہوائی ارشاد فرما کر مساوات کا دم مارا جو اس رمز کو سمجھیں گے وہ بغایت قلیل ہیں۔ کم فہم جہلہ کی تعداد اعلیٰ حضرت کے نصیبوں ان سے بدرجہا زائد ہے وہ حضرات قوۃ ممیزہ کے فقدان کے باعث اعلیٰ حضرت اور ان کے خصم کو ایک نظر سے دیکھیں گے اور ادھر ان کا مخالف اس مبہم بات سے مرعوب ہو جائے گا سوا لگ کہ جب اعلیٰ حضرت فتح الباری کا حوالہ دیتے ہیں تو کہیں نہ کہیں اس کی تیرہ ضخیم جلدوں میں کسی مقام پر علامہ ابن حجر نے ان کے موافق کچھ ذکر ہی کیا ہوگا۔ ورنہ کیوں تحریر کرتے۔ اگر یہی منظور تھا تو اعلیٰ حضرت ابہام کو اس سے زیادہ وسیع کرتے اور اس طرح فرماتے کہ (انہیں ابن حجر بلکہ امام ابو یوسف و امام محمد و امام غزالی و امام رازی و شمس الائمہ سرخسی وغیرہم نے اپنی بعض معتبر کتابوں میں جو ایک بات لکھی ہے وہ آپ کے اس جزمی دعوے پر کیا اثر ڈالتی ہے) تو اور لطف دوبالا ہو کر باعث مضحکہ ہوتا۔

لطیفہ

اعلیٰ حضرت کے اس تقابل کی صرف ایک نظیر ہم کو دستیاب ہوئی ہے جو ہدیہ ناظرین ہے۔ لطیفہ ایک خوش بیان شاعر کی ملاقات ایک زباں دراز جاہل سے ہوئی اور ان دونوں میں باہمی اس طرح گفتگو ہوئی۔

(شاعر) تم کون ہو۔

(جاہل) تم کون ہو۔

(شاعر) میں شاعر ہوں۔

(جاہل) میں ماعر ہوں۔

(شاعر) ماعر کس کو کہتے ہیں۔

(جاہل) شاعر کس کو کہتے ہیں۔

(شاعر) شاعر اس کو کہتے ہیں جو شعر کہے۔

(جاہل) مائر اس کو کہتے ہیں جو میر کہے۔
(شاعر) میر کیا چیز ہے۔
(جاہل) شعر کیا چیز ہے۔
(شاعر) شعر یہ ہے جیسے ؎

رفتار تو شرمندہ کند کبک دری را

(جاہل) میر یہ ہے جیسے ؎

مر مار تو مرمندہ کند مرم مری را

غرض جو بات شاعر کہتا گیا جاہل بھی اسی طریق سے جواب دیتا رہا۔ اب رہا موزونیت و اہمال کا فرق سو اس سے قدرتی طور پر جاہل سبکدوش تھا۔ اس کو تو مقابلہ مد نظر تھا جس میں وہ پورا اترا۔

اعلیٰ حضرت ایک جاہل کی تقلید میں

اعلیٰ حضرت پر اس مسئلہ کی وجہ سے جو مفتیان کرام کامل نے وہابیت و غیر مقلدی کا الزام لگایا ہے وہ فقیر کے خیال میں غلط ہے۔ اعلیٰ حضرت مقلد ضرور ہیں۔ اس مسئلہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید نہ کی تو کیا ہوا۔ مسئلہ تقابل میں ایک جاہل کی تقلید کیا حضرت امام اعظم کی تقلید کا کفارہ نہیں ہو سکتی۔ ؟

بریلوی صاحب کو اذان میں صرف اہل مغرب کا سہارا ملا

اعلیٰ حضرت کی خاطر ہم ان کی مبہم اور باد ہوائی بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ اب بھی اعلیٰ حضرت کو سوائے ضرر کچھ نفع نہ ہوا۔ کیونکہ علامہ ابن حجر کی تحریر سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ صرف ملک مغرب میں اذان باب مسجد پر ہوتی ہے۔ باقی تمام بلاد اسلامیہ میں اس کے خلاف عمل ہے۔ اب اگر یہ مخالف ہے تو صرف القول الاظہر کی ایک عبارت کے نفس مقصود پر اس کا کیا اثر ہوا جو صرف اس قدر ہے کہ سواد اعظم اس طرف ہے کہ اذان خطبہ داخل مسجد ہو۔ یہ قول علی سبیل التنزیل بھی

مقابلہ آپ کے اختراع کے مرجح رہا نہ کہ مکروہ و بدعت جیسا کہ آپ کا خیال ہے۔ کیا مکروہ و بدعت کی یہ شان ہوتی ہے کہ اس کے اثبات کے لیے اہل مغرب کا سہارا لیا جائے جن کا حال بھی معلوم نہیں کہ وہ حنفی ہیں یا مالکی۔ اعلیٰ حضرت سے بعد عجز التماس ہے کہ فتح الباری کی اس عبارت کو ضرور پیش فرما دیں جس میں اہل مغرب کا حال ہے۔ تاکہ اس سے مستفید ہو کر نیاز مند کو اظہار رائے کا موقع ملے۔

خصوصیت ۹۔ کج بحثی [1]

جواب سے عاجزی کے وقت اس حربہ خاص کا بھی استعمال اعلیٰ حضرت بکثرت کرتے ہیں۔ القول الاظہر میں کتب معتبرہ سے اذان خطبہ داخل مسجد کا اجماعی ثبوت کرنے کے بعد ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ اذان تمام بلاد اسلامیہ و شرق و غرب میں بھی داخل مسجد ہوتی ہے اور اس پر یہ قرینہ قائم کیا گیا تھا کہ کسی سے کہیں اس کے خلاف مسموع نہیں ہوا۔ خصوصاً جب کہ اطلاع احوال کے ذرائع اس زمانہ میں بکثرت ہیں اور عموماً ہر شہر میں سہولت سفر کی وجہ سے مختلف ممالک کے باشندے موجود ہیں۔ ایسی حالت میں محال عقلی نہ سہی تو محال عادی ضرور ہے کہ اذان بیرون مسجد مخفی رہتی۔ کسی نہ کسی ذریعہ سے اس کا علم ہو ہی جاتا۔ اس پر ناظرین اعلیٰ حضرت کی کج بحثی ملاحظہ فرماویں جو اجل الرضا کے صفحہ ۲۰ میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ۔

کسی کتاب معتمد میں تصریح ہے کہ یہ اذان جمیع بلاد اسلامیہ میں داخل مسجد ہوتی ہے۔

اسی کے متعلق سوال چہاردہم میں یہ ارشاد ہے۔

اگر کسی کتاب میں نہیں تو یہ دعویٰ رؤیت کی طرف مستند ہے یعنی تمام بلاد اسلامیہ میں تشریف لے گئے اور خود ملاحظہ فرمایا۔ یا روایت کی جانب یعنی تمام

---

[1] ۱۔ جواب سوال سیزدہم و چہاردہم

جہان کے ہر اسلامی شہر سے خبر معتمد شرعی آئی۔ جو کچھ ہو بیان فرمادیں اور سردست دنیا بھر کے سب اسلامی شہروں کے نام ہی ارشاد ہو جاویں۔

بریلوی صاحب کے نزدیک صوم و صلاۃ، حج و زکوۃ بھی اجماعی نہیں

لیجئے اعلیٰ حضرت نے اپنی اس کج بحثی سے انکار بدیہیات کا بنیادی پتھر نصب کر دیا اور ہزارہا بدیہی دعووں کے انکار کی شاہراہ کھولدی۔ اعلیٰ حضرت کے طور پر نفس اذان کے متعلق بھی کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ تمام بلاد اسلامیہ میں ہوتی ہے کیونکہ آپ کی فلاسفی جو ایک قسم کی سیفی ہے اس پر اس طرح چلے گی کہ یہ دعویٰ رؤیت کی طرف مستند ہے یا روایت کی جانب اور دونوں غلط کیونکہ نہ کسی نے تمام شہر دیکھئے، نہ تمام شہروں سے خبر آئی نہ عام طور پر کسی کو تمام اسلامی شہروں کے نام یاد۔ لہذا یہ دعویٰ غلط کہ تمام بلاد اسلامیہ میں اذان ہوتی ہے۔ اور یہ تو کسی کا منہ نہیں ہے کہ یہ کہے کہ تمام فقہی کتابوں میں نفس اذان کی کیفیت درج ہے اور اس کے خلاف کہیں مسموع نہیں ہوا۔ اس وجہ سے حکم عام صحیح ہے کیونکہ یہی عذر ہم نے اذان خطبہ میں کیا تھا تو کیا پھل کھایا بجز اس کے کہ بارگاہ تجدید میں نا مسموع ہوا اور اس پر اس طرح مطالبہ ہوا کہ اگر اپنے دعویٰ کی صحت چاہتے ہو تو تمام شہروں کے چکر لگاؤ یا کم از کم تمام شہروں کے نام گناؤ یہی ان کی سیف صلوۃ و صوم و حج و زکوۃ ارکان اسلام پر بیدریغ چل سکتی ہے۔

بریلوی صاحب کی شان تجدید

دیکھئے شان تجدید اس کو کہتے ہیں کہ اگر کسی اجماعی مسئلہ کے انکار پر تل جائیں تو جب تک تمام اجماعوں کا خاتمہ نہ کر لیں ان کو چین نہ آوے ورنہ پھر مجدد و غیر مجدد میں فرق ہی کیا رہے۔

آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو

خصوصیت ۱۰- خلاف بیانی[1]

القول الاظہر میں اجماع امت کے خلاف راہ چلنے والے کی نسبت اس سے استناد تھا کہ من شذ شذ فی النار- چونکہ اذان خطبہ داخل مسجد اجماعی مسئلہ ہے اس کے مخالف کو بھی اس وعید کے دائرہ میں رکھا تھا- اعلیٰ حضرت کسی وجہ سے خلاف بیانی کو باعث فلاح سمجھ کر اجل الرضا صفحہ ۲۰ میں ارشاد فرماتے ہیں صفحہ ۹، ۱۷، پر فرعی مسئلہ کو بھی من شذ شذ فی النار میں داخل فرمایا- کیا ائمہ معتمدین بھی اختلاف فقہی کو اس کا مصداق بتاتے ہیں ؟ ہاں تو کہاں ؟ اعلیٰ حضرت کے نزدیک اگر اذان داخل مسجد اختلافی مسئلہ تھا تو اس کو اپنے خصم کے سر کیوں تھوپا- ہاں یہ جو آپ نے اجماع پر بیس نقض وارد کیے ہیں اس سے کس کی تردید مقصود ہے اس مسئلہ کے اجماعی ماننے والے کی یا کسی اور کی- اب یہ اعلیٰ حضرت کو کون سمجھائے کہ آپ کا مخالف اس مسئلہ کے اجماعی ہونے کا قائل- آپ اسی بنا پر اجماع کو ناپید کرنے کی غرض سے بیس سوالات کے تراشنے والے- آپ کا مخالف انہی تراشیدہ سوالات کا آپ کی خوبی قسمت سے جواب دینے والا- پھر آپ کو کیا حق ہے کہ غلط نسبت کر کے یہ الزام قائم کریں کہ دیکھو ہمارا مخالف اس مسئلہ کو اختلافی مان کر بھی ہم کو من شذ الخ میں داخل کرتا ہے- اور پھر اس پر نہایت جرات وبیباکی سے مطالبہ دلیل ہم نے اختلاف فقہی کو نہ اس کا مصداق جانا نہ محل مانا- اجماعی مسئلہ کے منکر کو من شذ شذ کا مورد بتایا- آپ کو اگر اس کے اجماعی ہونے میں کلام ہے تو شوق سے اس کا اجماعی ہونا باطل کیجئے- گو بے سروپا بیانات ہی سے سہی لیکن خدارا یہ ستم ظریفی تو نہ کیجئے کہ جو بات آپ کا مخالف نہ کہے اس کو بھی اس کے سر تھوپے- فرض کیجئے تحقیق کی رو سے اذان داخل مسجد اجماعی نہیں لیکن جس کے زعم میں وہ اجماعی ہے (گو یہ زعم غلط ہی سہی) وہ اس مسئلہ کے منکر کو قطعا من شذ شذ کی وعید میں

---

[1] جواب سوال پانزدہم

داخل کرے گا۔ اس کی اگر غلطی ہے تو صرف یہ کہ غیر اجماعی مسئلہ کو اجماعی تسلیم کر لیا۔ نہ یہ کہ منکر اجماع کو اس کا وعید میں داخل کرنا بھی غلطی ہے۔

بریلوی صاحب کا صریح اقرار کہ مسئلہ متنازعہ فیہا فرعی ہے اس پر ایک عالم کی تفسیق و تکفیر

البتہ اعلیٰ حضرت نے اس سوال میں خود اقرار کر لیا کہ اذان خطبہ داخل مسجد ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اب اعلیٰ حضرت سے ان کی روش پر سوال ہے کہ ائمہ معتمدین بھی اختلاف فقہی و فرعی مسئلہ کو بدعت و خلاف سنت کا مصداق بتاتے ہیں؟ ہاں تو کہاں ہوا تو جردا۔ یہ ہیں اعلیٰ حضرت کے سوالات نقض اجماع کے متعلق۔ سبحان اللہ۔

خصوصیت ۱۱۔ افتراء و تحریف [1]

القول الاظہر میں انعقاد اجماع کے موقع پر یہ بیان کیا گیا تھا کہ اس کے لیے اجماع واتفاق مجتہدین شرط ہے۔ ایک مجتہد کا خلاف بھی اجماع کو درہم برہم کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس مجتہد کا خلاف۔ خلاف جمہور ضرور ہے۔ لیکن خلاف اجماع نہیں کیونکہ اس کے خلاف سے شرط انعقاد اجماع کا فقدان ہو گیا۔ البتہ اجماع کے منعقد ہوئے پیچھے پھر کسی کا خلاف معتبر نہیں لیکن ہنوز انعقاد اجماع ہی نہیں ہوا۔ جب کہ ایک مجتہد کی رائے اس کے خلاف ہے۔ اس کو القول الاظہر میں نہایت وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا تھا کہ جمہور کے خلاف اور اجماع کے خلاف میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی سلسلہ میں بطور حکمت و نکتہ کے یہ بیان کر دیا گیا تھا کہ مجتہد کے خلاف کا عموماً یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کے لاکھوں متبعین مثل اس کے اس جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ اب اس کا یہ مطلب سوائے اعلیٰ حضرت کے کون سمجھ سکتا ہے کہ ائمہ مجتہدین نے یہ

۱۔ جواب سوال شانزدہم و ہفتدہم

خلاف صرف اس وجہ سے کیا کہ ان کو اس کا علم ہو گیا تھا کہ لاکھوں لوگ اس مسئلہ میں ہمارے متبع ہو جائیں گے۔ القول الاظہر میں عدم انعقاد اجماع کا اصلی سبب اس مخالف مجتہد کا اجتہاد قرار دیا گیا تھا جس کا صاف یہ مطلب تھا کہ غیر مجتہد کا خلاف اس باب میں بالکل بے اثر ہے نہ یہ کہ مجتہد کی غیب دانی عدم انعقاد کا باعث ہوئی ہے۔ اب اجل الرضا کی بہار دیکھئے۔ صفحہ ۲۰ میں ارشاد ہے۔

ائمہ مجتہدین نے جن مسائل فرعیہ میں جمہور کا خلاف فرمایا کیا انہیں معلوم تھا کہ لاکھوں لوگ اس مسئلہ میں ہمارے متبع ہو جائیں گے۔ کیا اس علم کی انہوں نے تصریح فرمائی یا غیب پر حکم ہے۔

پھر سوال مفد ہم میں اس طرح ارشاد ہے۔ بالفرض انہیں یہ معلوم بھی ہو تو کیا گناہ شدید جس پر حدیث میں دوزخ کی وعید ہو اس خیال پر جائز ہو جاتا ہے کہ آگے چل کر لوگ اس میں ہمارے ساتھی ہو جائیں گے۔

بریلوی صاحب کی روشن تحریف

جی یہ تو جائز نہیں لیکن افتراد تحریف کا جواز آپ کو کہاں سے معلوم ہوا جس پر آپ نے اپنی تالیفات کی بنیاد رکھی ہے۔ دیکھئے القول الاظہر میں صاف موجود ہے کہ جمہور کے خلاف اور اجماع کے خلاف میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اتنی روشن بات کے سمجھنے سے آپ کیوں قاصر رہے۔ اور اگر خدانخواستہ فہم عالی میں اس کا مطلب آ گیا تھا تو پھر دیدہ ودانستہ آپ نے یہ سوال کیوں گھڑا کہ ائمہ مجتہدین نے جن مسائل فرعیہ میں اختلاف فرمایا۔ اعلیٰ حضرت من۔ اجماع کے خلاف میں گفتگو تھی اور اس کا ابطال کیا جا رہا تھا۔ اور خلاف جمہور کا جواز مجتہدین کے حق میں ظاہر کیا تھا۔ اور ان کے خلاف کو اجتہاد کے باعث عدم انعقاد اجماع کا موجب بتایا تھا۔ اور اس کی حکمت بطور تبرع ظاہر کر کے غیر مجتہد کے خلاف کو باب انعقاد اجماع میں بے اثر ثابت کیا تھا۔

اعلیٰ حضرت اپنے افتراء کے کھل جانے کے خوف سے بے دریغ عبارت ہی ہضم کر گئے

آپ نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ ہم مجتہدین کے حق میں بھی خلاف جمہور جائز نہیں رکھتے اور اگر جائز رکھتے ہیں تو اس شرط پر کہ ان کو پہلے سے اپنے لاکھوں متبعین کا علم غیب ہو جائے۔ فرمایئے یہ القول الاظہر کی کس عبارت کا مطلب ہے۔ عبارت نقل کرنے میں چونکہ افترا کی حقیقت کھل جاتی ہے اس وجہ سے اعلیٰ حضرت نے اس کے ہضم کرنے میں دریغ نہیں کیا۔

اسی سے سوال ہفد ہم کی بھی حقیقت کھل گئی۔ دوزخ کی وعید اس کے لیے ہے جو اجماع کا خلاف کرے۔ نہ اس مجتہد کے حق میں جس کے جمہور کے ساتھ خلاف کرنے سے اجماع ہی سرے سے منعقد نہ ہو۔ اور اس وجہ سے مجتہد کو خلاف کے وقت کسی خیال قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ غیب دانی کی حاجت نہ القول الاظہر میں ان کے خیال قائم کرنے کے متعلق کوئی تصریح۔ البتہ چونکہ مجتہدین کے شرف واجتہاد نے ان کو غیر مجتہدین کے گروہ سے ممتاز کر دیا اور دونوں کے احکام جدا جدا ہو گئے۔ اس امتیاز کی حکمت وعلت ہم نے بیان کر دی۔ اگر کسی وجہ سے آپ کو یہ حکمت پسند نہیں تو جانے دیجئے نفس تحقیق میں کیا فرق آیا۔

اعلیٰ حضرت نے اس مقام میں صرف اس قدر تصرف کیا کہ حکمت امتیاز کو جو ایک علیحدہ بات تھی مجتہدین کا خیال قرار دے دیا اور اس طرح گھال میل کر کے اس سے وہ نفیس مطلب برآمد کیا جس کی تفصیل آپ کے ان دو سوالوں میں ہے۔ (زہے اعلیٰ حضرتی)۔

خصوصیت ۱۲۔ خود فراموشی[1]

بریلوی صاحب کا اپنے کو اکابر صحابہ ائمہ مجتہدین کے ہم پلہ سمجھنا

اعلیٰ حضرت اپنی شان و مرتبہ کو فراموش کر کے صحابہ کرام وائمہ مجتہدین

۱۔ جواب سوال بیودہم

رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اپنی ذات کو قیاس کر بیٹھنے کے بے حد عادی ہیں۔
چنانچہ اجل الرضا صفحہ ۲۰ پر مرقوم ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تطبیق رکوع' سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے کنز' سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عدم نقض وضو بالنوم' سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ابتداء مسئلہ استمتاع میں جمہور کا خلاف کیا۔ ان تمام صحابہ کرام اور ان کے امثال عظام کو معاذ اللہ شذ فی النار کا مصداق ماننا سنیت ہو سکتا ہے۔"

جی یہ تو سنیت نہیں ہے لیکن اپنے کو مجتہدین جلیل القدر صحابہ کے برابر سمجھنا ضرور سنیت ہے۔ اعلیٰ حضرت من' القول الاظہر میں آپ کو کس قدر وضاحت کے ساتھ فہمائش کی گئی تھی کہ خلاف جمہور و خلاف اجماع میں فرق ہے۔ ان مجتہدین حضرات کا خلاف' خلاف جمہور ہے۔ اور آپ اجماع کا خلاف کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا روم کے اس شعر ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر' شیر

سے آپ کو تنبیہ بھی کی گئی تھی۔ لیکن آپ برابر اپنے کو اعلیٰ حضرت ہونے کی وجہ سے اب بھی قیاس سے باز نہیں آئے۔ تو پھر فرمائیے آپ کی فہمائش کا اصلی طریق کیا ہے ؟

کتب اصول میں کبھی بحث اجماع پر نظر غلط ہی ڈال لی ہوتی

آپ نے کتب اصول میں کبھی بحث اجماع پر نظر غلط ہی ڈالی ہوتی تو آپ سمجھ لیتے کہ اہل اصول نے اجماع میں ہر کس و ناکس کو دخل نہیں دیا ہے۔ بلکہ اتفاق جملہ مجتہدین عصر کو شرط انعقاد قرار دیا ہے۔ جس کے دائرے میں تمام مجتہدین آگئے۔ اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک مجتہد کا خلاف بھی اجماع کے عدم انعقاد کے لیے کافی ہے۔ اب اس کے بعد اس نتیجہ تک پہنچنے میں کیا دشواری ہے کہ اس مجتہد کا خلاف خلاف اجماع نہیں ہے۔ حتی کہ وعید میں

داخل ہو - بلکہ خلاف جمہور ہے - جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ ہر عامی ومدعی اجتہاد کو یہ حق حاصل ہو - اسی طرح اذان داخل مسجد صدر اول سے برابر یونہی چلی آرہی ہے - اب یہ نہیں ہو سکتا کہ چودھویں صدی کے کسی مولوی صاحب کے خلاف سے یہ اجماع درہم برہم ہو جائے - گو کہ وہ اعلیٰ حضرت ہی کیوں نہ ہوں -

اعلیٰ حضرت کا یہ عذر ہے کہ جس طرح جلیل القدر صحابہ و ائمہ اربعہ و دیگر مجتہدین میرا خلاف بھی اجماع امت کو نیست و نابود کر سکتا ہے - اور جس طرح ان کے صرف میرا خلاف بھی خلاف جمہور تسلیم کیا جا سکتا ہے - پس اگر مجھ کو کوئی من شذ شذ فی النار کی وعید میں داخل کرے گا - تو پھر میں تمام اکابر صحابہ کو شذ فی النار کے مصداق ماننے کے لیے بالکل کمربستہ ہوں اور اگر صحابہ کو ان کے اجتہاد کے باعث اس وعید سے مستثنیٰ کیا جائے گا - تو پھر میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے جو باوصف اعلیٰ حضرت ہونے کے بھی مستثنیٰ نہ سمجھا جاؤں اگر صحابہ درجہ صحابیت اور ائمہ مرتبہ امامت پر فائز ہوں تو میں اعلیٰ حضرت ہوں - چلو برابر ہو گئے - اعلیٰ حضرت کا یہ عذر صحیح بھی ہے کیونکہ اتباع اعلیٰ حضرت ان کے ایسے عالی شان القاب لکھتے ہیں کہ جس طرح اتباع ائمہ اربعہ اپنے اماموں کے بلکہ ان سے بھی بڑھ چڑھ کر جیسے صاحب الحجۃ القاہرہ حامی سنت طاہرہ - مجدد المائۃ الحاضرہ ' پیشوائے اہل سنت ' اعلیٰ حضرت وغیرہ وغیرہ - اعلیٰ حضرت بھی آخر بشر ہیں یہ القاب سنتے سنتے اگر اپنے کو مجتہد و امام سمجھ بیٹھے تو ان کو ایسا مجرم نہیں سمجھنا چاہیے کہ کبھی ان کا جرم معاف ہی نہیں کیا جا سکے -

خصوصیت ۱۳ - تحکم و حکومت طلبی

خان صاحب ہاں میں ہاں ملانے والے کو مسند فضل و کمال کا صدر نشین بنا دیتے ہیں

اس کا ظہور مختلف طور سے ہوتا ہے کبھی اس طرح کہ ہاں میں ہاں ملانے

والے شخص کو مسند فضل و کمال کا صدر نشین بنا دیا- پھر جو لہر آئی تو اس کو ایک دم جاہل و احمق جیسے معزز خطاب دے دیئے محض اس جرم میں کہ اس نے اعلیٰ حضرت کی تحقیق کے خلاف کوئی کلمہ کہدیا- اس کی بطور نمونہ دو مثالیں پیش ہیں-

(۱) شیخ عبدالقادر توفیق شبلی مدرس مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی کتاب حسام الحرمین میں اس طرح مدح سرائی کی-

صورة ماسطر من فی العلم تصدر وفی الدرس تقرر' ودقق النظر و وردو صدر بتوفیق من القادر الشیخ الفاضل عبدالقادر- توفیق الشبلی طرابلسی الحنفی المدرس بالمسجد الکریم' النبوی منحه الله تعالیٰ من فیضه القویٰ-

اس کا ترجمہ خود اعلیٰ حضرت نے اس طرح کیا- تقریظ ان کی جو علم میں صدر ہے اور مدرس ٹھیرے اور غور کیا اور مدارک علم میں آمدورفت کی قدرت والے کی توفیق سے حضرت فاضل عبدالقادر توفیق شبلی طرابلسی حنفی' مسجد کریم نبوی میں مدرس اللہ تعالیٰ انہیں فیض قوی سے عطا دے-

اعلیٰ حضرت کے حواریو! تم نے دیکھا کہ تمہارے اعلیٰ حضرت نے کیسے پر عظمت الفاظ میں اس فاضل مدنی کی تعریف کی ہے-

تصویر کا دوسرا رخ

لو اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ دیکھو- اجل الرضا میں انہی فاضل مدنی اور ان کی تحریر کی نسبت یہ ارشاد ہے-

اس بے معنی تحریر کی حالت یہ کہ اول تا آخر اغلاط و خطا سے مملو جہل و سفاہت وافترا و تناقض و خیانت و نافہمی و مکابرہ وغیرہ کون سا کمال ہے کہ ان گنتی کی چند سطروں میں نہیں-

چند سطر بعد پھر فاضل مدنی پر اس طرح چوٹ کی-

ایسا احمق زید شاید طرابلس میں بستا ہو۔

ایک صفحہ بعد پھر فاضل مدنی پر شرارہ جلال اس طرح گرایا۔

طرابلسی تحریر پر جب یہ قاہر رد اس میں موجود تھے۔ انہیں دیکھ کر کسی ذی انصاف باشرم والے کو اس بے مغز تحریر کا نام بھی زبان پر لانا نہ تھا نہ کہ دین الٰہی میں حجت بنانا۔

بریلی میں "مجدد ماۃ حاضرہ" اور ہیں اور "مولوی احمد رضا خان صاحب" اور ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ حسام الحرمین کے مولف، مرتب اعلیٰ حضرت نہیں ہیں وہ کوئی اور مولوی احمد رضا خاں صاحب ہیں جو اعلیٰ حضرت کے ہمنام و ہم وطن ہیں۔ جنہوں نے حسام الحرمین میں فاضل مدنی کی تعریف کے پل باندھ دیئے ہیں۔ اور ان کے قول کو دین الٰہی میں حجت بنایا ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ اعلیٰ حضرت اور مولوی احمد رضا خان صاحب میں فرق کریں۔ اعلیٰ حضرت اور چیز ہیں اور مولوی احمد رضا خان شی دیگر۔ اس پر حجت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت ان فاضل مدنی کو حرم شریف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مدرس نہیں تسلیم کرتے بلکہ مدینہ طیبہ میں بطور راہ گیر کے گزرنے والا مانتے ہیں۔ جیسا کہ اجل الرضاء میں ارشاد ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ میں ہو کر گزرا کچھ کہہ دے۔ اور مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی صاحب کتاب حسام الحرمین میں ان کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی اس کی نقل گزری کہ مسجد کریم میں مدرس۔ غرض خانصاحب بریلوی صاحب کتاب حسام الحرمین کے نزدیک اگر حضرت توفیق شلبی فاضل اجل ہیں تو اعلیٰ حضرت بریلوی صاحب رسالہ اجل الرضا کے نزدیک نرے۔ احمق جاہل ہیں۔ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی نسبت شخص واحد کی ایسی دو متضاد رائیں ہوں۔ ہو نہ ہو اعلیٰ حضرت بریلوی اور ہیں اور خان صاحب بریلوی اور، اس ترکیب سے ہمیشہ کے لیے اعلیٰ حضرت

بریلوی کا دامن تقدس تنافس و خیانت کے بد نما دھبے سے پاک ہو گیا- الحمد للہ علیٰ ذلک- ناظرین کی یادداشت کے لیے اعلیٰ حضرت بریلوی اور مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی کے دو مختلف خیال جو شخص واحد کے متعلق ہیں ایک نقشہ کی صورت میں ظاہر کیے جاتے ہیں جس سے صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ خاک پاک بریلی میں یہ دونا مور دو علیحدہ علیحدہ ممتاز ہستیاں ہیں- جن کو خلقت غلطی سے ایک سمجھے ہوئے ہے-

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلی صاحب کتاب حسام الحرمین	اعلیٰ حضرت بریلوی صاحب رسالہ اجل الرضا
صدر نشین علم (فی العلم تصدر)	جاہل سفیہ
زینت دہ مجلس درس (فی الدرس تقرر)	مفتری' خائن
دقیق النظر (دقیق النظر)	نافہم و مکابر
آمدورفت کنندہ و مدارک علم (وردو صدر)	احمق
مدرس مسجد کریم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	مدینہ طیبہ میں گزرا

بریلوی صاحب کا صریح دھوکہ

القول الاظہر[1] میں روایت محمد بن اسحٰق کو صحیح تسلیم کر کے اعلیٰ حضرت کے دعویٰ کی تردید کی گئی تھی کہ یہ آپ کو اب بھی مفید نہیں کیونکہ اس روایت سے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و شیخین رضی اللہ عنہما تک کا حال معلوم ہوا کہ باب مسجد پر اذان ہوتی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ ان پاک عہدوں میں صرف ایک اذان تھی- اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عہد عثمانی میں ایک اذان کی زیادتی ہو گئی- اب قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں اذانیں بعد میں باب مسجد پر ہونے لگیں یا دونوں کی جگہ تبدیل ہو گئی یا ایک بدستور اپنی جگہ رہی اور دوسری نے دوسری جگہ لی- پھر باب مسجد پر کون سی اذان رہی یہ زائد اذان یا اصل اذان- پس جب کہ اعلیٰ حضرت مستدل ہیں اور احیاء سنت کے دعویدار- ان کو

۱- جواب سوال نوزدہم

چاہیے تھا کہ سب احتمالات کا ابطال فرما کر وہ احتمال متعین فرما دیتے جو ان کو مفید ہوتا انہوں نے پہلا تحکم تو یہ کیا کہ سب سے اغماض کر کے مبہم روایت سے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا اور عہد عثمانی کے قصہ کو چھیڑا تک نہیں جب ان کے مخالف نے ان احتمالات کو ظاہر کر کے ان کے استدلال کی قلعی کھولی تو لگے یہ فرمانے کہ دیکھو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی سنت تو تسلیم فرمائی کہ یہ اذان مسجد سے باہر تھی۔ یہ دوسرا تحکم ہے۔ ان کا مخالف اس روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتا اور اسی لیے القول الاظہر میں محمد بن اسحٰق کی تضعیف کے سلسلہ میں جارحین کا ایک نقشہ درج کر دیا۔ جب سرے سے اس کے نزدیک یہ روایت قابل تسلیم نہیں تو اس پر یہ دنیا سے نرالا الزام کیسا۔ کہ اذان بیرون مسجد ہونا تو تسلیم کر لیا۔ اس نے علی سبیل التسلیم یہ کہا تھا کہ چلئے آپ کی پیش کردہ ضعیف روایت کو صحیح تسلیم کر کے یہ گزارش کرتے ہیں کہ جب عہد عثمانی میں تغیر ہوا اور ضرور ہوا تو اس اذان کی جگہ میں بھی اگر تغیر آگیا تو محض اس روایت سے آپ کو کیا نفع حاصل ہوگا۔ اس تنزلی جواب کو آپ حقیقی جواب قرار دے کر اپنے تحکمات میں ایک اور تحکم کا اضافہ کر بیٹھے اور اس طرح سلسلہ سوالات میں ایک نمبر اور بڑھا کر یہ زیرکی کیا اسی (ممکن اور بعید نہیں) سے اجماع قطعی ثابت ہوتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اعلیٰ حضرت کا تحکمانہ انداز

(۳) اجل الرضا[۱] کے حاشیہ میں تحکمانہ انداز میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ ان کے کلام میں ثم نقل کی ضمیر ہشام کی طرف ہے جو ایک جابر بادشاہ تھا نہ کہ امیر المومنین کی طرف یہ تو عقل و فہم کی حالت اور مدارک علیہ میں دخل کی ہمت اللہ ہدایت دے۔ القول الاظہر میں صرف یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ جو اذان زمانہ کریم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما میں منار پر ہوتی تھی جس سے مقصود اعلام غائبین تھا اب اس اذان کی زیادتی

ا۔ جواب سوال ہستم

سے وہ بین یدی الامام آگئی اور زائد اذان نے منارہ پر جگہ پائی اس کی سند میں عمدۃ الرعایہ کی عبارت محض اس وجہ سے نقل کی گئی تھی کہ اعلیٰ حضرت نے جناب مولانا عبدالحئی صاحب کی ایک عبارت سے استدلال کیا تھا- اس طرح ہمارا تنزلی جواب تحقیقی بن گیا اور جس احتمال کو بطور ارخاء عنان احتمال کے رنگ میں ظاہر کیا تھا اب وہ اس عبارت کے نقل کر دینے سے صرف قوی نہیں ہوا بلکہ اعلیٰ حضرت کی ساری چنائی کا ڈھادینے والا تھا-

اعلیٰ حضرت کی صریح دیانت

اس کا جواب اعلیٰ حضرت سے کچھ نہ بن پڑا تو یہ انوکھی روش چلے کہ ثم نقل کی ضمیر ہشام کی طرف ہے چلئے تسلیم کیا کہ ہشام کی طرف ہے لیکن صدر من خلافة عثمان کے سنگ گراں کے ضرب شدید کی حفاظت کا بھی اعلیٰ حضرت نے کوئی بندوبست کیا؟ جو اس امر پر صاف دال ہے کہ آغاز خلافت کے بعد معاملہ دگرگوں ہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہی کے عہد مبارک میں یہ تغیر ہو گیا ہے کہ اذان خطبہ بین یدی الامام آگئی اور اس پر اجماع صحابہ ہو گیا آخر صدر من خلافة عثمان کی قید کا فائدہ ضرور ہونا چاہیے -اصل عبارت یہ ہے-

ثم نقل الاذان الذی کان علی المنارحین صعود الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکرو عمرو صدر من خلافة عثمان بین یدیه-

ہمارے طور پر اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اذان جو عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم عہد صدیق اکبر و عہد فاروق اعظم و آغاز خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہم میں منار پر ہوتی تھی- وہ اواخر خلافت حضرت عثمان میں بین یدی الامام ہو گئی- اس طور پر صدر من خلافة عثمان کی قید کا فائدہ ظاہر ہے- اعلیٰ حضرت کے طور پر کہ جو ضمیر ہشام کی طرف پھیرتے ہیں اس عبارت کا یہ

نفیس مطلب بر آمد ہوتا ہے کہ وہ اذان جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و عہد صدیقی و فاروقی و آغاز خلافت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم میں منار پر ہوتی تھی وہ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں بین یدی الامام ہو گئی - اب یہاں اعلیٰ حضرت کی سمجھ کے سوا تمام انسانی عقلیں قاصر ہیں کہ وہ آغاز خلافت کی قید کا فائدہ سمجھ سکیں کیونکہ جب ناقل اور جگہ کا تبدیل کرنے والا ہشام ہے تو اس کے زمانہ تک حالت بدستور سابق رہنا چاہیے - اور بجائے اس عبارت (علی عہد النبی و ابی بکرو عمر و صدر من خلافۃ عثمان) کے یہ عبارت ہونا چاہیے (علی عہد النبی وابی بکرو عمر و عثمان) بلکہ ہشام اور حضرت عثمان غنیؓ کے درمیان جس قدر خلفاء ہیں ان کا بھی نام آنا چاہیے حالانکہ اس فقرہ صدر من خلافۃ عثمان نے آئندہ کا سلسلہ ہی منقطع کر دیا جس سے واضح ہوا کہ یہ تغیر و تصرف عہد عثمانی ہی میں ہو گیا تھا۔

خان صاحب نے اپنے لیے ہدایت کی دعاء کی مگر مقبول نہ ہوئی

اب اعلیٰ حضرت ہی انصاف فرمائیں کہ اس قول (یہ تو عقل و فہم کی حالت اور مدارک علیہ میں دخل کی ہمت) کا مصداق صحیح طور پر کون ہے ؟ اسی وجہ سے اپنے حق میں اعلیٰ حضرت نے دعا کی تھی کہ اللہ ہدایت کرے) مگر افسوس کہ وہ مقبول نہیں ہوئی -

تجلی دوم

خان صاحب کی فہمائش اور ہدایت کی سخت ضرورت ہے

اعلیٰ حضرت نے گو یہ فقرہ تحریر فرما کر کہ (مجاہیل یا مہملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں نے کے لائق) سلسلہ ہدایت منقطع کر دیا کیونکہ نہ اعلیٰ حضرت کے زعم کے مطابق کوئی ان کے مساوی ہو گا نہ اس سے ان کا مخاطبہ جائزہ ہو گا لیکن ہم کیوں باب ہدایت ان کی طرح مسدود کریں کہ نہ ہم ایسے عالی شان نہ ان

جیسے صفات کمالیہ و خصوصیات ہم میں موجود گو پچھلی صدیوں میں عالیشانی ہی اس میں تھی کہ دامن ہدایت مضبوط تھامے رہیں مگر اب چودھویں صدی کے مجدد کا یہ افادہ جدید ہے کہ ہدایت خلق اللہ عالیشانی کے منافی ہے پس ہم شکر باری تعالیٰ بجا لاتے ہیں کہ اس نے ہم کو اس عالی شانی سے محفوظ رکھ کر ہدایت کی توفیق دی- ذلک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم- گو اعلیٰ حضرت اس کو تسلیم نہ فرماویں لیکن ہمارے نزدیک ان کی فہمائش اور ہدایت کی سخت ضرورت ہے کہ مسئلہ اذان میں ان سے غیر محدود زلتیں واقع ہوئیں- ہمارا فرض ہے کہ بحکم الدین النصح ان زلتوں سے ان کو آگاہ کر دیں جس کے ضمن میں نفس مسئلہ کی بھی نہ صرف وضاحت ہو گی بلکہ اس کی کامل تنقیح ہو جائے گی-

اعلیٰ حضرت سے قبول حق کی بظاہر کوئی امید نہیں

ادھر حق تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ حضرات (جو اعلیٰ حضرت کی تحریرات سے جادہ مستقیم سے منحرف ہو گئے ہیں) پھر شاہراہ مستقیم پر عود کر آئیں- وما ذلک علی الله بعز- رہے اعلیٰ حضرت سو ان کی علوشان سے قبول حق کی بظاہر امید نہیں لیکن حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت سے نہ اعلیٰ حضرت خارج ہیں نہ ان کی علوشان وہ چاہے تو ایسے اعلیٰ حضرت کو بھی راہ مستقیم پر لا سکتا ہے- ورنہ ہم تو اپنے فرض سے ضرور سبکدوش ہو جائیں گے-

فہمائش اول

خان صاحب کسی حیلہ یا کسی عبارت کے الٹ پھیر سے تکفیر کر دیتے ہیں

اعلیٰ حضرت کا سرمایہ ناز فقرہ لا یوذن فی المسجد ہے اور بس کہ جو بعض کتب فقہیہ میں وارد ہو گیا ہے یہی وہ فقرہ ہے کہ جس سے تفریق بین

المسلمین کو نہ صرف مباح بلکہ مستحب مندوب سمجھ کر تمام اسلامی دنیا میں اختلاف کی بنیاد قائم کر دی اور اذان اندرون مسجد کو خلاف سنت وبدعت قرار دے کر اولاً علماء کی تفسیق اور ثانیاً کسی حیلہ یا کسی عبارت کے الٹ پھیر سے تکفیر فرمائی گئی۔

خان صاحب کے حلقہ بگوش' مساجد میں شور وغل اور زد وکوب کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں

اور اپنے حواریوں اور حلقہ بگوشوں کو سو شہیدوں کے اجر کا وعدہ دلا کر ان کی جاہلانہ عصبیت کو ایسا تیز کیا گیا کہ اب وہ مساجد میں شور غل وزدوکوب کو عین اطاعت الٰہی سمجھتے ہیں اور مساجد میں سوقیانہ گفتگو کی نسبت بھی یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ اس پر سو شہیدوں کا اجر ہم کو ضرور ملے گا جہاں بے ضرورت مباح گفتگو بھی مکروہ ہے۔

بریلوی صاحب کے سرمایۂ ناز فقرہ "لایوذن فی المسجد" سے تمام متون خالی ہیں

جس فقرہ کی بنا پر اعلیٰ حضرت نے یہ گل کھلائے اس لحاظ سے اس کا درجہ ثبوت کے اعتبار سے نہایت اقوی ہونا چاہیے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کی کل کائنات صرف اس قدر ہے کہ بعض کتب فقہی مثل خلاصہ و خزانۃ المفتیین وغیرہ میں یہ فقرہ درج ہے باقی تمام متون اس ضروری مسئلہ (بزعم اعلیٰ حضرت) سے ساکت ہیں کہ جن میں ضروری مسائل عموماً درج ہوتے ہیں۔ نہ کہ ایسا ضروری مسئلہ کہ جس کا ذکر نہ کسی متن میں نہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے براہ راست مروی نہ صاحبین امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس کی روایت نہ امام محمد کی کتب ستہ مشہورہ میں اس کا نام ونشان بلکہ صاحب فتح القدیر کے اس جملہ قالوا لایوذن فی المسجد جس کو اعلیٰ حضرت نے

اپنے فتویٰ مبارکہ میں نقل کیا ہے- بداہتہ یہ ثابت کہ یہ صرف مشائخ کا قول اور ان کی رائے ہے-

اعلیٰ حضرت نے شوروغل مچاکر قیامت کبریٰ برپا کردی

پس ایسے ضعیف وکمزور مسئلہ پر اس قدر زور باندھنا اور شورغل مچاکر ایک قیامت کبری برپا کر دینا سوائے اعلیٰ حضرت کسی دوسرے سے ممکن ہے اعلیٰ حضرت نے اتنا خیال نہ کیا کہ اگر- کوئی اہم مسئلہ ہوتا یا امام اعظم و صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہوتا تو متون مثل کنز وقدوری و وقایہ مختصر وقایہ و دیگر متون معتبرہ میں اس کا ضرور ذکر ہوتا اور آپ کو فتاویٰ خلاصۃ الکیدانی سے نقل کی ضرورت نہ ہوتی جس کی نسبت مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں مولوی عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی نے تحریر فرمایا ہے کہ منها ای من الکتب الغیر المعتبره خلاصته الکیدانی) اس کے تحت میں دوسری فصل کے بعد تحریر فرماتے ہیں- لم یعرف الی الان حال مولفهاانه من هو و کیف هو وهل هوممن یستند بتصنیفه اوهوممن یضرب به المثل المشهور ان من لا یعرف الفقه صنف فیه کتابا -

بھلا جس کے مولف کا یہ حال ہو کہ اس کا حال معلوم نہ اس کی تصنیف کا اعتبار بلکہ یہاں تک اصلی قبولیت بڑھی ہوئی ہے کہ اس کی کتب کے ساتھ استناد تک حیز خفا میں- پھر ایسی مجهول الحال کتاب سے استناد آپ کے دعویٰ کی صریح کمزوری ہے یا نہیں- آپ تو نام خدا مجاہیل سے اپنے مخاطبہ کو بھی عار سمجھتے ہیں- یہاں تو آپ نے بالکل ناؤ ڈبو دی کہ مجہول کے فقرہ میں آکر جامہ سے باہر ہوگئے- آپ نے جہاں اس قسم کے فتاوی سے یہ فقرہ نقل کیا ہے- وہاں اگر صاحبین کی کسی کتاب یا کم از کم کسی متن سے ہی نقل فرمادیتے تو اس عار میں قدرے تخفیف ہو سکتی تھی-

بریلوی صاحب نے اکثر علماء کو تکفیر کے گھاٹ اتار دیا

اگر متون میں یہ فقرہ تھا تو آپ نے کیوں نہیں نقل فرمایا۔ یہ کوئی معمولی فتویٰ نہ تھا کہ جس کتاب سے چاہا لکھ دیا بلکہ وہ غیر معمولی مسئلہ تھا جس کی بناء پر دنیا بھر کی مخالفت آپ نے مول لے لی۔ اکثر علماء کو تکفیر کے گھاٹ اتار دیا اور آپ کی تفسیق و لعن طعن سے تو کوئی نہ بچا تمام شرق و غرب کے علماء کرام کو عام دعوت مقابلہ دیدی ایسے مسئلہ کے لیے کیا یہ کافی ہے کہ کتب معتبرہ متون چھوڑ کر خلاصہ جیسی کتاب کا سہارا لیا جائے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ متون کی نسبت جناب مولانا عبدالحی صاحب مرحوم اسی مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں فرماتے ہیں :

اعلم انہم ذکروا ان مافی المتون مقدم علی ما فی الشروح وما فی الشروح مقدم علی مافی الفتاوی فاذا وجدت مسئلۃ فی المتون الموضوعۃ لنقل المذاہب ووجد خلافہما فی الشروح اخذ بما فی المتون واذا وقعت المخا لفۃ بین ما فی الشروح وبین ما فی الفتاویٰ اخذ بمافی الشروح قال الشیخ امین الشامی۔ مولف ردالمحتار علی الدر المختار فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ فی کتاب الاجارۃ ذکر ابن وہبان وغیرہ انہ لا عبرۃ لما یقولہ فی القنیۃ اذا خالف غیرہ و قالوا ایضاً ان ما فی المتون مقدمٌ علی ما فی الشروح و ما فی الشروح علی مافی الفتاویٰ انتہی۔

دیکھئے عام طور پر مشائخ کیا حکم دے رہے ہیں۔ کہ مسائل متون کو شروح کے مسائل پر ترجیح اور شروح کے مسائل کو فتاوی پر تقدیم۔ پھر متون کی تقدیم کی وجہ میں اس کا اظہار کہ ان میں خاص مذہب امام کا التزام ہوتا ہے جو شروح و فتاوی میں مفقود۔ پس اس فقرہ کا تمام متون معتبرہ متداولہ میں نہ ہونا خلاف

اس پر دال ہے کہ یہ امام اعظم سے منقول نہیں ورنہ کسی نہ کسی متن میں اس کی تصریح ہوتی خواہ فتویٰ شروح و فتاویٰ سے ... اور اس پر عمل کیجئے - اس وقت ہم کو صرف اس سے بحث ہے کہ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول نہیں - پھر ایسے کمزور مسئلہ پر یہ زور شور اعلیٰ حضرت کو کہاں تک زیب دیتا ہے - ایک دم سو شہیدوں کے اجر تقسیم کر دینے سے خیال ہوتا تھا کہ اعلیٰ حضرت براہ راست سوائے وحی آسمانی مجتہد کے قول کو بھی شاید ہی سند میں لائیں لیکن ثابت یہ ہوا کہ بعض مشائخ کے قول پر آپ کی بسر اوقات ہے - سبحان اللہ!

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرہ خون نکلا

فہمائش دوم اعلیٰ حضرت کے قیاسی تکے

نہ معلوم اعلیٰ حضرت نے بعض مشائخ کے اس قول "لا یوذن فی المسجد" سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ مسجد میں اذان کی صلاحیت مفقود ہو گئی اور یہ کہ محض مسجد کا مسجد ہونا اخراج اذان کا باعث ہوا - مشائخ کی اگر تصریح بھی ہے تو صرف اس قدر کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے - اب یہ اعلیٰ حضرت کی خوش فہمی ہے کہ اس سے یہ سمجھ لئے کہ نہ مسجد میں اذان کی صلاحیت نہ اذان کا اس میں جواز بلکہ اذان سراسر بدعت و خلاف سنت اور مسجد کی مسجدیت اس اخراج کا باعث - براہ کرم اعلیٰ حضرت وجوہ ثلثہ کی تصریح کتب مشائخ سے ثابت کر دیں - ورنہ یہ قیاسی تکے چلانے سے باز رہیں - مشائخ کے اس جملہ میں کہ (لا یوذن فی المسجد) نہایت وسعت و گنجائش ہے صرف نفی سے آپ مسجد سے صلاحیت کیوں سلب کر بیٹھے - اخراج اذان کی علت محض مسجدیت کو رجما بالغیب کیوں قرار دیا یہ محض آپ کی ذاتی رائے ہے - مشائخ کرام کا دامن اس سے پاک ہے وہ گو اذان فی المسجد کی نفی کر رہے ہیں مگر اس کی علت محض اعلام غائبین ہے - کہ مسجد کے اندر اذان میں اعلام غائبین سرے سے نہیں ہو گا - یا کم از کم ان تک رسائی صوت میں دشواری ہو گی - اسی غرض سے اذان کے لیے منار قائم کئے گئے تا کہ اذان کی آواز بسہولت ان تک پہنچ سکے ورنہ زمانہ اقدس ؐ میں منار کا وجود ہی نہ

تھا - اگر یہ غرض مسجد میں حاصل ہو جائے تو مسجد سے خواہ مخواہ اخراج اذان کی ضرورت نہیں -

جملہ "لایوذن فی المسجد" سے مشائخ کرام کا حقیقی مقصد

مشائخ کرام کا صرف یہ مقصد ہے کہ اذان علی وجہ الاظہار مسنون ہے کہ اذان کے مفوم میں اعلام داخل ہے خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر - چونکہ داخل مسجد درودیوار حائل ہونے کی وجہ سے عموماً اذان کی آواز کا غائبین تک پہنچنا دشوار - اس وجہ سے خارج مسجد اذان دینے کا حکم دیا تاکہ اعلام غائبین بسہولت ہو جائے پس انہوں نے داخل مسجد اذان دینے کو نہ اس وجہ سے منع کیا کہ مسجد میں صلاحیت اذان نہیں بلکہ اعلام میں نقصان ہے - اس کا صاف یہ مطلب ہے کہ اگر خارج مسجد یہ مقصود حاصل نہ ہو اور داخل مسجد پورا ہو تو پھر اذان داخل مسجد دی جائے - اصل یہ ہے کہ مشائخ اذان علی وجہ الاظہار کو مسنون کہتے ہیں اور اعلیٰ حضرت کے نزدیک خارج مسجد اذان مسنون ہے - دونوں کے خلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ مشائخ کرام کے نزدیک اذان خواہ داخل مسجد ہو یا خارج لیکن علی وجہ الاظہار ہو تاکہ اعلام غائبین ہو جائے -

اذان و مسجد کی نسبت اعلیٰ حضرت کے تخیلات

اعلیٰ حضرت کے نزدیک اذان خواہ علی وجہ الاظہار ہو یا خفیہ طریق سے لیکن خارج مسجد ضرور ہو تاکہ مسجد میں ذکر اللہ کی وجہ سے حق تعالیٰ کی بے ادبی نہ ہو - چنانچہ اس کی تصریح انہوں نے فیصلہ حق نما میں حوالہ وقایۃ البتہ اس طرح کی ہے - کہ وقایہ صفحہ ۵۴ تا ۵۶ میں حدیث وفقہہ سے ثابت کیا ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا بارگاہ الٰہی کی بے ادبی ہے - اس سے صاف ظاہر ہوا کہ اذان سرے سے اس کی مستحق ہی نہیں ہے کہ مسجد میں دی جائے یا یوں کہیے کہ مسجد میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کہ اذان (جو ذکر اللہ ہے) اس میں ہو اور اگر ایسا کسی نے کیا تو وہ بارگاہ الٰہی میں بے ادب قرار پایا - محض اس جرم میں کہ کیوں

اس نے مسجد میں ذکر الٰہی کیا گویا اعلیٰ حضرت کے نزدیک مساجد کی بنیاد اس لیے نہیں ہے کہ ذکر اللہ کیا جائے بلکہ کسی اور غرض سے ان کی بنیاد پڑتا ہے اب وہ غرض کیا ہے اس کا جواب اعلیٰ حضرت مدلل بیان فرمادیں گے - ناظرین ان سے دریافت کریں - یہ ہیں اذان و مسجد کی نسبت اعلیٰ حضرت کے تخیلات -

تصریحات مشائخ حنفیہ

اب مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات ملاحظہ ہو - ردالمحتار میں ہے -

فی السراج و ینبغی للموذن ان یوذن فی موضع یکون اسمع للجیران- قلت والظاہر ان ہذا فی موذن الحئی- اما من اذن بنفسه اولجماعة حاضرین فالظاہر انه لایسن له المکان العالی لعدم الحاجة- یعنی موذن ایسی جگہ اذان دے جہاں سے قرب و جوار والے خوبی سن سکیں - یہ بھی جب ہے کہ کسی محلہ کی مسجد ہو اور اہل محلہ کا اعلام مقصود ہو لیکن جب کہ خاص اپنے لیے یا جماعت حاضرین کے لیے اذان دینا مقصود ہو تو اب بلندی پر اذان دینا مسنون نہیں ہے - کیونکہ اس کی ضرورت نہیں - اس سے چند نتائج بر آمد ہوئے -

اول : یہ کہ اذان کے لیے کوئی جگہ (جیسے داخل مسجد یا خارج مسجد) مخصوص نہیں بلکہ ایسی جگہ ہونا چاہیے جہاں سے اذان خوبی سنی جائے - خواہ داخل مسجد ہو یا خارج مسجد -

دوم : یہ کہ تعیین مکان سے مقصود صرف اعلام ہے ورنہ جب کہ اس کی ضرورت نہ رہے تو اب بلندی کی ضرورت نہ خارج مسجد کی حاجت' اسی کو عالم گیری میں اس طرح واضح کیا ہے -

جماعة من اہل المسجد اذنوا فی المسجد علی وجه المخافة بحیث لم یسمع غیرہم ثم حضر قوم من اہل المسجد ولم یعلموا ماصنع الفریق الاول فاذنوا

علی وجه الجهر ثم علموا ماصنع الفريق الاول فلهم ان يصلوا بالجماعة على وجهها ولا عبرة للجماعة الاولى كذا فى فتاوى قاضى خاں- وفيه لانها ما اقيمت على وجه السنة باظهار الاذان فلا يبطل حق الباقيين-

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اہل مسجد نے مسجد ہی میں اذان دی لیکن اس طرح خفیہ طریق سے اذان دی کہ ان کے سوا کسی نے نہ سنی- اس کے بعد دوسرے اہل مسجد آئے کہ جو فریق اول کی اذان و صلوۃ سے لاعلم تھے- جب انہوں نے علی وجہ الجہر اذان دیدی تو اب ان کو پہلے فریق کی اذان و صلوۃ کا علم ہوا- ایسی حالت میں یہ از سر نو نماز باجماعت ادا کر سکتے ہیں اور یہی جماعت جماعت اولیٰ قرار دی جائے گی- پہلی جماعت کا بالکل اعتبار نہ ہوگا- اس وجہ سے کہ جماعت اولیٰ کی اقامت صلوۃ اظہار اذان نہ ہونے کی وجہ سے علیٰ وجہ السنۃ نہیں ہوئی کہ جس میں بقیہ اہل مسجد کی حق تلفی تھی-

اعلیٰ حضرت سب کچھ سمجھ سمجھا کر اندھیری ڈال رہے ہیں

سنئے اعلیٰ حضرت صاحب! مشائخ کرام کے اس حکم کو ذرا ٹھنڈے دل سے سنئے- اذان اندرون مسجد ہو رہی ہے اس کو آپ کی طرح وہ منع نہیں کرتے بلکہ جماعت اولیٰ کو محض اس وجہ سے مسنون نہیں کہتے کہ اذان علی وجہ الاظہار نہ ہوئی- لا نها ما اقيمت على وجه السنة باظهار الاذان پر نظر ڈالیے- آپ کے طور پر ان کو یہ کہنا چاہیے کہ لانها ما اقيمت على وجه السنة باخراج الاذان عن المسجد- اعلیٰ حضرت کو تو کیا سمجھائیں کہ وہ سب کچھ سمجھ سمجھا کر اندھیری ڈال رہے ہیں- لیکن مسلمانوں سے ضرور انصاف کی توقع ہے کہ دیکھو اعلیٰ حضرت کی طرح مشائخ کرام کو اذان اندرون مسجد سے بحث نہیں ہے ان کا مقصود صرف اذان کا اظہار ہے تاکہ اعلام غائبین ہو جائے ورنہ صورت مسئلہ میں جب کہ اذان اندرون مسجد

فرض کی گئی ہے اس کا ضرور اظہار کرتے کہ داخل مسجد اذان ہونے کی وجہ سے جماعت اولیٰ علی وجہ السنۃ ادا نہ ہوئی۔

خان صاحب کی نامعقولیت

مشائخ کرام کے مقصد اور اعلیٰ حضرت کے مقصد میں صرف فرق معقولیت و عدم معقولیت کا ہے۔ یعنی جب کہ اذان کے مفہوم میں اعلام داخل ہے اور اس کی مشروعیت بھی اعلام کی وجہ سے ہوئی۔ جیسا کہ روایت حضرت عبداللہ بن زید سے ظاہر ہے اور مختلف احادیث صحیح میں اس کی تصریح موجود، حتی کہ اب عامی و عالم پر یہ امر روشن تو جب اذان سے اعلام حاصل نہ ہوا تو اس کا وجود و عدم برابر۔ اس کا لحاظ کرتے ہوئے مشائخ کرام نے کبھی حکم دیا کہ لایوذن فی المسجد کہ دیوار و در حائل ہونے کی وجہ سے آواز بیرون مسجد تک نہ پہنچنے کا اندیشہ ہے کبھی یہ ارشاد فرمایا کی ان یوذن فی موضع یکون اسمع للجیران۔ یعنی ایسی جگہ اذان ہو کہ قرب و جوار والے اذان سن لیں خواہ وہ کوئی جگہ ہو خارج مسجد ہو یا منارہ داخل مسجد کیوں کہ انہوں نے کسی جگہ کی تخصیص نہیں کی فی موضع" عام ہے اور عموم سے استدلال کے اعلیٰ حضرت بھی عادی ہیں۔ ورنہ اذان خطبہ باوصف استثناء کیوں لا یوذن فی المسجد کے پھیر میں آتی۔ کہیں مشائخ نے اس مقصد کو نہایت واضح کر دیا اور اندرون مسجد اذان میں صورت فرض کر کے اس عدم مسنونیت کی وجہ یہ ظاہر کی کہ اعلام نہ ہوا اور دوسرے فریق کی حق تلفی ہوئی نہ یہ کہ داخل مسجد ہونا اس کا باعث ہوا ہے۔

بریلوی صاحب کا مقصد احادیث صحیحہ کے بھی خلاف

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ اذان علی وجہ الاظہار ہو۔ جس جگہ اظہار میں کسر دیکھتے ہیں اس جگہ اذان کو منع کر دیتے ہیں۔ ان کا یہ مقصد بالکل معقول و موافق درایت ہے کہ جو حکم مشروع کی علت

غائیہ ہے اس کا ہونا ہمر نہج ضروری ہے۔ احادیث صحیحہ بھی ان کے مقصد کی تائید کر رہی ہیں۔ اس باب میں علامہ شامی کی یہ عبارت خصوصیت کے ساتھ ملاحظہ ہو۔

قوله ويستدير في المنارة- يعني ان لم يتم الاعلام بتحويل وجهه مع ثبات قدميه ولم تكن في زمنه صلى الله عليه وسلم مئذنة قلت وفي شرح الشيخ اسمٰعيل عن الاوائل للسيوطي ان اول من رقى منارة مصر للاذان شرحبيل بن عامر المرادي و بني سلمة المنابر للاذان بامر معاوية رضي الله عنه ولم تكن قبل ذلك وقال ابن سعد بالسند الى ام زيد بن ثابتؓ كان بيتي اطول بيت حول المسجد فكان بلالؓ يوذن فوقه اول ما اذن الٰى ان بنى رسول الله صلى الله عليه وسلم مسجد ه فكان يوذن بعد على ظهرالمسجد وقدرفع له شئى فوق ظهره-

دیکھئے۔ اعلام کی خاطر منارہ قائم ہوا حالانکہ زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا وجود نہ تھا منارہ میں استدارہ وجہ کی اجازت محض اعلام کی خاطر روایت ام زید بن ثابتؓ سے ثابت کہ مسجد اقدس کی بنا سے بیشتر حضرت بلال ان کے گھر کے کوٹھے پر اذان دیا کرتے تھے۔ جو ان تمام مکانوں سے زیادہ بلند تھا جو مسجد اقدس کے گرداگرد واقع تھے۔ مسجد اقدس کی تعمیر کے بعد مسجد کی چھت پر حضرت بلال اذان دیا کرتے تھے۔ اور اس غرض سے کہ آواز دور تک پہنچے۔ سقف مسجد پر زیادہ بلندی حاصل کرنے کے لیے کوئی چیز رکھ دی جاتی تاکہ اس پر چڑھ کر اذان دیں تاکہ غائبین تک آواز پہنچنے میں آسانی ہو۔ غرض مشائخ کے نزدیک اذان اعلام کے لئے ہے جو اس کے مفہوم میں داخل اس کی علت غائیہ اور حدیث صحیح حضرت بلال و عبداللہ بن زید سے بھی یہی ثابت۔ یہ دعویٰ

عقلاً و نقلاً ہر طرح موزوں و مناسب و بغایت معقول۔

اعلیٰ حضرت کی ملمع سازی

اب اعلیٰ حضرت کا مقصد سنئے آپ کو اس سے بحث نہیں کہ اذان اعلام کے لئے ہے یا انصات کے لئے نہ اس سے بحث کہ مختلف جگہ کیوں اذان دی گئی آپ صرف ایک بات جانتے ہیں وہ یہ کہ اذان و مسجد میں تناقض ہے مسجد میں اذان دینا حق تعالےٰ کی گستاخی و بے ادبی ہے۔ کہئے! مشائخ کرام کے معقول دعویٰ کو اس بوالعجب مقصد سے کیا علاقہ ہیں تفاوت راہ از کجاست تابکجا۔ در حقیقت اعلیٰ حضرت سب کے خلاف چلے ہیں۔ یہ ان کی ملمع سازی ہے کہ میں عبارات فقہاء کرام سے مستدل ہوں۔ بھلا کہاں فقہاء کرام کا نفیس قول اور کجا اعلیٰ حضرت کا تراشیدہ خیال۔ جو نہ حدیث کے مطابق (جس کو علامہ شامی نے نقل کیا) نہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے منقول نہ صاحبین سے اس کی روایت نہ مشائخ کرام اس کے قائل۔

بریلوی صاحب کے مقصد کی فقہاء کرام کی عبارات کے ساتھ تطبیق

مزید توضیح و نیز ناظرین کی تنشیط خاطر کے لیے عبارات مذکورہ بالا کی اعلیٰ حضرت کے مقصد کے ساتھ تطبیق دیتے ہیں۔ جس سے حق بالکل ہی واضح ہو جائے گا۔ اور ظاہر ہو جائے گا کہ حضرات مشائخ کرام کے مقصد سے اعلیٰ حضرت کس قدر دور ہیں۔ لے دے کے بعض مشائخ کے اس قول ''لا یوذن فی المسجد'' کا ہی اعلیٰ حضرت کو سہارا تھا اس کا بھی یہ حشر ہوا۔

عبارت اول

''لا یوذن فی المسجد'' مشائخ کرام کا اس سے یہ مقصد ہے کہ اذان مسجد میں ہو گی تو اس کے در و دیوار غائبین تک آواز پہنچنے میں خارج ہوں گے۔ اس وجہ سے اذان مسجد میں نہ دی جاوے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ مسجد میں اذان دنیا حق تعالیٰ کی گستاخی و بے ادبی ہے اس وجہ سے اذان اندرون

مسجد منع کی گئی - اب اس کے معقول کہنے کے لیے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ انسانی فطرت مسخ ہو کر کسی حضرت کی عقل اس میں حلول کرے -

عبارت دوم

وینبغی للموذن ان یوذن فی موضع یکون اسمع للجیران -

مشائخ کرام جن کے پیش نظر اذان میں صرف اعلام ہے اور جو داخل مسجد و خارج مسجد اذان کے پابند نہیں ان کے نزدیک اس کا مطلب ظاہر اور جو ان کے مقصود کے ساتھ نہایت چسپاں ہے 'اعلیٰ حضرت جن کے پیش نظر صرف یہ ہے کہ اذان خارج مسجد ہو خواہ اعلام کے لیے ہو یا انصات کے لیے اور یہ کہ اذان اندرون مسجد حق تعالیٰ کی گستاخی ہے ان کے نزدیک اس میں تاویل کی ضرورت ہے اس طرح کہ "فی موضع" سے مراد خارج مسجد ہے اور "یکون اسمع للجیران" سے مراد یکون اسمع للملائکۃ الجیران ہے - اب اس عبارت کا مطلب صحیح ہو گیا کہ موذن خارج مسجد اذان دے تاکہ وہ ملائکہ جو قرب و جوار میں ہیں - وہ مسنون اذان کو سنیں ورنہ خلاف سنت اذان کو وہ نہیں سنتے - نہ اس کو حق تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں - یہاں سماع سے مراد سماع قبول ہے اگر یہ تاویل نہ کی جاوے تو گو مشائخ کرام کا مقصد حاصل ہو جائے گا - لیکن اعلیٰ حضرت پھر کورے رہ جاتے ہیں -

عبارت سوم

لا نہا اقیمت علی وجہ السنۃ باظہار الاذان یہ جملہ اذان اندرون مسجد کے بارے میں واقع ہوا ہے اس سے مشائخ کرام کا مقصود بالکل واضح ہو گیا کہ اس صورت میں اذان اندرون مسجد ہو رہی ہے - اور یہ حکم نہیں کیا جاتا کہ یہ اذان اندرون مسجد ہونے کی وجہ سے ناجائز یا بدعت یا کم از کم مکروہ ہے - بلکہ اظہار اذان نہ ہونے کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جماعت اولی

علی وجہ السنۃ ادا نہیں ہوئی جس سے یہ صاف سمجھا گیا کہ اگر اندرون مسجد اس کا اظہار ہو جاتا تو پھر نہ اذان میں کوئی حرج تھا نہ جماعت اولیٰ میں۔ اعلیٰ حضرت کے طور پر اس صورت میں اعظم ترین وجہ قباحت اذان اندرون مسجد ہے اس کے ہوتے ہوئے اس سے سکوت اور دوسری ضعیف وجہ کا اظہار نہایت غیر معقول ہونے کی ضرورت ہے۔ اس طرح کہ "باظہار الاذان" سے مراد باخراج الاذان ہے اور اخراج کا صلہ عن المسجد محذوف ہے چونکہ بعض مواقع میں اظہار کے لیے پہلے اخراج کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس وجہ سے بطور اطلاق اسم المسبب علی السبب اظہار سے اخراج کا ارادہ کیا اور عبارت اس طرح بن کر تیار ہوگئی کہ "لانہا ما اقیمت علی وجہ السنۃ باخراج الاذان عن المسجد" اب اگر شبہ رہا تو صرف اس قدر کہ اس عبارت کے ماسبق علی وجہ المخالفۃ کی قید اس کے مزاحم ہے تو اس کا جواب سہل ہے کہ وہ استطراداً آگئی ہے۔ ایک قید کو اعلیٰ حضرت کی خاطر حشو تسلیم کرنے میں چنداں مضائقہ نہیں۔

بریلوی صاحب اور مشائخ کا تباین مسلک

اصل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے مسلک اور مشائخ کرام کے مسلک میں نسبت عموم و خصوص من وجہ ہے۔ ان ہر دو مسلک کا تباین و تصادق استفتا کی صورت میں خوبی واضح ہو سکتا ہے۔

استفتاء اول

ماقولکم رحمکم اللہ۔ اس بارے میں کہ اذان خارج مسجد علی وجہ المخالفۃ دی گئی۔ اس طرح کہ اہل محلہ میں سے کسی نے نہیں سنا یہ اذان علی وجہ السنۃ ہوئی یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب مشائخ کرام

یہ اذان مسنون نہیں کیونکہ اس میں اعلام غائبین نہیں ہوا۔ جو اذان کے

مفہوم میں داخل اور اس کی مشروعیت کی علت غائیہ جس پر نصوص شاہد۔ اور ہم نے لایوذن فی المسجد بھی اسی اعلام کی خاطر کہا تھا۔ جب خارج مسجد بھی اعلام نہ ہوا تو داخل خارج دونوں برابر ہو گئے۔ ہم کو خارج مسجد اذان سے خدانخواستہ کوئی چڑ نہ تھی۔ اذان سے جو غرض تھی اس کو پورا کرنا چاہتے تھے۔ جب وہ خارج مسجد بھی پوری نہ ہوئی تو اذان مسنونیت کے دائرہ سے نکل گئی۔

جواب اعلیٰ حضرت

یہ اذان مسنون ہے کیونکہ خارج مسجد ہوئی۔ رہا یہ کہ اعلام ہوا یا نہیں اس سے بحث نہیں کیونکہ اذان صرف اس لیے مشروع ہوئی ہے کہ مسجد میں نہ دی جاوے جب یہ غرض پوری ہو جاوے تو اب اعلام کے فقدان پر بحث کرنا فضول ولا یعنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اذان خطبہ کو بھی آخر کار مسجد سے خارج کر ہی دیا۔ محض اس وجہ سے کہ وہ اذان ہے اور اذان مسجد میں نہیں ہو سکتی کہ اس میں حق تعالی کی گستاخی ہے۔ اگرچہ اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہیں ہے بلکہ انصات حاضرین کے لیے ہے لیکن اس فرق کا اثر حضرات مشائخ کرام پر پڑ سکتا ہے کہ جنھوں نے اسی ما پر اذان پنجگانہ و اذان خطبہ میں فرق کر دیا کہ اول الذکر کو خارج مسجد اور آخر الذکر کو داخل مسجد گردانا۔ ہم پر اس کا کچھ اثر نہیں۔ رہی یہ بات کہ اذان کے مفہوم میں اعلام داخل ہے اور اس کی علت غائیہ یہ ہمارے نزدیک مسلم نہیں اور اس کی دلیل صرف یہ کہ مسجد میں اذان دینا حق تعالی کی بے ادبی و گستاخی ہے۔ پس اگرچہ صورت مسئولہ میں اذان علی وجہ المخافۃ ہوئی جس کو کسی نے نہیں سنا لیکن وہ مسنون ہے کیونکہ خارج مسجد ہے۔

استفتاء نمبر ۲

ماقولکم رحمکم اللہ۔ اس بارے میں کہ اذان داخل مسجد علی

وجہ الجہر دی گئی۔ جس سے غرض اعلام غائبین ہو گیا۔ خصوصاً ایسی حالت میں وہ اذان دی گئی جب کہ خارج مسجد نہ کوئی منار ہے اور نہ کوئی بلند جگہ اور اس لحاظ سے داخل مسجد و خارج مسجد دونوں حکم صورت میں برابر تھے۔ اس صورت میں یہ اذان علی وجہ السنۃ ادا ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب مشائخ کرام

یہ اذان مسنون ہے کیونکہ علی وجہ الاظہار ہوئی اور یہی اذان سے مقصود ہے۔

جواب اعلیٰ حضرت

یہ اذان مسنون نہیں کیونکہ داخل مسجد ہوئی اور اس میں بارگاہ الٰہی کی بے ادبی و گستاخی بھی ہوئی۔ اس وجہ سے نہ صرف حرام بلکہ قریب کفر ہے۔ اس قدر بھی ہم مسلمانوں کے خوف سے کہتے ہیں ورنہ صریح کفر ہے کیونکہ بارگاہ الٰہی کی گستاخی پر بھی کفر نہ ہو تو پھر وہ کون سی صورت ہے جس سے انسان کافر ہو سکے۔ رہا یہ امر کہ اعلام غائبین ہو گیا یہ محض فضول بات ہے۔ خواہ اعلام ہو یا نہ ہو لیکن اذان خارج مسجد ہونا ضرور۔ اور داخل مسجد اگرچہ اعلام ہو جاوے لیکن اس کے لیے حرام اور قریب کفر کا فتویٰ دینا لازم ہے۔ اذان سے مقصد نہ اعلام ہے نہ انصات۔ اس سے مقصد صرف یہ ہے کہ خارج مسجد ہو اور داخل مسجد نہ ہو۔ اذان کے مسئلہ میں مطمح نظر صرف دخول فی المسجد و خروج عن المسجد ہے۔ ہم کو نہ مفہوم اذان کی طرف توجہ نہ اس کی علت غائیہ اعلام و انصات سے بحث۔ نہ دخول فی المسجد و خروج عن المسجد کے سبب کی طرف التفات۔

استفتاء نمبر ۳

ماقولکم رحمکم اللہ۔ اس بارے میں کہ اذان داخل مسجد علی وجہ المخافتہ ہوئی جس کو کسی اہل محلہ نے نہیں سنا۔ بینوا توجروا۔

اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت و مشائخ کرام دونوں متفق ہیں کہ یہ

اذان مسنون نہیں ہے۔ مشائخ کرام کے نزدیک اس وجہ سے کہ اذان علی وجہ الاظہار نہ ہوئی۔ اعلیٰ حضرت کے نزدیک اس وجہ سے کہ خارج مسجد نہیں ہوئی۔

استفتاء نمبر ۴

ماقولکم رحمکم اللہ ۔اس بارے میں کہ اذان خارج مسجد علیٰ وجہ الجہر ہوئی جس سے اعلام غائبین ہو گیا یہ اذان مسنون ہے یا نہیں، بیوا توجروا۔

اس کے جواب میں بھی مشائخ کرام و اعلیٰ حضرت متفق ہیں کہ یہ اذان مسنون ہے۔ مشائخ کرام کے نزدیک اس وجہ سے کہ اذان علی وجہ الاظہار ہوئی۔ جس سے اعلام غائبین ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت کے نزدیک اس وجہ سے کہ اذان خارج مسجد ہوئی۔

استفتاء نمبر ۵

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ۔ اس بارے میں کہ اذان خطبہ جو حسب تصریح فقہاء کرام انصات حاضرین کے لیے ہے قریب منبر داخل مسجد دی گئی۔ یہ مسنون ہے یا خلاف سنت، بیوا توجروا۔

جواب مشائخ کرام

یہ اذان مسنون ہے کیونکہ اعلام کی خاطر ہم نے لایوذن فی المسجد کہا تھا نہ اس وجہ سے کہ مسجد اور اذان میں مبائنت ہے۔ اس اذان سے چونکہ مقصود انصات حاضرین ہے اس وجہ سے نہ صرف بلاکراہت مسجد میں جائز بلکہ مسنون ہے۔ ہم نے اس مسئلہ کی وضاحت اپنی کتب میں کر دی ہے۔ چنانچہ منجملہ ان کے درمختار کی تصریح دیکھو جس میں ہے۔

الاذان لغة الاعلام و شرعاً اعلام مخصوص لم یقل بدخول الوقت لیعم الفائتة وبین یدی الخطیب۔

یعنی اذان کی تعریف میں اعلام مخصوص کے ساتھ اس وجہ سے اکتفا کی گئی کہ دخول وقت کی قید اس کی جامعیت میں خلل انداز تھی۔ جس کے زائد کر دینے کے بعد اذان خطبہ خارج ہو جاتی۔ دیکھو یہ صاف اس پر دال ہے کہ اذان خطبہ دخول وقت کے اعلام کے لیے نہیں اور اس سے بداہتہً یہ نتیجہ بر آمد ہوا کہ اعلام غائبین اس سے مقصود نہیں' اس نتیجہ تک پہنچنے میں کیا دشواری ہے کہ جب اس سے مقصود اعلام غائبین نہیں جس کی بنا پر اذان مسجد سے خارج کی گئی تھی۔ تو اب اسی لکیر کو یہاں پیٹنے کی کیا ضرورت اور لایوذن فی المسجد کی دہائی اور چیخ پکار کی کیا حاجت۔ بلکہ بجائے اس کے ہمارے صریح اقوال بین یدی الخطیب و عندالمنبر وعلی المنبر پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے کہ جس کی تصریح ہماری تمام کتب معتبرہ متون و شروح و فتاوی میں ہے اور کہیں ہم نے اس کے خلاف عند باب المسجد یا علی باب المسجد نہیں کہا۔ ان واضح تصریحات پر بھی اگر کوئی شخص اپنے مغز سے اس کیخلاف نتیجہ اخذ کرے وہ اس کے دماغ کا قصور ہے نہ کہ ہمارے بیان کی کمزوری۔

جواب اعلیٰ حضرت

یہ اذان خلاف سنت بلکہ بدعت بلکہ قریب کفر اور عندالتحقیق کفر ہے کیونکہ داخل مسجد ہوئی اور داخل مسجد اذان دینا بارگاہ الٰہی میں بے ادبی ہے اور ہم اعلام وانصات کے فرق کو نہیں سمجھتے۔ ہمارا ایمان مشائخ کے صرف اس مجمل قول لایوذن فی المسجد پر ہے۔ اور وہ بھی اتفاقیہ۔ ورنہ ہم ان کے دوسرے اقوال بھی تسلیم کرتے۔ حالانکہ ہمارا ان کا کسی امر میں اتفاق نہیں۔ پھر مشائخ کرام کے اقوال ہم پر کیوں حجت ہونے لگے۔ وہ اپنے قول لایوذن فی المسجد کی کچھ ہی وجہ بیان کریں۔ ہمارے نزدیک صرف اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکم محض اس وجہ سے ہے کہ اذان فی المسجد بارگاہ الٰہی میں بے ادبی ہے۔

خان صاحب نے دھوکہ دہی کی خاطر مشائخ کا قول پیش کیا

ناظرین اب تو آپ سمجھے کہ در حقیقت مسلمانوں کے دھوکا دینے کے لیے اعلیٰ حضرت نے مشائخ کرام کا قول پیش کیا تھا۔ ورنہ کجا حضرات مشائخ کا پاکیزہ و معقول و مدلل خیال اور کجا اعلیٰ حضرت کا بے سر وپا دعویٰ۔ دونوں میں کوئی مناسبت نہیں۔

فہمائش سوم

اعلیٰ حضرت کا مسئلہ اذان میں سرمایہ ناز صرف فقرہ لایوذن فی المسجد ہے اس کی یہ حالت ہے کہ نہ یہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے منقول نہ صاحبین سے اس کی روایت نہ ان کی کتابوں میں اس کا ذکر نہ متون معتبرہ متداولہ میں اس کا نشان۔ بعض فتاوی میں اس کا ذکر اور اس کا بھی محل وہ جو ہم نے بیان کیا جس کی وجہ سے وہ ہم کو مفید ہوا اور اعلیٰ حضرت کا خود ساختہ مطلب مراحل اس سے دور رہا۔

بریلوی صاحب کے ماخذ نے ان کے خلاف ڈگری دے دی

اب پھر اسی کے متعلق گزارش ہے کہ فتاویٰ قاضی خان میں (جس سے اعلیٰ حضرت نے اپنے فتوی مبارکہ میں اس فقرہ کو نقل کیا ہے' اس طرح وارد ہوا ہے۔ وینبغی ان یوذن علی المئذنة او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد۔ چونکہ یہ تمام عبارت کو اعلیٰ حضرت اپنے حق میں مضر سمجھ گئے تھے۔ اس وجہ سے اس کا پہلا حصہ اڑا گئے اور صرف جملہ لایوذن پر قناعت فرمائی۔ اس عبارت میں مئذنة اور خارج مسجد کو باہمی ایک دوسرے کا قسیم اور مقابل قرار دیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر کہ مئذنة اندرون مسجد فرض کیا گیا ہے ورنہ خارج مسجد ہونے کی صورت میں خارج مسجد کا مقابلہ صحیح نہیں۔

اعلیٰ حضرت کو اعتراف حق سے لرزہ آتا ہے

اب اعلیٰ حضرت کے لیے یہ مصیبت کہ اگر مئذنۃ کو داخل مسجد مانتے ہیں تو امر حق کا اعتراف ہوتا ہے جس سے ان کو لرزہ آتا ہے اور خارج مسجد تسلیم کرنے میں عبارت کی بے ربطی عیاں ہے۔ ایسی حالت میں اعلیٰ حضرت اس جملہ ینبغی ان یوذن کو حذف نہ کرتے تو کیا کرتے۔ اہل حق کے طور پر تقابل صحیح کیونکہ وہ خواہ مخواہ اذان کو مسجد باہر نہیں کرتے۔ وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ اذان ایسی جگہ دی جائے جہاں سے اعلام خوبی ہو سکے خواہ داخل مسجد یہ بات میسر آوے یا خارج مسجد چونکہ مسجد کے دالان و صحن میں عموماً درودیوار حائل ہونے کی وجہ سے اعلام میں نقصان نظر آیا اس وجہ سے یہ حکم دیا کہ اذان مئذنۃ پر ہونا چاہیے یا خارج مسجد کہ اول الذکر گو داخل مسجد ہے لیکن اس کی بلندی کی وجہ سے اعلام میں نقصان نہ ہوگا اور آخر الذکر (خارج مسجد میں دیوار و در حائل نہ ہونے کے باعث اعلام خوبی ہوگا۔ اور چونکہ مسجد کے صحن و دالان میں یہ بات نہیں اس وجہ سے ان کو لایوذن فے المسجد کہہ کر مستثنیٰ کر دیا۔ کیونکہ جب خارج مسجد اور مئذنۃ (داخل مسجد) اذان کے لیے مخصوص ہو گئے تو اب سوائے صحن و دالان کے کیا باقی رہا جو ممانعت کے حکم میں آئے۔ درحقیقت اہل حق کو اس کی بھی ضرورت نہیں کہ مئذنۃ کو داخل مسجد میں حصر کریں۔ کیونکہ ان کو مد نظر اعلام ہے۔ اب خواہ مئذنۃ داخل مسجد ویا خارج مسجد وہ دونوں صورتوں میں اذان جائز رکھتے ہیں۔ تخصیص کی ضرورت اعلیٰ حضرت کو ہے کہ ان کے طور پر فرض ہے کہ مئذنۃ خارج مسجد ہو اور یہی تخصیص عبارت کو مہمل و بے ربط ماد ینے کے لیے کافی ہے۔ عموم کی صورت یا مئذنۃ کے داخل مسجد ماننے کی حالت میں عبارت اس بدنما عیب سے پاک رہتی ہے۔

خان صاحب جامہ سے باہر ہو کر مغلظات سنانے لگے

اعلیٰ حضرت اگر کلمہ ینبغی پر ہی نظر غائر ڈالتے تو ان کو اپنا استدلال ہوا ہوا نظر آتا- کہ یہ کلمہ عموماً اولویت میں مستعمل جس سے ثابت کہ اذان اگر خارج مسجد اولی وافضل ہے تو داخل مسجد غیر اولی نہ کہ خلاف سنت وبدعت- اور اگر کسی اصول قاعدہ سے اعلیٰ حضرت ینبغی کے معنی یجب کر دکھائیں سو اس کا درجہ اسی قدر ماننا چاہیے کہ اس قاعدہ کی رو سے یہ حکم ہے نہ یہ کہ اس کو نص صریح کا ہموزن قرار دے کر تمام مسلمانوں کے لیے تفسیق و تکفیر کا دروازہ کھول دینا اور بیٹھے بٹھائے جامہ سے باہر ہو کر سب کو مغلظات سنانا- مسلمانو! تم نے دیکھا کہ حضرات مشائخ کرام اس مسئلہ میں کس قدر نرم اور موجودہ صدی کے مجدد کس قدر گرم ہیں- پھر جو دونوں میں بین تفاوت ہے وہ جدا رہا جب ایسی بے بنیاد بات اور ضعیف حجت بلکہ باطل شبہ پر اعلیٰ حضرت نے یہ شور حشر برپا کر دیا تو نہ معلوم اس وقت کیا قیامت ڈھاتے جب کہ دلیل میں قوت اور دعوی میں قدرے معقولیت ہوتی-

فہمائش چہارم

جب اعلیٰ حضرت نے اعلام وانصات کے فرق کا خاتمہ کر دیا اب ان کو اذان خطبہ پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے کون روک سکتا تھا- انہوں نے اذان پنجگانہ کی مد میں اذان خطبہ کو بھی شامل کر کے سب دہان بائیس بہیری کی حشل صادق کی اور یہ نہ سمجھے کہ لایوذن فی المسجد اذان پنجگانہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ یہاں اعلام غائبین مقصود- اعلام کامل عموماً اندرون مسجد نہیں ہوتا- لیکن اذان خطبہ نے کیا قصور کیا کہ اس کو بلاوجہ بلا سبب مسجد باہر کیا- جب کہ اس سے غرض محض انصات حاضرین ہے کہ وہ اذان سن کر خطبہ کے لیے مستعد ہو جاویں- اس کے لیے تو یہی موزوں ہے کہ اندرون مسجد ہو- آپ کو لایوذن فی المسجد پر ناز ہے تو آپ کے مخالف کے لیے بین یدی الخطیب وعندالمنبر وعلی المنبر -کافی ہیں- آپ اگر مصلحت اعلام نظر انداز کر کے لایوذن میں تعمیم فرمادیں گے اور اس طرح اذان خطبہ پر بھی اس کو

حاوی ثابت کریں گے تو آپ کے مخالف کے لیے بھی یہ گنجائش ہے کہ وہ بین یدیہ میں تعمیم کر کے آپ ہی کے اصول پر اذان اندرون مسجد ثابت کر دے اور آپ کی طرح کہے کہ بین یدیہ صرف محاذات کو چاہتا ہے۔ خواہ داخل مسجد ہو یا خارج مسجد۔ آپ کیوں خارج مسجد کے خواہ مخواہ ٹھیکہ دار ہوتے ہیں۔ اس کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے۔

بریلوی صاحب کا عموم خود انہیں پر لوٹ پڑا

جنہوں نے اذان خطبہ داخل مسجد ہونے پر زور دیا ان سے الٹی سیدھی گفتگو کر کے آپ بظاہر عہدہ برآ ہو گئے۔ لیکن جو شخص کسی امر کا مدعی نہ ہو کر صرف آپ کے دعوی کی بیخ کنی کرنا چاہے اس کا آپ نے کیا تدارک کیا ہے۔ وہ آپ ہی کے قول سے آپ کے دعوی کی تردید کر سکتا ہے اور آپ اف بھی نہیں کر سکتے۔ فرمایئے آپ ہی نے تو یہ جا بجا ارشاد فرمایا ہے کہ بین یدیہ میں کیا دھرا ہے۔ وہ تو صرف محاذات کو چاہتا ہے۔ گز ڈیڑھ گز میں محصور نہیں ہو سکتا۔ جب اس میں اس قدر تعمیم ہے تو آپ کو کیا حق ہے کہ باب مسجد پر اذان کا حصر کر دیں کہ نہ آگے بڑھنے کی گنجائش نہ پیچھے ہٹنے کی۔ آپ کی اس تعمیم کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اذان خطبہ ہر طرح جائز ہے خواہ داخل مسجد ہو یا خارج مسجد۔ خارج مسجد کی صورت میں باب مسجد پر ہو یا سڑک پر بشرطیکہ منبر کے محاذی ہو آپ اس لفظ کے اطلاق سے دوسروں کا حصر باطل کر رہے ہیں اور اپنے حصر کی خبر نہیں لیتے کہ وہ بھی ان کے حصر کے ساتھ دم توڑ رہا ہے۔ آپ کا یہ عذر لنگ بھی یہاں نہیں چل سکتا کہ میں مانع ہوں اور میرے مخالف علماء بین یدیہ سے مستدل' میں نے اس میں اطلاق و تعمیم کر کے ان کے استدلال کا خاتمہ کیا کیونکہ آپ کا مخالف وہ ہے جس کا مدعا صرف آپ کے دعوی کی بیخ کنی ہے اور بس وہ اس عذر بارد کو پامال کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے کہ آپ اس ترکیب سے ظاہر بین نظروں میں کسی کے استدلال کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ لیکن کتب فقہیہ میں جو عام طور پر لفظ بین یدی الخطیب وارد ہو گیا ہے۔ اس کو نہیں محو کر سکتے اور نہ اپنے

اس لکھے ہوئے سے منحرف ہو سکتے ہیں کہ (بین یدیہ میں کیا دھرا ہے وہ صرف محاذات کو چاہتا ہے گز ڈیڑھ گز میں محصور نہیں ہو سکتا) بس میرے لیے (کہ بار استدلال سے سبکدوش ہوں) فقہاء کرام کا وہ لفظ (بین یدی الخطیب) اور آپ کی یہ تحریر (جو اس لفظ میں تعمیم ثابت کر رہی ہے) آپ کے استعمال دعوی کے لیے کافی ہے۔ اب آپ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ لایوذن فی المسجد کے عموم سے یہاں حصر ثابت کریں۔ اس طرح کہ بین یدیہ کو جو صرف محاذات کو چاہتا ہے عموم سے معری کر کے اذان خطبہ کو باب مسجد میں محصو کر دیں۔ یہ ترکیب اس وجہ سے بیکار ہو گئی کہ لایوذن کی طرح اب بین یدیہ بھی عام ہے۔ تسلیم کیا کہ لایوذن میں عموم ہے کہ تمام اذانوں کو حاوی ہے حتی کہ اذان خطبہ بھی اس کے دائرہ عموم میں آگئی لیکن اسی طرح بین یدیہ جو اذان خطبہ کے متعلق وارد ہوا ہے عام ہے۔ اس طرح کہ داخل مسجد و خارج مسجد دونوں کو شامل ہے۔ لایوذن اپنے عموم کی وجہ سے اذان پنجگانہ و اذان خطبہ دونوں کو شامل اور بین یدیہ اپنے عموم کے سبب داخل مسجد و خارج مسجد دونوں کو حاوی پس ایک کو اپنے عموم پر باقی رکھنا اور دوسرے کو خاص قرار دینا تحکم و زبردستی ہے یا نہیں۔ اگر لایوذن آپ کے نزدیک بین یدیہ کا مخصص ہے تو اسی طرح بین یدیہ لایوذن کا کیوں مخصص نہیں ہو سکتا۔ لایوذن کی تخصیص کا اگر یہ ثمرہ ہے کہ اذان باب مسجد پر محصور ہو گئی تو بین یدیہ کی تخصیص کا یہ نتیجہ ہونا چاہیے کہ اذان خطبہ داخل مسجد ہونے لگے بلکہ تبادر کے لحاظ سے وہیں محصور ہو جائے۔ آخر بین یدیہ کے مفہوم کو آپ بھی عام تسلیم کرتے ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ اس کا عموم آپ ہی نے سب کو سمجھایا جب آپ ہی کا سمجھایا ہوا مطلب آپ کے دعوی کا استیصال کرنے لگا تو آپ نے اس کی حفاظت اس طرح کی کہ گو بین یدیہ کی رو سے اذان داخل مسجد ہو سکتی ہے کہ یہ صرف محاذات کو چاہتا ہے لیکن لایوذن فی المسجد اس کا مخصص ہے۔ اس وجہ سے ہم اس عام کو عام مخصوص منہ البعض کے قبیلہ سے گردانیں گے۔ اسی طرح آپ کے مخالف کو بھی گنجائش ہے

کہ وہ کہے کہ گو لایوذن فی المسجد کی رو سے اذان خطبہ داخل مسجد نہیں ہو سکتی کہ وہ تمام اذانوں کو حاوی ہے لیکن بین یدیہ اس کا مخصص ہے۔ اس وجہ سے ہم اس عام (لایوذن) کو عام مخصوص منہ البعض کے قبیلہ سے گردانیں گے۔ اور علی المنبر و عند المنبر سے جو قرب متبادر ہے اس کے لحاظ سے اذان خطبہ کو اندرون مسجد محصور کر دیں گے۔ آخر اس کی وجہ کیا کہ ایک عام (لایوذن) دوسرے عام (بین یدیہ) کا مخصص اور بمنزلہ استثنی کے قرار پائے اور دوسرے عام کو اس منصب تخصیص و استثناء سے محروم کیا جائے۔ دونوں لفظ فقہاء کی عبارات میں وارد ہوئے ہیں۔ فرق تو اس قدر کہ بین یدی الخطیب اور بین یدیہ کی تصریح سے ان کی کوئی کتاب خالی نہیں لایوذن فی المسجد سے تمام متون اور اکثر شروح و فتاوی عاری ہیں۔ پھر آپ کی سمجھ میں باوصف بین یدیہ کو عام مان کر وہ بات کیا آئی ہے جس سے آپ نے لایوذن کو عموم کے لیے انتخاب کیا ہے اور بین یدیہ کو تخصیص کے لیے اور وہ کیا معیار ہے جس کے ذریعہ آپ نے دونوں کو پرکھ کر ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے۔ کیا آپ کی نظر سے وہ واقعہ نہیں گزرا جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو مختلف فیصلے دیئے ہیں۔ حاملہ متوفی عنہا زوجہا کی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فیصلہ تھا کہ اس کی عدت ابعد الاجلین ہے اس کی ماصرف یہ تھی کہ ہر دو آیت کریمہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے عموم پر باقی رکھا تھا اور ہر ایک کو دوسرے کا مخصص قرار دے کر یہ احتیاطی فیصلہ فرمایا کہ عدت ابعد الاجلین ہونا چاہیے۔ اور کسی کو دوسرے پر ترجیح نہ دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چونکہ جانتے تھے کہ آیت کریمہ اولات الاحمال الایہ متاخر ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے اس امر میں جس میں مزاحمت تھی اس کو ناسخ قرار دیا۔ لیکن آپ کے پاس کیا ایسی زبردست دلیل ہے جس کی رو سے آپ ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکو۔

اعلیٰ حضرت احتیاطی فیصلہ دینے کے قابل نہ رہے

آپ اس مقام میں کوئی احتیاطی بھی فیصلہ دینے کے قابل نہیں رہے کیونکہ یہ تو جب ہوتا کہ آپ اپنے قول کو احوط کہتے ہیں اور مخالف کی رائے کو غیر محتاط' آپ نے ستم یہ کیا کہ مسئلہ کو سنت وبدعت میں دائرہ کر دیا بلکہ اذان اندرون مسجد کو بارگاہ الٰہی کی بے ادبی وگستاخی فرما گئے۔ آپ کو یہ کب سزاوار ہے کہ یہ کہہ کر کہ (اذان علیٰ باب المسجد کی صورت میں دونوں پر عمل ہو جاتا ہے) کیونکر عقب گزاری کر سکتے ہو مخالف آپ کا یہ نہ کہے گا کہ حضرت احتیاط کو آپ سردست بالائے طاق رکھئے۔ آپ تو مسجد میں اذان کو بارگاہ الٰہی کی بے ادبی فرماتے تھے۔ اور یہ لیجئے وہ بین یدیہ جس کو آپ نے بھی عام فرمایا ہے اس کا عموم آج یہ ستم ڈھا رہا ہے کہ مسجد میں بھی اذان دینے سے نہیں روکتا۔ رہی آپ کی بدعت وبے ادبی اس کا اثبات آپ کے ذمہ لیکن بین یدیہ کے عموم سے آپ کو کہاں مفر؟ اس عموم نے تو اذان کو مسجد میں داخل کر ہی دیا گو کہ اس کا دخول غیر احوط ہی کیوں نہ ہو لیکن بدعت وکفر کے نرغہ سے تو نکل گیا۔ اس قدر تنزلات وارخاء عنان کے بعد دیکھنا چاہیے۔ اعلیٰ حضرت کیا جواب شافی عطا فرماتے ہیں کیونکہ یہ معیبت خود انہوں نے اپنے ہاتھ مول لی ہے۔ بقول شخصے کہ ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اعلیٰ حضرت مسلمانوں پر تشدد و سختی کرنے سے تائب ہو جائیں

صرف اس بحث کے تصفیہ سے تمام نزاع کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ براہ کرم اعلیٰ حضرت اس کا شافی جواب دیں ورنہ مسلمانوں پر تشدد و سختی کرنے سے تائب ہو جاویں۔ البتہ اپنے اتباع واذناب کو جس قدر چاہیں اجر تقسیم کریں ہم کو اس سے بحث نہیں لیکن اس بنا پر دوسروں کی تضلیل و تفسیق نہ فرمادیں۔

فہمائش پنجم

اعلیٰ حضرت نے لایوذن فی المسجد کے عموم پر خوب عمل کیا کہ اذان خطبہ تک بھی اس عموم کے تحت میں داخل کر دی لیکن ساتھ ہی اس کے کئی تصریحات فقہاء کرام کے عموم کا خون کر دیا ردالمحتار کی اس جلیل تصریح و ینبغی للموذن ان یوذن فی موضع یکون اسمع للجیران میں فی موضع عام ہے جس سے بداہۃ ثابت کہ اذان خواہ کسی جگہ ہو لیکن اسمع للجیران ہو- اعلیٰ حضرت کے نزدیک فی موضع سے خارج مسجد مراد ہے- ایک خون یہ ہوا- دوسرا یہ کہ بین یدیہ کو خود بھی عام مان کر کہ (اس میں کیا دھرا ہے یہ صرف محاذ کو چاہتا ہے خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر) اس کی تخصیص کر بیٹھے کہ اذان باب مسجد پر ہونا چاہئے- نہ اس سے آگے بڑھے نہ پیچھے ہٹے- اور اپنا قول فراموش کر گئے جو شخص اپنے تسلیم کردہ عموم کا اس بیدردی سے خون کرے اس سے عمومات فقہاء کرام کے خون کرنے کی کیا شکایت اعلیٰ حضرت نے لایوذن فی المسجد پر تو بظاہر عمل کیا لیکن یہ خیال نہ فرمایا کہ مصلحت اعلام فقہاء کرام کے نزدیک اس قدر وقیع ہے کہ موذن کو اعلام کی خاطر استدارہ اور گھومنے کی بھی اجازت دے دی- جس کی تصریح گذر چکی- اس کا فقرہ یہ ہے کہ ویستدیر فی المنارۃ ان لم یتم الاعلام بتحویل وجهه مع ثبات قدمیه-

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اندرون مسجد تھی

فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مقصود اعلام ہے خواہ کسی جگہ اور کسی طریق سے ہو حتیٰ کہ گھوم کر ہو یا مسجد میں یا مسجد کی چھت پر چنانچہ علامہ شامی نے اس کی تصریح ہی نہیں کی بلکہ حدیث صحیح سے مدلل کر دیا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہمیشہ سقف مسجد پر بعد تعمیر مسجد اقدس اذان دیا کرتے تھے فرمایئے- یہ اذان داخل مسجد ہوئی یا خارج مسجد مسجد کی چھت کی نسبت فقہاء کی تصریح ہے کہ وہ حکم میں مسجد کے ہے ہدایہ میں ہے-

لان سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح

الاقتداء منه بمن تحته ولا يبطل الاعتكاف بالصعود اليه ولا يحل للجنب الوقوف عليه- دیکھئے کیا تصریح جلیل ہے کہ مسجد کی چھت مسجد کے حکم میں ہے حتی کہ جو نمازی چھت پر ہیں- ان کا اقتداء صحیح چھت پر چڑھنے سے اعتکاف نہیں باطل ہوتا- جنبی کا وقوف وہاں جائز نہیں-

اب فرمایئے اس کے مسجد ہونے میں کیا شبہ رہا- نھایہ حاشیہ ہدایہ میں اس کی اور پختگی کر دی گئی- لان حكم المسجد فی السقف والهوا جميعا- یعنی چھت تو جائے خود رہی اس کی ہوا کو بھی مسجد کا حکم ثابت اس سے بڑھ کر فتح القدیر کی تصریح ہے کہ لان سطح المسجد له حكمه الی عنان السماء یعنی سقف مسجد سے لے کر آسمان تک جو اس چھت کی محاذات میں ہے حکم مسجد میں ہے- اس سے بداہتہ یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہمیشہ اندرون مسجد اذان دیا کرتے تھے- یہ بھی ہم نے تنزلاً کہا کہ نتیجہ نکلا ورنہ یہ نص خود اس بارے میں ناطق ہے کہ عہد اقدسؐ میں حضرت بلال دائمی طور پر اندرون مسجد اذان دیتے رہے-

اعلیٰ حضرت کا حضرت بلالؓ اور حضور اقدسؐ پر نہایت بے باکانہ حملہ

اب اگر مسجد میں اذان دینا بارگاہ الٰہی کی بقول اعلیٰ حضرت بے ادبی و گستاخی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہمیشہ بارگاہ الٰہی کی بے ادبی و گستاخی کرتے رہے- لطف یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو منع نہ فرمایا اور اس بے ادبی سے ان کو نہیں روکا اور گستاخی بھی ایسی گستاخی جو دائمی تھی- اور کس کی گستاخی بارگاہ الٰہی کی اور صادر کس سے ہوئی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اور اس کی اجازت کس نے دی- العیاذ باللہ اس مقدس ذات صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی بعثت کا اعلیٰ مقصد یہ تھا کہ تمام بندوں کی گردنیں مالک حقیقی کے سامنے خم کرا دیں- نعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا- اعلیٰ حضرت فرما دیں کہ لا یوذن فی

المسجد سے مرتبہ میں یہ تصریح کم تھی جو آپ تو اس کو نظر انداز کر گئے- اور یہ عظیم ترین قباحت آپ نے اختیار فرمائی- ان تمام ذلتوں کا سرچشمہ صرف ایک بات ہے کہ آپ نے مصلحت اعلام کو نظر انداز کیا' کیا تماشہ کی بات ہے کہ بعض فقہاء کرام لایوذن فی المسجد اعلام کی مصلحت سے فرمار ہے ہیں- اعلیٰ حضرت اس کی علت حق تعالی کی بارگاہ میں گستاخی قرار دے رہے ہیں- زہے اعلیٰ حضرتی وملائی-

تجلی سوم

اعلیٰ حضرت کے اس فقرہ (مجاہیل یا جہلہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق) پر یہ اعتراض ناظرین کو ضرور ہوگا کہ مصنف القول الاظہر گو مجہول یا جاہل سہی لیکن اعلیٰ حضرت بھی اگر ہیں تو صرف ایک مفتی- دوسرے مفتیان کرام برابر ہر سائل کا جواب دیتے ہیں اور یہ عذر سائل سے نہیں کرتے کہ چونکہ تم مجہول یا جاہل ہو تم سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق- حالانکہ سائل سے یقیناً علم و فضل میں ان کو فوقیت ہوتی ہے- اس خدشہ کو ناظرین اس طرح دفع کریں کہ دوسرے مفتیان کرام مثل اعلیٰ حضرت مجدد مانۃ حاضرہ نہیں ہیں- یہ صرف مجدد مانۃ حاضرہ ہی کو زیبا ہے کہ دینی مسئلہ میں بھی دنیوی وجاہت وجاہ وطمطراق کا لحاظ کر کے جواب دے- ورنہ پھر مجدد وغیر مجدد میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے گا-

بریلوی صاحب کا علماء عصر سے تقابل

اب اگر ناظرین کو کسی قسم کا خدشہ رہ سکتا ہے تو صرف یہ کہ منصب مجددیت ان کو کیسے حاصل ہوا- ظاہر ہے کہ محض فتویٰ نویسی اس کا سبب نہیں ہو سکتی- ورنہ ہندوستان کے تمام مفتیان کرام اس منصب عالی کے کیوں سزاوار نہیں- خصوصاً اسلامی ریاستوں مثل حیدر آباد دکن- بھوپال ٹونک وغیرہ کے مفتیان کرام کہ وہ منجانب ریاست خدمت فتویٰ نویسی کے لیے فارغ کر دیئے

گئے ہیں- اور جن کا شب و روز یہی کام ہے- اس وجہ سے یہ نہایت قرین قیاس ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت سے بھی زائد وسیع النظر ہوں- پس محض فتویٰ نویسی ہی اگر اس کا سبب ہوتی تو پھر مجددیت کا سہرا جاۓ اعلیٰ حضرت کے ان کے سر منڈھنا چاہیے-

خان صاحب نے کبھی تدریس کا خواب سا دیکھا تھا

رہی تدریس تو اس کا اعلیٰ حضرت نے کسی زمانہ میں صرف خواب ہی دیکھا ہے کہ وہ ان کو خواب پریشاں کی طرح یاد بھی نہ رہا- کثرت تالیفات کے باعث بھی وہ اس منصب کے مستحق نہیں ہو سکتے کیونکہ کثرت تعداد کی صورت میں کسی طرح وہ نواب صدر الدین حسین خان صاحب رئیس بڑودہ سے نہیں بڑھ سکتے- کہ جنہوں نے انسان کی ابتدائی حالت سے لے کر انتہا تک تدریجی مراتب سے بحث کرتے ہوئے اس کے اعمال و افعال کے متعلق نہایت مبسوط بحث اس طرح لکھی ہے کہ ہر عمل و فعل پر ایک رسالہ تحریر فرمادیا ہے- اس وجہ سے ان کا شمار تصنیف کئی سو ہو گیا ہے- اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے لطف یہ کہ تصانیف عموماً انسانوں اور خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کا پہلو لیے ہوئے ہیں- اس طرح کہ غیر مسلم کے دل میں اسلام کی خوبیاں راسخ ہوں اور مسلمان اپنے جادہ مستقیم پر ثابت قدم رہیں- ان میں بے دردی کے ساتھ تفریق بین المسلمین اور ان کی تکفیر و تفسیق و تضلیل کا سبق نہیں پڑھایا گیا بلکہ صلح اور اتفاق کا کافی درس دیا گیا ہے کہ جس کے فقدان کے باعث موجودہ نحوست مسلمانوں پر سوار ہے- اور دقت مضامین و کثرت افادہ و زیادتی حجم کے لحاظ سے اعلیٰ حضرت کی تالیفات کو حضرت مخدوم الانام عالی جناب استاذ نا المعظم مولانا مولوی حکیم حاجی سید برکات احمد صاحب مد ظلہم العالی و حضرت حقائق آگاہ عارف باللہ مولانا مولوی حاجی حافظ محمد انوار اللہ صاحب دامت برکاتہم معین المہام امور مذہبی صوبہ دکن کی تالیفات کے ساتھ سوائے تضاد کوئی نسبت نہیں ہر دو مخدوم کی تصانیف نہایت پر مغز و بے حد مفید ہیں کہ جو نہ صرف عوام کو

مفید بلکہ ان ہر دو بزرگوار کی بعض تصانیف [۱] سے خواص علماء بھی بے نیاز نہیں

۱- عام افادہ کی غرض سے ہم ان ہر دو نادرہ روزگار کی بعض مخصوص تصانیف کا نقشہ پیش کرتے ہیں تاکہ بے خبر حضرات مطلع ہو کر ان سے مستفید ہوں اور اجمالی طور پر ناظرین کو ان کی باوقعت تصانیف کا اندازہ ہو۔ اگرچہ ان میں سے بعض مقبول خاص و عام ہو چکی ہیں اور ہمارے تعارف سے قطعاً بے نیاز۔

فہرست تصانیف حضرت مولانا محمد انوار اللہ صاحب۔

نام کتاب	کیفیت
۱- انوار الورود فی مسئلہ وحدۃ الوجود	یہ مسئلہ وحدۃ الوجود میں قابل دید رسالہ ہے۔
۲- انوار احمدی	آداب زیارت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔
۳- انوار اللہ	ایک تحریر مرزائی کا دندان شکن جواب ہے۔
۳-	
۴- افادۃ الافہام ۲ جلد	مرزائی قادیان کی مشہور کتاب ازالۃ الاوہام کی تردید ہے
۵- کتاب العقل	عقل کی رو سے نقل کی اہمیت ثابت ہے
۶- حقیقۃ الفقہ ۲ جلد	مناقب امام اعظم و اثبات قیاس شرعی و تقلید میں بےنظیر کتاب ہے
۷- مقاصد الاسلام جلد ۱	شمس العلماء شبلی نعمانی کی مشہور کتاب الکلام پر محققانہ تنقید ہے۔
۹- " " ۲	
۱۰- " " ۳	
۱۱- " " ۴	
۱۲- " " ۵	
۱۳- " " ۶	اس میں طائفہ لامیہ کی فہمائش نہایت دلسوزی کے ساتھ کی گئی ہے۔
۱۴- " " ۷	
۱۵- " " ۸	
۱۶- مفاتیح الاسلام معاوی مرزا	نام کو تو تحفۃ الافہام کی فہرست ہے لیکن مرزائی قادیان کا نہایت کچھ مختصر خاکہ ہے۔
۱۷- بشریٰ الکرام	مولد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بے نظیر رسالہ ہے۔

تصانیف حضرت مولانا حکیم سید محمد برکات احمدؒ

نام کتاب	کیفیت
۱- الحجۃ البازغۃ فی تردید ہفوات الفلاسفۃ	فلاسفہ کی امہات مسائل کا ابطال کرکے جدید کلام کی بنیاد ڈالی ہے۔ تقریباً ۳۰ جز میں مطبع اشاعۃ العلوم حیدرآباد میں طبع ہوئی ہے۔
۲- رسالہ توحید	متکلمین و مشائیہ و صوفیہ کرام و اشراقیہ کا جداگانہ مسلک توحید بیان کر کے توحید وجودی ثابت کی ہے
۳- امام الکلام فی تحقیق حقیقۃ الاجسام	
۴- رسالہ وجود رابطی قدیم	
۵- رسالہ وجود رابطی جدید	
۶- تعلیقات علی التاریخ	
۷- حاشیہ حمد اللہ	
۸- تعلیقات و حاشیہ امور عامہ	
۹- حاشیہ بر میر زاہد رسالہ	
۱۰- حاشیہ ترمذی شریف	
۱۱- تعلیقات بر سنن دارمی	

ہو سکتے۔ غرض یہ وجہ بھی باعث مجددیت نہیں۔ ورنہ یہ ہر دو بزرگوار اس منصب عالی کے بہ نسبت اعلیٰ حضرت بہت زیادہ مستحق[1] ہیں۔

وہ فضائل جن پر چودھویں صدی کے مجدد کی تجدید کا مدار ہے

پھر آخر وہ کیا فضائل ہیں جس نے خاک پاک بریلی کے ایک مفتی کو مجدد بنا دیا۔ یہ ایک سوال ہے جو ناظرین کو حیرانی میں ڈال سکتا ہے۔ اس سوال کے حل کے لیے اعلیٰ حضرت کے بعض ایسے فضائل کا تذکرہ ہم نمبروار کرتے ہیں۔ جس سے ناظرین کے ہاتھ ایک دستور العمل آ جائے گا۔ کہ چودھویں صدی کی تجدید کے لیے یہ شرائط تھے کہ جو سوائے اعلیٰ حضرت کے کسی عالم و مفتی و عارف کو نصیب نہ ہوئے اور اس طرح ہمیشہ کے لیے ان کا یہ خدشہ رفع دفع ہو جائے گا۔

فضیلت ۱۔ پہلو دار گوئی

اعلیٰ حضرت اپنے مخالفین کو شدت غیظ میں بھی بجائے سب و شتم صرف پہلو دار بات سناتے ہیں۔ چنانچہ اپنے مقتل اجہل اکذب کے صفحہ ۱۲ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

انہیں کوئی پہلو دار لفظ کہا اور ان سنی مسلمان بننے والوں کی تہذیب میں آگ لگی۔

حقیقت میں یہ ان کی شان تجدید ہے۔ کہ بحالت غیظ بھی وہ فرط تحمل سے

۱۔ فقیر کی رائے میں باعتبار تقویٰ و صلاح و کثرت فیوضات و برکات اس دور کے حقیقی و اصلی مجدد یہی ہر دو بزرگوار ہیں کہ تمام اوصاف مجددیت ہر دو میں موجود ہیں۔ جس قدر سلسلہ تعلیم و تعلم و اقامت مدارس و اعانت اہل علم کا ظہور ان ہر دو چشمہ ہدایت سے ہوا اس کی نظیر فقیر کی نظر میں مفقود۔ باب تجدید میں فقیر ان حضرات کا متبع ہے جو ایک عصر میں تعدد مجددین کے قائل ہیں۔ اس عصر میں اگر کسی جگہ انہیں اوصاف کے ساتھ کوئی اور برگزیدہ ذات ہو ان کی تجدید کا بھی فقیر منکر نہیں۔ رسالہ میں ان ہر دو بزرگوار سے اس تجدید کی نفی کی ہے جو اعلیٰ حضرت کے ساتھ مخصوص ہے۔

صرف پہلو دار الفاظ استعمال فرماتے ہیں نہ کہ صریح سب و شتم ہم نے بھی ان کی بعض تصانیف کا مطالعہ کیا واقعی ایسے مواقع میں پہلو دار الفاظ معائنہ میں آئے کہ جو صرف ایک پہلو رکھتے ہیں۔ ان پہلو دار الفاظ میں آپ کو لفظ تین زیادہ مرغوب ہے۔ خلقت اس کو فحش و ایہام فحش و بازاری گفتگو کہتی ہے۔ مگر یہ اس کی غلطی ہے اور اعلیٰ حضرت کے ساتھ سو ظنی ہم ان کی بعض کتب سے حوالہ صفحات چند مثالیں پیش کرتے ہیں جس سے ناظرین خود فیصلہ کر لیں گے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ کوئی پہلو دار لفظ کہا یا عام مخلوق کا یہ گمان کہ وہ پہلو دار لفظ نہیں بلکہ فحش و بازاری گفتگو ہے۔ پہلے لفظ تین کے مختلف استعمالات پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت ممدوح صدر الصدور صاحب بالقابہ نے اور بھی آسانی دیکھی بدایونیوں کو دوہی کا جو تابو یا ملا تھا دہا یہ ورامپوری انہیں تین کا ملا۔ صفحہ ۳ اجل الرضا۔

تین چوٹوں پر تین روپیہ انعام فی چوٹ ایک روپیہ۔ مقتل کذب کید صفحہ ۵۶۔ تیسرا ان کے نصیبوں کا سب میں سیدھا۔ سد الفرار صفحہ ۱۱۔ اگر یہ کمال بے حیائی اپنی دو شقی میں وہ تیسرا احتمال داخل بھی کر لے۔ وقعات السنان صفحہ ۲۸۔ مسماۃ یہ تیسرا بھی کیسا ہضم کر گئی۔ وقعات السنان صفحہ ۴۶ تیسرا دونوں سے بڑھ کر معتز سد الفرار صفحہ ۵۶ یہی تینوں آگریہ نے ہضم فرمائے۔ سد الفرار صفحہ ۵۷ بیچ میں سے تین حرف کا جملہ پکڑ لیا۔ وقعات السنان صفحہ ۴۸۔ ہمارے اگلے تین پر پھر نظر ڈالیے۔ دیکھئے وہ رسلیا والے پر کیسے ٹھیک اتر گئے۔ وقعات السنان صفحہ ۵۲۔

باقی امثلہ کو بھی اسی پر قیاس کیجئے۔ اب وہ مثالیں پیش ہیں جن میں عدد تین کی پابندی نہیں ہے۔ اور پہلو دار ہونے میں امثلہ مذکورہ کے موافق ہیں۔

اس پر آگرہ والی یوں ٹھہرتی ہے۔ سد الفرار صفحہ ۱۶۔ آپ معمول مجہول کا پیوند جوڑ کر دخول کی مشکل آسان بھی کر لیں۔ سد الفرار صفحہ ۳۹۔ تمہارا نام

الف کے تلے لیں۔ وقعات السنان صفحہ ۷۱' ہے ہے' آدھی لکھی ہے ہے پوری نہ لی وقعات السنان صفحہ ۴۸۔ بھلے مانس کی صورت شیطان ملعون کی ٹانگ تلے آ کر کفر زبان سے نکال دیا۔ رسلیا والا بھی کیا یاد کرے گا کہ کسی کڑے سے پالا پڑا تھا۔ اب وہ کھولوں جس سے مخالف چندھیا کر پٹ ہو جائے۔ وقعات السنان صفحہ ۵۰۔ سب پر ابلیس ایک طرح سوار۔ دوسرا اور مسماۃ کی گرہیں کھولنے اترتا ہے۔ وقعات السنان صفحہ ۵۲ سوال ۳۴ میں فلاں و فلاں کے سوراخوں والا بیان نہ بھول جانا۔ وقعات السنان صفحہ ۵۴۔ انچاسواں رسلیا والے پر ٹھیک اتر گیا۔ وقعات السنان صفحہ ۵۶ مت کٹی کیوں نہیں جاری وقعات السنان صفحہ ۶۱ رسلیا کی چک پھیریاں تو گوہر کو بھی مات کر گئیں۔ اب مسلمان کے جھیلنے کو پھر کاوا کاٹتی ہے۔ وقعات السنان صفحہ ۶۹۔ یہ مثالیں بطور نمونہ پیش کی ہیں جن کو کل کے ساتھ ایک قطرہ کی نسبت ہے۔

بریلوی صاحب کے فحش کی نسبت خلقت کی غلط فہمی اور اس کا جلیل حل

ان الفاظ کی نسبت خلقت کہتی ہے کہ یہ صریح فحش ہیں اور اس وجہ سے اعلیٰ حضرت پر اس طرح طعن کرتی ہے کہ ایسے شخص کو نیکی کا اسفل درجہ بھی نہیں دیا جا سکتا نہ کہ معاذ اللہ اس کو شیخ وقت اور مجدد تسلیم کرنا کہ یہ ایسی زبردست سفاہت و حماقت ہے کہ اس کے بعد حماقت کا کوئی درجہ نہیں۔ اس بازاری گفتگو پر بھی اگر کوئی جماعت اس کو مقتداء تسلیم کر لیتی ہے تو پھر وہ بازاریوں اور پاک شہدوں کی کیوں نہیں معتقد ہو جاتی۔ جب کہ اس کے شیخ جیسے اوصاف ان میں بھی پائے جاتے ہیں اور کیوں نہیں سب کو مجددمات حاضرہ مانتی جب کہ صفت خاصہ میں دونوں کو اشتراک ہے لیکن خلقت کا یہ اعتراض ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اصل یہ ہے کہ خلقت کی اصطلاح میں فحش وہ ہے جس کی طرف ذہن کا انتقال فی الجملہ ہو جائے خواہ لفظ اس کے لیے موضوع ہو یا نہ ہو۔ پھر انتقال قریب ہو یا بعید۔ قرب کی صورت میں بطور لازم بین کے ہو یا نہ ہو۔ اس کی طرف تبادر عرفاً و حقیقتہً ہو یا نہ ہو سب فحش میں داخل ہیں اور اس وجہ

سے خلقت اس سے محترز بھی رہتی ہے- اعلیٰ حضرت کے نزدیک فحش کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ لفظ خاص فحش کے لیے موضوع ہو- اور اس کے سوا کسی دوسرے معنی کی طرف ذہن منتقل ہی نہ ہو- بلکہ کھونٹی کی طرح اسی پر جم کر رہ جائے- بس صرف یہ فحش ہے اور باقی اقسام سب پہلو دار میں داخل ہیں- اس خلاف کا ثمرہ یہ نکلا کہ الفاظ مذکورہ خلقت کے نزدیک فحش ہیں تو اعلیٰ حضرت کے نزدیک پہلودار' خلقت کہتی ہے کہ (تین چوٹوں پر تین روپیہ انعام فی چوٹ ایک روپیہ) صریح فحش ہے کہ اس میں صراحۃً امر مذموم کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے- اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ لفظ چوٹ ایک خاص قسم ضرب کی لیے موضوع ہے خواہ وہ پتھر کی پتھر کے ساتھ ہو یا لوہے کی لوہے کے ساتھ- اب اس سے خواہ مخواہ تم وہ خاص بات سمجھ لو تو یہ تمہارے ذہن کا قصور ہے- اسی طرح لفظ تین خاص عدد کے لیے موضوع ہے- چوٹ کے ساتھ اس کے اقتران سے کوئی جدا معنی نہیں پیدا ہوئے جو حالت انفراد تھے- وہی اب رہے- پس اس میں قباحت کیا ہوئی-

خان صاحب کے نفیس محاورات

اس طرح خلقت ان پر طعن کرتی ہے کہ اس فقرہ (اگر بحمال بے حیائی اپنی دو شقی میں وہ تیسرا داخل بھی کر لے) میں سراسر فحش ہے کہ اولاً دو شقی کے ساتھ لفظ تیسرا ہی فحش بنا دینے کے لیے کیا کم تھا جو داخل اور بے حیائی بڑھا کر اس کو اور چار چاند لگا دئے- لیکن اعلیٰ حضرت کے لیے یہ کافی عذر ہے کہ حالت انفراد کسی میں فحش نہیں- البتہ ان لفظوں کے اجتماع سے ایسے لطیف معنی پیدا ہو گئے جس سے فحش متبادر ہونے لگا- لیکن محض تبادر فحش کے لیے کافی نہیں تاوقتیکہ فحش پر اس کا اقتصار و حصر نہ ہو- ورنہ اشتراک کی صورت میں بھی فحش نہ رہے گا- یہ خلقت کی زیادتی ہے کہ وہ ایسے نفیس محاورات کو ادنیٰ انتقال ذہنی پر فحش کہنے لگی- اور اتنا خیال نہ کیا کہ کسی کلام کا فحش ہونا کوئی دل لگی نہیں ہے کہ معمولی تبادر ذہنی سے وہ فحش ہو جائے بلکہ تبادر کے ساتھ کلام

کے فحش ہونے میں وضع و نفی اشتراک کی ضرورت ہے۔ البتہ اس قسم کا کلام پہلودار قرار دیا جاسکتا ہے۔

فحش محاوروں پر اعلیٰ حضرت اور شہدوں کا توارد

اسی طرح خلقت بے محل یہ طعن کرتی ہے کہ یہ جملہ (اف ری رسلیا تیرا بھولا پن۔ خون پونچھتی جا اور کہہ خدا جھوٹ کرے) سراسر فحش ہے کہ یہاں تبادر کے علاوہ وضع بھی ہے کہ خاص لفظ خون کا آگیا۔ اور پھر لفظ پونچھنے اور خدا کے جھوٹ کرنے نے تو اس فحش میں جان ڈالدی لیکن یہاں بھی اعلیٰ حضرت کہہ سکتے ہیں کہ بحالت انفراد کسی لفظ میں فحش نہیں لفظ خون اختلاط خاص کے لیے موضوع کہ جس کا استعمال تمام کتب طبیہ میں آتا ہے۔ آخر قتل کو بھی لوگ خون ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیا یہ بھی فحش ہے۔ اسی طرح لفظ پونچھنے کو سمجھیے۔ باقی رہا یہ کہ عام طور پر پاک شہدے اس کو مقام فحش میں استعمال کرتے ہیں تو اس سے اعلیٰ حضرت پر کیا الزام۔ الزام تو جب ہوتا کہ اعلیٰ حضرت ان سے سیکھ کر لکھتے۔ اور جب کہ ایک محاورہ پر دونوں کو توارد ہو جائے۔ تو اس صورت میں اعلیٰ حضرت سے طعن مرتفع ہو جائے گا۔ کہ وہ تقلیداً کہتے ہیں اور اعلیٰ حضرت اجتہاداً

اعلیٰ حضرت کی ایک عظیم الشان خرق عادت

خلقت کی زیادتی دیکھو کہ وہ اس فقرہ (تیسرا ان کے نصیبوں کا سب میں سیدھا) کو بھی فحش سمجھ بیٹھی' حالانکہ یہ تقدس مآب فقرہ نسبتہً بہت کم وزن ہے۔ اعلیٰ حضرت کے حقانی جوش کو لحاظ کرتے ہوئے صرف اس قدر خفیف و ہلکے فقرہ کا صدور در حقیقت اعلیٰ حضرت کی ایک عظیم الشان خرق عادت ہے۔ محض اس وجہ سے کہ تیسرے کے ساتھ سیدھے کا اقتران ہوگیا۔ یہ فقرہ کیونکر فحش بن سکتا ہے۔ اگر بالفرض تین چیزوں میں صرف ایک چیز سیدھی ہو تو اس کا طریق ادا بجز اس طریق کے اور کیا ہے۔ اگرچہ اس مضمون خاص کو اس

طرح بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ (تیسرا سوال یا جواب بالکل صاف و سیدھا ہے)
لیکن لفظ سوال یا جواب کے حذف اور نصیبوں کی زیادتی سے جو لطافت پیدا ہو گئی
ہے اور فقرہ میں جان پڑ گئی ہے اس کا یقیناً اس طرز بیان سے خون ہو جاتا۔
خلقت تہذیب کی دلدادہ ہے اور اعلیٰ حضرت لطافت کے شیدائی۔ ہر دو کا
اختلاف مذاق باہمی مخالفت کا باعث ہوا۔ ورنہ بات کچھ نہ تھی

خان صاحب بالجبر اپنے تقدس کا سکہ اور اپنی مجددیت کی دھونس بٹھا رہے ہیں

اب اسی کو دیکھئے اردوئے معلیٰ کی اصلی شان کے اظہار کے لیے اعلیٰ
حضرت نے یہ فقرہ استعمال فرمایا۔ کہ (لب وہ کھولوں جس سے مخالف چندھایا
کر بیٹ ہو جائے) خلقت بجائے اس کے کہ اس پر نعرہ آفریں بلند کرتی۔ اور اعلیٰ
حضرت کی اردو دانی کی تعریف و تحسین کرتی وہ الٹا ان پر طعن کرتی ہے کہ یہ
بازاری فقرہ ہے جس میں فحش بھی ہے کہ جو شایان شان علم نہیں خصوصاً ایسے
شخص سے اس کا صدور نہایت قبیح ہے جو ایک عالم پر بالجبر اپنے تقدس کا سکہ بٹھا کر
لوگوں کو بیدریغ دھڑا دھڑ مرید کر رہا ہے۔ اور صرف اسی پر قانع نہ ہو کر اپنی
مجددیت کی بھی دھونس بٹھا رہا ہے۔ ایسے شیخ وقت اور پیر فانی کی زبان و قلم سے
ایسے سوقیانہ جملے نکلتے ہوئے دیکھ کر خیال ہوتا ہے۔ کہ اب قیامت آنے میں اگر
کچھ دیر ہے تو صرف چند لمحات کی' لیکن درحقیقت اس طعنہ زنی کا سبب خلقت
کی عام بدمذاقی اور اردوئے معلیٰ سے ناواقفیت ہے۔ خلقت تہذیب و شائستگی میں
ایسی سرشار ہے کہ اس کی دھن میں افسوس ہے کہ فقرہ کی لطافتوں پر مطلع نہ ہو
سکی۔ اس کو اتنی بھی خبر نہیں کہ یہ فقرہ کس جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ جس مقام کا
یہ فقرہ ہے وہاں اس سے پیشتر اعلیٰ حضرت اپنے اثبات دعوی پر الٹے سیدھے
کچھ دلائل بیان فرما چکے تھے۔ اس کے بعد وہ وقت آیا کہ اعلیٰ حضرت اپنی
تحقیقات خاصہ کا مینہ برسائیں کہ جس سے مخالف کو جائے دم زدن نہ رہے۔ اس

مضمون کی ادائیگی میں اعلیٰ حضرت نے فقرہ مذکورہ کو استعمال فرمایا ہے کہ یہ مضمون محض اس جملہ سے بھی ادا ہو سکتا تھا کہ (اب وہ تحقیقات نفیسہ بیان کروں جن کے سامنے مخالف بھی سر تسلیم خم کر دے۔ اور بجز سکوت اس کو چارہ نہ ہو) لیکن (تحقیقات بیان کروں) سے زیادہ فصیح (کھولوں) ہے کہ اس میں ایک سر مکنون کی طرف لطیف اشارہ بھی ہے۔ پہلا جملہ اس ایہام و اشارہ سے عاری ہونے کی وجہ سے اس قابل نہ رہا کہ اعلیٰ حضرت کی فصاحت مآب تحریر میں آتا۔ اعلیٰ حضرت جیسے بزرگ و شیخ کے سر مکنون پر نفس اطلاع ہی انسان کے متحیر وبد حواس ماننے کے لیے کافی ہے نہ کہ برای العین اس کا مشاہدہ پھر بیچارے کی آنکھیں چندھیا کر پٹ نہ ہو جاویں۔ تو پھر وہ کون سا ہولناک منظر دنیا میں ایسا ہے کہ جس سے پٹ ہوں گی۔ اب فرمائیے کہ یہ جملہ زیادہ بلیغ ہے کہ جس میں اس قدر لطافتیں کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہیں۔ یا وہ سیدھا سادہ خشک جملہ جس کو خلقت اپنی عام بد مذاقی کے باعث پسند کرتی ہے۔ ہم تو اعلیٰ حضرت کی پہلو دار گوئی کے قائل ہیں۔

اعلیٰ حضرت کا پر لطف ارشاد

کیا پر لطف ارشاد ہے کہ (آپ معمول مجھول کا پیوند جوڑ کر دخول کی مشکل آسان بھی کر لیں) حضرات علماء کرام بدایوں کو اذان کے داخل مسجد ہونے پر اصرار تھا۔ اعلیٰ حضرت کی لطافت طبع دیکھو کہ لفظ دخول کی مناسبت سے کہاں سے کہاں پہنچے۔ یہ ہیں اعلیٰ حضرت کے لطائف جن کے سمجھنے کے لیے خلقت نے کبھی زحمت گوارانہ کی۔ اس پر اعلیٰ حضرت کو جس قدر اس سے شکایت ہو جا ہے اعلیٰ حضرت خلقت کی عام بد مذاقی کا لحاظ کرتے ہوئے بعض اوقات کنایہ کو خیر باد کہہ کر تصریح اختیار کر بیٹھتے ہیں اور اس طرح کلام پہلو داری کی حد سے نکل جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے (رسلیا کی چک پھیریاں تو گوہر کو بھی مات کر گئیں۔ اب مسلمان کے چھلنے کو پھر کاوا کاٹتی ہے) یہاں ممکن تھا کہ گوہر سے موتی مراد لے لیتے لیکن لفظ چھلنے اور کاوا کاٹنے اور چک پھیریاں نے اس

طرف رہبری کردی جو اعلیٰ حضرت کی عین مراد ہے۔

خان صاحب کی فحش گوئی سن کر بازاری اوراوباش تک کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں

خلقت کے ایک نفیس طعن کو سنو! وہ کہتی ہے کہ ان فقرات۔

(اس پر آگرہ والی یوں نکھرتی ہے۔ وہی بدایونیہ کا حربہ مساۃ یہ تیسرا بھی کیسا ہضم کر گئی۔ دوسرا اور مساۃ کی گرہیں کھولنے اترتا ہے۔ مت کٹی کیوں نہیں جاری)

میں فحش اور سوقیت کے علاوہ حضرات علماء کرام کی غایت درجہ کی تحقیر و توہین بھی ہے کہ ایسے حضرات کو جو عباد الرحمٰن اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارث ہیں صاف لفظوں میں مونث کہا گیا ہے کہ جس کو سن کر بازاری و اوباش تک کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ اب اس کے بعد وہ کون سا درجہ ہے جس کی بنا پر اعلیٰ حضرت کو فحش کو قرار دیا جائے دنیا میں جب اعلیٰ درجہ کا فحش گو اپنے انتہائی فحش گوئی کی نمائش کرتا ہے تو اس کی فحش گوئی کا خاتمہ بھی ایسے جملوں پر ہوتا ہے جن کا صدور آئے دن اعلیٰ حضرت کی ذات سے علماء کرام کی شان میں ہوتا رہتا ہے۔ فرق ہے تو صرف اس قدر کہ اس کی فحش گوئی کے لیے کوئی طائفہ مخصوص نہیں اور اعلیٰ حضرت کی فحش گوئی کا مورد خاص علماء کرام کا طبقہ ہے۔ محض اس فرق کی بناء پر اعلیٰ حضرت فحش گوئی کے دائرہ سے کیونکر خارج ہو سکتے ہیں۔

بریلوی صاحب اور مشرکین عرب کا اتباع

لیکن ہم کو خلقت کے اس طعن پر کلام ہے۔ در حقیقت یہ فقرات نہ فحش ہیں نہ ان میں سوقیت۔ اعلیٰ حضرت نے یہ فقرات اوباش و بازاریوں سے سیکھ کر نہیں تحریر فرمائے بلکہ ان حضرات کا تتبع اور تقلید کی ہے جن کی شان میں یہ آیت کریمہ وارد ہوئی ہے۔ وجعلوا الملئکة الذین هم

عبادالرحمن اناثا (الزخرف)- ان حضرات اور اعلیٰ حضرت میں فرق ہے تو بس اس قدر کہ انہوں نے ملائکہ کو اناث قرار دیا- اعلیٰ حضرت نے علماء کرام کو' باقی عبادالرحمٰن کو دونوں مونث کہتے ہیں کہ ملائکہ کی طرح حضرات علماء کرام بھی عبادالرحمٰن ہیں- حقیقت تو ہے یہ لیکن خلقت اپنے زعم باطل میں گرفتار ہے کہ اس کی نظیر اعلیٰ حضرت کی فحش گوئی پر مقصور ہے- کہ اس سے ایک قدم آگے نہیں بڑھتی- الحمدللہ تعالی ہماری اس تقریر سے خلقت کے تمام اعتراضات کا قلع قمع ہو گیا-

ہماء غیظ و غضب صرف نفس پروری ہے

اب اگر خدشہ باقی رہا تو صرف یہ کہ اعلیٰ حضرت نے پہلو دار گوئی کو اس طائفہ کے لیے مخصوص کیا تھا جو ان کی تحقیق میں اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو العیاذ باللہ گالیاں دینے والا ہے- چنانچہ اپنے مقتل اجہل اکذب صفحہ ۱۲ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ (وہ خبثا تو اللہ اور رسول کو کھلی گالیاں دیں اور انھیں کوئی پہلو دار لفظ کہا) لیکن سد الفرار و مقتل کذب وکید وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ان سنی علماء سے بھی پہلو داری کا وہی برتاؤ کیا جو گالیاں دینے والوں کے ساتھ تھا کہ جس میں سرمو تفاوت نہیں حالانکہ ان سے اگر خلاف ہے تو صرف مسئلہ اذان میں جس کو خود اعلیٰ حضرت ایک فرعی مسئلہ قرار دیتے ہیں- اس سے خلقت یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی نظر میں مخالف غیر مخالف سب برابر ہیں- خواہ اللہ و رسول کو گالی دینے والا ہو یا ان کے ساتھ کسی مسئلہ فرعی میں خلاف کرنے والا- ان کو دونوں پر یکساں غیظ آتا ہے- اور یہ تو صرف اعلیٰ حضرت کا حیلہ ہے کہ محبت خدا اور رسول مجھ کو پہلو دار گوئی پر آمادہ کرتی ہے- در حقیقت اپنی مخالفت اعلیٰ حضرت کو زہر معلوم ہوتی ہے- اس کے بعد ان کو ایسا طیش آتا ہے کہ پھر وہ نہیں دیکھتے کہ اس کا خلاف کسی اہم مسئلہ میں ہے یا فرعی حکم میں- ہماء غیظ و غضب صرف خود داری و نفس پروری ہے- البتہ اپنے خداداد جوہر قابلیت کے ذریعہ اعلیٰ حضرت

خوبصورتی کے ساتھ کھینچ تان کر کے اس کو بالجبر خدا اور رسول کا مخالف بنا دیتے ہیں۔ اور اس طرح ان کے تمام مخالف یکساں بر تاؤ کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اس خدشہ کا جواب خود اعلیٰ حضرت نے اپنے مقتل اکذب اجہل صفحہ ۲۱ میں اس طرح دیا کہ (ان سنی نماؤں کی تہذیب کو دھکا لگا) مطلب یہ کہ اس فرعی مسئلہ میں خلاف کرنے والے بھی سنی نہیں بلکہ سنی نما ہیں۔ اس وجہ سے یہ بھی پہلو داری کے گھاٹ اتارنے کے لائق ہیں۔ چلئے قصہ ختم شد

دنیائے سنیت کا واحد ٹھیکیدار

اصل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت سنیت کے بلا شرکت غیر مالک ہیں اور دنیائے تسنن میں ان کا دور حکومت ہے، جس کو چاہیں دائرہ سنیت میں رکھیں اور جس کو چاہیں نکال باہر کر دیں۔ سنیت ان کی مملوک اور حنفیت ان کی جاگیر۔ اب دنیا میں کسی کو حق نہیں کہ بغیر اتباع و مشورہ اعلیٰ حضرت سنیت کا بطور خود مدعی ہو سکے وہ زمانہ گزر گیا۔ جب کہ سنیت و حنفیت کسی شہر و ملک و اقلیم کی پابند نہ تھی اب بریلی کے سوداگری محلہ میں جا کر سنیت نے اپنے کو اعلیٰ حضرت کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ اگر کسی کو سنیت سے فائدہ اٹھانا اور اس طرح سنی بنا ہے تو اس کو لازم ہے کہ بریلی جا کر سوداگری محلہ کا طواف کرے۔ کیا عجب ہے کہ سنیت سے کچھ اس کو بہرہ ملجائے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

فضیلت ۲۔ تکفیر

خلقت آپ کی اس فضیلت سے بے حد نالاں ہے وہ کہتی ہے کہ دنیا میں شاید کسی نے اس قدر کافروں کو مسلمان نہیں کیا ہوگا جس قدر اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کو کافر فرمایا۔ طعن کی تو بات اور ہے مگر در حقیقت یہ وہ فضیلت ہے جو سوائے اعلیٰ حضرت کے کسی کے حصہ میں نہیں آئی۔

ایں جنس گرامی ہمہ کس راند ہند

سرزمین ہند میں شیوع اسلام دراصل ان پاک اور مقدس ہستیوں کے جذب روحانی کا ثمرہ ہے جو اپنے دل میں اسلام کا درد اور اپنے سینوں میں مسلمانوں کی سچی محبت رکھتے تھے- اور شان رافت و رحمت کے مظہر اتم تھے- جنہوں نے اپنی جانکاہ اور ان تھک کوششوں سے اس زمین میں تخم اسلام بویا جو آخر کار ان کے حسن اخلاص کی برکت سے پھلا اور پھولا- اور نونہال کی شکل میں آکر ایک عظیم الشان تناور درخت ہو گیا- جس کے زیر سایہ اب چھ یا سات کروڑ مخلوق بستی ہے- یہ حضرات جن کے مقدس ہاتھوں سے باب رشد و ہدایت کھلا صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالی کا طبقہ عالیہ ہے' جن کی مساعی جمیلہ کی تہ میں ایک غیبی ہاتھ کام کر رہا تھا- وہ حضرات عموماً مخلوق کے حق میں سراسر رحمت تھے- کیونکہ ان کے پیش نظر یہ حدیث تھی- کہ انما یرحم اللہ من یرحم (کنز العمال) ان کے اطوار سے غیظ و غضب کے بدلے رحم و رافت کی شان نمودار تھی کیونکہ یہ حدیث من لا یرحم المسلمین لا یرحمہ اللہ (کنز العمال) ان کا ایک اساسی اصول تھا جس پر ان کے تمام کام چلتے تھے- وہ ہر ایسی بات سے جو کسی کے شیشہ دل کو سنگ گراں کی طرح چور کر دے- نہ صرف محترز رہتے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے باز رکھتے تھے وہ جانتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان اللہ لایحب کل فاحش متفحش (کنز العمال) وہ اس شخص کو بدترین خلق سمجھتے تھے جس کی بے ہنگام زبان اور فحش گوئی کی بدولت یہ گت ہو جاتی کہ خلقت اس کی طرف رخ نہیں کرتی- کیونکہ ان کو اس حدیث ان من شر الناس من ترکہ الناس اتقاء فحشہ (کنز العمال) سے کافی آگاہی تھی- ان کا دامن عجب و تعلی کے بدنما دھبہ سے بالکل پاک تھا- ان کے اعمال صالح تھے لیکن زبان ساکت تھی ان کا کوئی لمحہ ذکر و فکر سے خالی نہیں جاتا تھا لیکن اس کی مدح کی عوض زبان پر قفل تھا- وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کار بند تھے- کہ من حمد نفسہ علی عمل صالح فقد ضل

شکرہ وحبط عملہ (ابو نعیم) ان کے تمام اعمال اخلاص سے شگفتہ تھے وہ سب کچھ کرتے تھے لیکن کہتے کچھ نہ تھے۔ ان کا یہ طریق عمل نہ تھا کہ کہیں سب کچھ اور کریں خاک نہیں۔ وہ مقدس ہستیاں دنیا میں اس لیے آئی تھیں کہ کفر کی تلخی کو ایمان کی حلاوت سے بدل دیں اور ایمان کے حبل متین کو اور زیادہ مظبوط کر دیں۔ انہوں نے کسی مسلمان کو کافر نہیں بنایا بلکہ بیشمار کافران کے انفاس قدسیہ کی بدولت نعمت اسلام سے مشرف ہوگئے۔ وہ جبل وقار وکوہ حلم تھے کہ خلقت کے عیوب کی پردہ دری نہیں کرتے تھے۔ بلکہ تحکم تخلقوا باخلاق الله شان ستاری کے کامل مظہر تھے۔ وہ عیب پوشی کے ذریعہ عیوب کا قلع قمع کرتے تھے۔ خلقت کو اس کے عیوب پر مطلع بھی کرتے تو رحم و تلطف کے ساتھ ان کے جرائم کا اظہار بھی کرتے تو پردہ کے ساتھ کیونکہ وہ روحانی طبیب تھے وہ عیب جوئی سخت گوئی کے ذریعہ عیب وفحش کو رواج دینے نہیں آئے تھے وہ لاتجسسوا ولا تبا غضوا وکونوا عباداللہ اخوانا۔ کی بے شمار مصلحتوں پر مطلع تھے۔ اس کی خوبیوں واسرار سے واقف تھے۔ تیرہ سو سال تک رحم ورافت کا یہی دور رہا۔

چودھویں صدی کے دعویدار تجدید خان صاحب میں رأفت ورحمت کے بدلے خشونت وغلظت

اس سے خلقت نے یہ نتیجہ نکالا کہ ایک ہادی برحق اور خصوصا مجدد کے لیے وہ صفات ہونا چاہیں جو ان پچھلے برگزیدہ حضرات میں تھیں۔ اب اسی کو وہ اصلی معیار قرار دے کر سوال کرتی ہے کہ اس چودہویں صدی کے دعویدار تجدید میں یہ اوصاف ہیں تو وہ اپنی بدقسمتی سے سب کا جواب نفی میں پاتے ہیں اس کی مزید توضیح کے لیے ہم سلسلہ سوالات وجوابات قائم کرتے ہیں۔

سوال-۱: اس دور کے مجدد میں۔ کیا شان رافت ورحم ہے؟ اعلیٰ حضرت کا طرز بیان وطریق عمل دونوں جواب دیتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ عالی میں

کبھی رافت ورحم کو حاضری کی تک اجازت نہیں دے گئی۔ ان پر لطف وکرم جائے خود رہا۔ البتہ رافت ورحم کے بدلے خشونت وغلظت آپ کے دربار میں بازیاب ودخیل ہیں' انہیں کے مشورہ واصلاح سے آئے دن امت مرحومہ کے حق میں قہری فرمان صادر ہوتے رہتے ہیں۔

سوال۔ ۲: اس دور کے مجدد نے کس قدر اسلامی تعداد میں اضافہ کیا۔

جواب کفر کی تعداد میں بے شمار اضافہ کر دیا اور اسلام کو قریب اپنے زعم میں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

سوال۔ ۳: مدعی تجدید کے قول وفعل میں کہاں تک مطابقت ہے۔

جواب: ان کا قول سد الفرار صفحہ ۲ میں اپنی نسبت یہ ہے کہ وہ جس نے کبھی شہرت نہ چاہی وہ جس نے ہمیشہ اسباب شہرت سے نفرت رکھی اس قول پر آپ اجل الرضا لکھتے وقت اس طرح عمل پیرا ہوئے کہ یہ جملہ آپ کے قلم سے تراوش کر گیا کہ مجاہیل یا مہملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق مطلب یہ کہ شہرت بہت اچھی چیز ہے۔ اور ہم مشہور ومعروف ہیں۔ اور مجہولیت وغیر معروفیت ایسا سنگین جرم ہے جس کی وجہ سے ترک کلام بھی درست ہے۔

سوال ۴: شان تواضع کا اس چودھویں صدی کے مجدد نے کیا نمونہ دکھایا؟

جواب: اس کے متعلق سد الفرار صفحہ ۲ کی یہ عبارت دیکھو کہ اس کے ساتھ عداوت نہ ہوگی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت عزت میں رکاوٹ ڈالنی۔ مطلب یہ کہ میری ایسی ذات ہے جس کی حمایت سے (العیاذ باللہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت محفوظ ہے بھلا اس سے بڑھ کر کیا شان تواضع ہو سکتی ہے۔

سوال۔ ۵: مجدد صاحب کا مخلوق کے ساتھ طرز گفتگو کیا ہے۔

جواب: طرز گفتگو وانداز کلام یہ ہے کہ (تین چوٹوں پر تین روپیہ انعام فی چوٹ ایک روپیہ) اور (اف رے رسلیا تیرا بھولا پن خون پونچھتی جا اور کہہ خدا جھوٹ کرے۔

سوال-۶ : دعویدار تجدید خلقت کے عیوب سے اغماض بھی کرتے ہیں ؟

جواب- عیب پوشی دوسری چیز ہے جو واقع میں جرم نہیں ہوتا اس کو جرم کی صورت میں ظاہر کرنے کے عادی ہیں- اسی کو دیکھئے کہ جب علماء کرام بدایوں کی تحرایرات مناظرہ میں ان کی پوری کھینچ تان کے بعد بھی کفر نہ ملا تو شمس العلوم کے پرچے منگا کر ان پر زبردستی کفر تھوپ دیا-

سوال-۷ : مدعی تجدید حق تعالی کی قائم کردہ حدود سے کہیں متجاوز تو نہیں ہیں ؟

جواب- حق تعالی کی نزدیک مجہولیت و غیر معروفیت کوئی جرم نہیں لیکن مدعی تجدید کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے کہ جس کی بدولت غیر معروف طالب ہدایت تخاطب سے بھی محروم کیا جا سکتا ہے گو کہ وہ تخاطب غضب آمیز ہی سہی- چنانچہ مدعی صاحب کا ارشاد ہے کہ مجاہیل یا جہلہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق-

سوال-۸ : مدعی تجدید کلمات دل آزاری تو نہیں استعمال فرماتے ؟

جواب- ان کے ملفوظات طیبات میں سے یہ دو جملے ہیں- ان سے اندازہ کر لیجئے- بھلے مانس کی صورت شیطان ملعون کی ٹانگ تلے آکر کفر زبان سے نکالدیا- ۲ سب پر ابلیس ایک ہی طرح سوار-

ان وجوہ سے خلقت کو اعلیٰ حضرت سے سوء زنی ہو گئی ہے اور وہ اعلیٰ حضرت کو ان کے چند مشنری کی طرح باضابطہ مجدد نہیں تسلیم کرتی اور سب سے زیادہ وہ ان کی مقدس تکفیر سے بدکتی ہے لیکن ہم محض تکفیر ہی کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کو مجدد مانتے ہیں-

بریلوی صاحب کی مجددیت پر زبردست برہان

ان کو مجدد نہ ماننے والے حضرات ہم پر طعن نہ کریں- خصوصاً جب کہ اس پر ایک زبردست برہان بھی ہم قائم کر دیں اصل بات یہ ہے کہ حضرات صوفیائے کرام کے مسلک پر دنیا میں اسماء الٰہی کا ظہور ہے اور اس طرح تمام عالم

مظہر اسماء الٰہی ہے اس حکم سے عالم کا ایک ذرہ مستثنیٰ نہیں۔ پس جب کہ حق تعالیٰ ذوالجلال والاکرام ہے تو جس طرح اسم اکرام کا ظہور عالم میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہا۔ اسی طرح کسی دور میں اسم جلال کا ظہور ہونا چاہیے۔ جب تک دنیا میں عام طور پر نیکی کا بدی پر غلبہ رہا یا کم از کم دونوں حد اعتدال پر رہیں اس وقت تک اسم رحیم واسم اکرام کا ظہور رہا اور اس وجہ سے مجدد بھی آئے تو ایسے کہ جو مظہر کرم ورحم تھے۔ اس چودھویں صدی میں چونکہ بدی کا پلہ بہت گراں ہو گیا اور لوگوں کی شامت اعمال کی بدولت قحط ووبا اور ایسے امراض ظاہر ہوئے کہ جن کے ذکر سے تمام کتب طبیہ عاری ہیں ایسی حالت میں ضرورت تھی کہ ایسے زمانہ کے لیے مجدد بھی ایسا منتخب ہو کہ اگر تمام مصائب ایک طرف اور اس مجدد کی مصیبت عظمیٰ ایک طرف ہو تب بھی پلہ اس مصیبت کا گراں رہے جو مجدد کے دست کرم سے مخلوق کو پہنچے اس لحاظ سے اعلیٰ حضرت اس چودھویں صدی کے مجدد بھی اور مظہر اسم جلال بھی ہیں۔

اعلیٰ حضرت کی ذات عذاب الٰہی

خلقت بجائے اس کے کہ وہ مجدد صاحب کے سخت برتاؤ دیکھ کر اپنے اعمال بد سے تائب ہوتی اور اس قہر الٰہی سے بچنے کے لیے بارگاہ الٰہی مین خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگتی وہ اور الشاان کی تجدید میں کلام کرنے لگی اس باہمی گفتگو و بحث و مباحثہ سے اس مصیبت کا ہرگز خاتمہ نہیں ہو سکتا' تاوقتیکہ توبہ و استغفار کے ساتھ بارگاہ ذوالجلال والاکرام میں جبہہ سائی نہیں کی جاوے خلقت اپنے پر عذاب مسلط دیکھ کر بھی بچنے کی راہیں اختیار نہ کرے تو یہ قصور خلقت کا ہے نہ کہ اعلیٰ حضرت مجدد صاحب کا آپ تو تام خدا مظہر اسم جلال ہیں۔ قاعدہ کی رو سے تو سوائے قہری خطابوں کے آپ کی بارگاہ سے کچھ صادر نہیں ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور سے آپ کے مشنری آپ کو صاحب الحجۃ القاہرہ تحریر کیا کرتے ہیں۔ اس میں یہی راز ہے جو عاجز نے عرض کیا۔ ہم خلقت سے پوچھتے ہیں کہ اگر اعلیٰ حضرت مظہر اسم جلال نہیں ہیں تو پھر وہ بتائے کہ

ہندوستان کا وہ کونسا خطہ ہے جہاں آپ کا شرارہ جلال نہیں گرا اور وہ کون سی انجمن یا مدرسہ ہے جو آپ کے شرارہ جلال سے محفوظ رہا۔ اور وہ کون سا ایوان اتحاد ہے جس کو آپ کے سنگ قہر نے توڑ کر پارہ پارہ نہیں کر دیا اگر خلقت بتا نہیں سکتی تو پھر ان کو مظہر اسم جلال تسلیم کرنے میں کیوں دریغ کرتی ہے خلقت اتنا نہیں سمجھتی کہ اعلیٰ حضرت وہ مظہر اسم جلال ہیں کہ ان کا شرارہ جلال اماء عصر سے گذر کر دور سابق تک تجاوز کر گیا ہے۔ اگر اس کو یقین نہ ہو تو ہم اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ وہ خلقت کا کسی قدر اطمینان کر سکیں۔

شرارہ جلال نمبر ۱

بدایوں کے پرچہ شمس العلوم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ جملہ مرقوم تھا کہ ہر شخص آپ کا اور آپ کی ہر ادا کا مفتون ہو جاتا تھا۔ اس پر اعلیٰ حضرت کا شرارہ جلال سد الفرار صفحہ ۱۰۲ میں اس طرح گرا۔

"کہ یہ معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فتان و فتنہ انگیز اور حضورؐ کی محبت کو فتنہ کہنا ہیا اس کا استعمال معشوقان مجازی میں اس لیے ہے کہ ان کی محبت فتنہ ہے۔ اور وہ فتنہ گر۔ وہی خطاب آپ نے ان کو دیا جو ہر فتنہ کے مٹانے والے اور ان کی محبت اصل ایمان ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم"

اس کے حاشیہ پر یہ سرخی تحریر فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمائشی سخت سخت حملے۔ گویا لفظ مفتون کیا آگیا کہ اعلیٰ حضرت کو تخیل کی جولانی کا موقع مل گیا اور دبی زبان سے اہل بدایوں کی تکفیر فرما گئے۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر معاذ اللہ حملہ کرنے کے بعد بھی اسلام باقی رہے تو پھر اسلام کے زائل ہونے کی کیا صورت۔

بریلوی صاحب کا مولانا جامیؒ پر حملہ

اب یہ ظاہر میں صرف اہل بدایوں پر طعن ہے اور ان کی تکفیر مگر

درحقیقت اعلیٰ حضرت نے راس الموحدین حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی کی تکفیر کی ہے کہ انہوں نے اہل بدایوں سے بھی زیادہ تیز کہا ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ارشاد فرماتے ہیں۔

روحی فداك اے صنم ابطحی لقب
آشوب ترك شور عجم فتنۂ عرب

اہل بدایوں نے دوسروں کو مفتون کہا تھا اس سے اعلیٰ حضرت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فتان و فتنہ انگیز ہونا استنباط فرمالیا۔ مولانا جامی نے تو کچھ تسمہ ہی لگانہ رکھا۔ صاف فتنہ عرب کہہ دیا اور اس پر بس نہ کر کے آشوب ترک شور عجم، صنم، بڑھا کر حق گستاخی پورا ادا کر دیا۔ پس اگر اہل بدایوں معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت سخت حملہ کرنے والے ٹھہر گئے۔ تو حضرت مولانا جامی قدس سرہ کو سخت سخت سخت سخت سخت سخت سخت سخت حملہ کرنے والا قرار دینا چاہیے کیوں کہ وہاں صرف ایک لفظ مفتون سے لفظ سخت کی تکرار ہوگئی تو چار لفظوں کے لیے چار بار تکرار کی ضرورت ہے اور اگر صراحت و التزام کے فرق کا لحاظ کیا جائے تو ایک تکرار اور باقی رہ جاتی ہے۔ بہرحال مولانا جامی کا اہل بدایوں سے نمبر بڑھا رہا۔ خلقت صرف یہی سمجھے ہوئے ہے کہ اعلیٰ حضرت کی برق غضب صرف اہل بدایوں پر چمکی ہے یہ اس کے خیال کا قصور ہے ورنہ اعلیٰ حضرت کی شان اس سے ارفع ہے کہ وہ صرف اسماء عصر کی تکفیر پر اقتصار کریں آپ کی شمشیر تکفیر سے سلف صالحین کی گردنیں بھی محفوظ نہیں۔

شرارہ جلال ۲

پرچہ شمس العلوم میں حق تعالیٰ کے کرم اور مغفرت کے بیان میں ہے کہ گنہگار میدان قیامت میں بھٹکتے پھریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر میں تم سے وہی کروں جس کے تم مستوجب ہو تو کرم کہاں رہے گا۔ صفحہ ۱۳۔

اس پر اعلیٰ حضرت کا شرارہ جلال سد الفرار صفحہ ۸۳ میں اس طرح گرا۔

اللہ تعالیٰ کا کرم گنہ گاروں کی معافی کا محتاج ہوا کہ معاف نہ فرمادے تو کرم ہی نہ رہے اور کرم رہنا ضرور ہے تو معاف فرمانا' اللہ پر واجب ہوا کہ اپنا کرم تو باقی رکھے- حاشیہ میں اعلیٰ حضرت نے اس کی دو سرخیاں تحریر فرمائیں- اللہ تعالیٰ پر حملہ' معتزلہ کی تقلید-

بریلوی صاحب کا مولانا نظامی گنجویؒ پر حملہ

اس برق جہاں سوز نے صرف اہل بدایوں کے ہی خرمن کو نہیں سوخت کیا ہے بلکہ حضرت مولانا نظامی گنجوی رحمتہ اللہ علیہ پر بھی بے دریغ چمکی ہے چنانچہ ان کا یہ شعر ہے جس کا مضمون شمس العلوم کے مضمون کے ساتھ بالکل متحد ہے-

گناہ من ار نامدے در شمار
ترا نام کے بودے آمرز گار

لیجئے حضرت مولانا نظامی گنجوی بھی حق تعالیٰ پر حملہ کرنے والے اور معتزلہ کے مقلد ہو کر اچھے خاصے معزلی ہو گئے-

اعلیٰ حضرت کا حدیث رسول ﷺ پر حملہ

بلکہ یہ سیفی تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی چل کر رہی- عام طور سے نیک اعمال پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بشارت دی کہ وجبت (الجنہ) اسی طرح بد اعمال پر بھی وجبت (النار) کے ذریعہ اندار فرمایا- اور یہ ظاہر ہے کہ وجوب بلا ایجاب متصور نہیں تو اب اعلیٰ حضرت کے اعتراض سے کہاں مفرہ وہ اس طرح اس حدیث پر اعتراض وارد کر دیں گے کہ جنت یا نار میں داخل کرنا حق تعالیٰ پر واجب ہوا تا کہ اپنا عدل باقی رکھے- اب اہل بدایوں کو ان سے شکایت کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اعلیٰ حضرت کی سیفی سب پر یکساں چلتی ہے وہ نہ موقعہ و محل دیکھیں نہ وجوب استحسانی سمجھیں انہیں تضلیل و تکفیر سے صد ہے کیونکہ حقیقتاً وہ مظہر اسم جلال ہیں-

شرارہ جلال ۳

پرچہ شمس العلوم میں حضرت اویس قرنی و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت مذکور ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار اور جمال جہاں آرا احمدی پر شیدا اور اس کے دیوانہ ہیں۔ تو اس پر اعلیٰ حضرت کا قہری فرمان سد الفرار صفحہ ۱۰۴ میں اس طرح صادر ہوا۔

" کہ سیدنا اویس کو دیوانہ کہا فاروق اعظم کو دیوانہ کہا مولی علی کو دیوانہ کہا ہزاروں صحابہ کو دیوانہ کہا رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ آپ کا ادب ہے۔"

بریلوی صاحب کا امیر خسرو پر حملہ

اعلیٰ حضرت نے یہ چوٹ دراصل حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ پر کی ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ایسی تیزی کی کہ حضرت جبرائیل روح الامین کو مرغ اور ملائکہ کو مثل مگس قرار دیدیا۔ چنانچہ ان کے دیوان میں ہے کہ ؎

مبارک نامہ قرآں تو داری
کہ مرغ نامہ شد روح الامینش
لبش چوں انگبیں ریزد دور افتد
ملائک چون مگس در انگبینش

دیوانہ تو پھر آدمی کی قسم ہے۔ یہاں لغت احمدی میں ملائکہ عباد الرحمٰن اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مرغ و مگس کہا جارہا ہے۔ اعلیٰ حضرت ان کی خبر نہیں لیتے یا یہ ٹھہرائی ہے کہ تفسیق و تضلیل کے لیے صرف اہل بدایوں ہی کو تختہ مشق بنایا جائے۔ جب حق گوئی پر آگئے تو پھر ڈر کس کا ہے۔ حق گوئی کی خاطر اپنے مالدار معتقدین کی ہرگز پروانہ کیجئے۔ ہاں اگر خوف ہے تو صرف اس کا کہ اعلیٰ حضرت کو خلقت پھر عام طور سے وہابی کہنے لگے گی۔ اس وجہ سے ضرورت ہے اس کی کہ ان اکابر کے کلام سے اغماض کیا جائے اور اہل بدایوں و

دیگر معاصرین علماء پر بے دریغ تفسیق و تضلیل و تکفیر کی سیفی چلائی جائے کہ اس میں راز بھی فاش نہ ہوگا اور ادہر خلقت سب سے منحرف ہو کر صرف اعلیٰ حضرت کا کلمہ پڑھنے لگے گی سوا لگ۔ اس مصلحت شناسی و دور اندیشی کی ہم بھی داد دیتے ہیں۔

شرارہ جلال ۴۔ بریلوی صاحب کو حضور اقدس ﷺ کی نعت سے نفرت

پرچہ شمس العلوم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ کی شان میں غایت محبت کا اظہار اس طرح کیا گیا تھا کہ "چمکتے مکھڑے" کی بلائیں اس محبت آمیز فقرہ پر اعلیٰ حضرت کا سد الفرار صفحہ ۱۰۳ میں اس طرح قہر ٹوٹا۔ مکھڑا صیغہ تصغیر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تصغیر حرام کبیرہ ہے۔ علماء کرام نے حمائل کو مصحف چھوٹی مسجد کو مسجد کہنے کو منع فرمایا۔ اس پر خلقت کہتی ہے کہ اصل میں اعلیٰ حضرت کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و مدح دنیا سے اٹھ جائے۔ اب اسی کو دیکھئے کہ مثل زبان عربی و فارسی زبان اردو میں تصغیر کے لیے کوئی وزن و صیغہ نہیں قرار دیا گیا۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے لفظ مکھڑے کو جو مقام محبت میں عموماً استعمال کیا جاتا ہے صیغہ تصغیر قرار دے ہی دیا۔ کاش اگر یہی ہوتا کہ تصغیر کے لیے نہ تو کوئی قاعدہ ہے نہ کوئی وزن و صیغہ نہ محاورہ میں یہ کلمہ (مکھڑا) تصغیر کے لیے مستعمل بلکہ اس جگہ مستعمل جہاں غایت محبت کا اظہار مقصود پھر بھی اعلیٰ حضرت کو غیظ آگیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کج بحثیوں سے مقصود صرف یہ ہے کہ حمد و نعت کا دروازہ یک لخت بند کر دیا جائے۔ اب رہی یہ بات کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کریں تو اس کا جواب اعلیٰ حضرت سے پوچھیے وہ بتائیں گے کہ کون لائق ہے میرٹھ کے ایک مشہور زباں داں شاعر میاں یزدانی نے بھی ایک نعتیہ غزل میں لفظ مکھڑا استعمال کیا ہے۔

بے نقاب آج تو ہے گیسوؤں والے آجا
خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹالے آجا

اس مطلع سے بوئے محبت ٹپکتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عشق احمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشاری کی حالت میں یہ مطلع ان سے نکلا ہے جس کا قلب پر بے حد اثر ہوتا ہے اس وجہ سے یہ مطلع بلکہ پوری غزل جس کا یہ مطلع ہے فقیر کو بغایت پسند ہے۔ اور اسی طرح اکثر اصحاب کیف کو اس مطلع و غزل سے لطف اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اعلیٰ حضرت اس میں بھی یہ پر لطف تقریر جاری کریں گے کہ مکھڑا صیغہ تصغیر ہے۔ الخ اگر میاں یزدانی مثل جامی و امیر خسرو بزرگ نہیں ہیں۔ تب بھی زبان اردو کے ایک ماہر شاعر ضرور ہیں۔ کیا وہ نہ جانتے تھے کہ مکھڑا صیغہ تصغیر ہے۔ آج تک کسی اہل زبان نے ان کے اس مطلع پر اعتراض نہیں کیا۔ ورنہ حیثیت زبان وہ اعتراضات کا نشانہ بن جاتے۔ لیکن خلقت کا یہ اعتراض صحیح نہیں اعلیٰ حضرت کا ان قیودات کے بڑھانے سے مقصود صرف یہ ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی پیروی پر دنیائے اسلام کو مائل کر دیں جس کا یہ قول تھا۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں صرف عبدہ و رسولہ استعمال کرنا چاہیے۔ اس سے ذرا ایک قدم بڑھایا۔ اور فقدا شرك کا کے دائرہ میں آئے۔ وہ کہتا تھا کہ مدح صرف اسی جملہ عبدہ ورسولہ میں ہے اس کے سوا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا جائے گا وہ سب داخل مذمت اور شرک ہے۔ اس کی تقلید کی بنا پر اعلیٰ حضرت نے حضرت امیر خسرو، مولانا جامی و حضرت نظامی گنجوی جیسے اکابر کے نعتیہ اشعار کو رد کر ہی دیا۔ اہل بدایوں و میاں یزدانی کس شمار و قطار میں ہیں۔ لیکن ہم کو اس کا سخت افسوس ہے کہ آیت کریمہ ورفعنا لک ذکرک اعلیٰ حضرت کے اس ارمان دلی کو کبھی پورا نہیں ہونے دے گی۔

شرارہ جلال ۵

پرچہ شمس العلوم کے اس جملہ ''ایک مست منانے والی باکیف و ناز لہجہ میں حسین عربی نے فرمایا'' پر اس طرح سد الفرار صفحہ ۱۰۳ میں غضب توڑتے ہیں کہ کیف نشہ کو کہتے ہیں شان اقدس میں اس کا استعمال آپ کا ادب ہے؟ شکر ہے

کہ اعلیٰ حضرت نے لفظ ناز پر کچھ اثر نہیں لیا ورنہ اس چلتی ہوئی شمشیر کو کون روک سکتا تھا۔ اسی طرح لفظ مست پر نظر نہ پڑی ورنہ یہ شمشیر اس طرح چلتی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر مست ہونے والے صحابہ کرام تھے۔ اور مست اس کو کہتے ہیں کہ جو شراب کے نشہ سے مست ہو تو گویا العیاذ باللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزارہا صحابہ کرام کو شراب سے بے خود و مست بنا دیا۔ اس وقت یہ کسی کی مجال نہ ہوتی کہ معرفت کی مستی و بے خودی مراد لے لیتا کیونکہ کیف کے معنی میں کسی نے اعلیٰ حضرت کا کیا کر لیا جو اس وقت کچھ کر لیتا۔ اسی طرح مولانا جامی روح اللہ روحہ کے اس شعر سے بھی اس کو کچھ مدد نہیں ملتی۔ جو شان اقدس میں ہے کہ ؎

رفتن بسر طریق ادب نیست در رہت
ماعاشقیم و مست نیاید ز ما ادب

کیونکہ اولاً مولانا جامی خود اعلیٰ حضرت کے ہدف تیر اعتراض ہیں ثانیاً انہوں نے اپنے کو مست کہا ہے۔ صحابہ کرام کی طرف اس کی نسبت نہیں کی کچھ قسمت ہی اہل بدایوں کی اچھی تھی ورنہ اعلیٰ حضرت کی جو روش اعتراض ہے اس کا اجراء یہاں بھی بخوبی ہو سکتا تھا۔

بریلوی صاحب کی حضور اقدس ﷺ کی شان میں اقراری گستاخی

اب اگر ہم کو کھٹکا ہے تو صرف اس کا کہ کہیں اہل بدایوں اعلیٰ حضرت کے ان دو شعروں پر مطلع نہ ہو جائیں جو ان کے قصیدہ معراجیہ میں ہیں کہ

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نوائے طرب کے ساماں عرب کے مہماں کے لیے تھے
بڑھے تو لیکن جھجکتے رکتے ادب سے ڈرتے حیا سے جھکتے
جو وصل انہیں کی روش پر ہوتا تو لاکھوں منزل کے مرحلے تھے

کیونکہ اگر کہیں اہل بدایوں کو ان کی اطلاع ہو گئی تو وہ صاف کہیں گے کہ

صرف لفظ کیف پر ہم پر اس طرح بید ریغ سیفی چلائی اور اپنی خبر نہیں کہ اس سے بڑھ کر طرب اور وصل جیسے الفاظ جو عموماً دوسرے مقامات میں مستعمل ہوتے رہتے ہیں شان اقدس میں استعمال کیے جاتے ہیں اور بے ادبی و گستاخی کا خطرہ دل میں نہیں گزرتا۔ پھر انہیں پر بس نہیں لفظ (جھجکتے اور شرم سے جھکتے) سے انہیں تازہ روح پھونکی جارہی ہے کیا اس کا نام ادب ہے ہماری تمنا ہے کہ جس طرح اعلیٰ حضرت کی نظروں سے لفظ مست و ناز او جھل ہو گئے اسی طرح یہ دو شعر اہل بدایوں کی نظروں سے او جھل رہیں تاکہ دونوں برابر ہو جاویں اور کسی کو کسی سے شکایت نہ رہے۔ خیر یہ تو اعلیٰ حضرت اور اہل بدایوں کا معاملہ تھا لیکن ہم کو اعلیٰ حضرت کے دونوں شعر نہایت پسند ہیں یہ اور بات ہے کہ اعلیٰ حضرت کے اصول کے موافق ان دونوں شعروں میں گستاخی و بے ادبی ہے مگر ہمارا ذوق طبع اس پر مجبور کر رہا ہے کہ ان کی حسن و خوبی کا اظہار کریں خصوصاً دوسرا شعر بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا ہے۔ جو اہل مذاق سے مخفی نہیں۔

شرارہ جلال ۶

اعلیٰ حضرت پر تکفیر و تفسیق کی ایک دھن سوار ہے

پرچہ شمس العلوم میں ہے۔ آسمان و زمین چکر کھا کر کہتے ہیں اس پر سد الفرار صفحہ ۹۶ میں اس طرح غضب کی بجلی کوندی۔

"کیا خوب آسمان تو آسمان زمین بھی گردش کرتی ہے۔ نصاریٰ کا اتباع اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

کیا خوب نصاریٰ صرف زمین کو متحرک مانتے ہیں آسمان ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت نے خوب کہی کہ نصاریٰ کے نزدیک آسمان و زمین دونوں حرکت کرتے ہیں۔ اگر یہ نہیں تو پھر اتباع کے کیا معنی غرض تکفیر و تفسیق کی ایک دھن سوار ہے اللہ رحم کرے۔

شرارہ جلال ۷

اہل بدایوں کے پرچہ مذاکر علیہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی نسبت مرقوم ہے۔ کہ " یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ واللہ اس کے مقابلہ میں دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں ہیچ ہیں۔ " اس پر اعلیٰ حضرت بہت بگڑے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ آخرت کی اعظم نعمت دیدار الٰہی ورضوان اکبر ہے ان کو ہیچ کہنا کون سی دینداری ہے۔ سد الفرار صفحہ ۸۸۔

بریلوی صاحب کا شعار اسلامی "اذان جمعہ" کا صراحت سے انکار

اہل بدایوں کے قلوب میں تو اس بوالعجب معنی کا خطرہ بھی یقیناً نہیں گزرا لیکن اعلیٰ حضرت نے مقتل کذب وکید میں صراحتاً نفس اذان جمعہ ہی کو باطل قرار دے دیا جس کا اجماعی ہونا خود بدولت کے نزدیک بھی مسلم ہے کلام ہے تو صرف اذان کے داخل مسجد وخارج مسجد ہونے میں نہ کہ نفس اذان میں اصل میں اعلیٰ حضرت مسجد سے اذان باہر کر دینے پر قناعت نہیں فرماتے بلکہ اس کے درپے ہیں کہ نفس اذان ہی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ جبھی تو فرماتے ہیں۔

صاف نہ کھل گیا کہ اذان جمعہ ایسی ہی شدید باطل ہے جس کے ماننے کو کوئی سچی سند نہیں ملتی۔ مقتل کذب وکید صفحہ ۳ "

دیکھئے صراحت اس کو کہتے ہیں کہ نہایت صاف لفظوں میں اس شعار اسلامی کا انکار کر دیا۔ جس پر تمام امت محمدیہ کا اجماع اور اس اجماع کے خود بدولت بھی مقر۔ پھر بھی کس صفائی کے ساتھ اس کو باطل فرما رہے ہیں بھلا اہل بدایوں کو کہاں یہ صفائی نصیب ان کی عبارت میں دیدار الٰہی کا ذکر تک نہیں اور عام طور پر یہ کلمہ حصر اضافی میں مستعمل پھر بھی اعلیٰ حضرت نے ان کو دیدار الٰہی کا معاذ اللہ ہیچ سمجھنے والا قرار دے ہی دیا' اب یہ دیکھنا ہے کہ اپنے اس صریح انکار کی نسبت اعلیٰ حضرت کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

فضیلت ۳ عمل بالحدیث

اعلیٰ حضرت اصل میں عامل بالحدیث ہیں لیکن خلقت براہ غلط فہمی ان کے بعض اقوال کی رو سے ان کو وہابی خیال کرنے لگی ہے اور اس پر متعجب ہو کر اس طرح زبان طعن دراز کرتی ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ایک دنیا کو وہابی کر ڈالا۔ ایسا بد نصیب وہ کون ہے جس پر آپ کا خنجر وہابیت نہ چلا ہو۔ وہ اعلیٰ حضرت جو بات بات میں وہابی ماننے کے عادی ہوں وہ اعلیٰ حضرت جن کی تصانیف کی علت غائیہ وہابیت، جنہوں نے اکثر علماء اہل سنت کو وہابی ما کر عوام کالانعام کو ان سے بد ظن کرا دیا جن کے اتباع کی پہچان یہ ہے کہ وہ وعظ میں اہل حق سنیوں کو وہابی کہہ کر گالیوں کا مینہ برسائیں۔

بریلوی صاحب نے وہابیت کے حیلہ سے علماء ربانیین کی جڑ کاٹی

جنہوں نے وہابیت کے حیلہ سے علماء ربانیین کی جڑ کاٹنے میں وہ وہ مساعی جمیلہ کیں کہ جن کا خطرہ حسن بن صباح جیسے مدعی امامت و نبوت کے دل میں بھی نہ گزرا ہو اور جن کے فتنہ و فساد کے سامنے حسن بن صباح کے فدائی بھی گرد ہوں اگر حسن بن صباح زندہ ہو کر آ جاوے تو اس کو اعلیٰ حضرت کے کمالات کے بالمقابل سوائے زانوے ادب تہ کرنے کے چارہ کار نہ ہو غرض ایسی مقتدر جماعت کا پیشوا جن کی زبانیں سوائے وہابی اور وہمبڑے اور لہبڑے کے دوسرے الفاظ سے اثناء وعظ میں آشنا ہی نہیں ہوتیں۔ اگر در پردہ وہابی ثابت ہو جائے تو پھر تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی۔ خلقت کہتی ہے وہ اعلیٰ حضرت جو اپنے کو وہابی کش ظاہر فرماتے ہیں بالآخر خود وہابی ثابت ہوئے اور اس طرح وہ بجائے وہابی کش کے در حقیقت خود کش ہیں۔ خلقت اپنے اس جزمی دعوے کے ثبوت میں اعلیٰ حضرت کے چند اقوال پیش کرتی ہے۔

وہابیت نمبر ۱

اجل الرضا صفحہ ۱۳ میں علماء بدایوں پر اعلیٰ حضرت اس طرح طعن کرتے ہیں۔ رہے اذانیوں کے الفاظ و القاب وہ محض تصنع ہوا کرتے ہیں جو

درباره اذان سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اگر امام وقت ہے جاہل و نامہذب اور ہزاروں دشنام کا مستوجب ہے اور جو پدر پرستی میں سنت نبوی وارشادات فقہ کو پس پشت پھینک دے - وہ جاہل سا جاہل ہو امام اور علامہ و چنیں و چناں ہے - انتہی -

بریلوی صاحب کا حضرت عثمان غنیؓ پر سخت حملہ

پدر پرستی کے کلمہ نے اعلیٰ حضرت کی وہابیت کا مرقع الٹ دیا - دیکھئے یہ صریح حضرت عثمان غنی ذوالنورین خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ پر طعن ہے کہ معاذ اللہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کیا اور اس خلاف میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ساتھی ہوئے - اور اتباع سنت کی توفیق ملی تو اس شخص کو جو چودہویں صدی میں خاک بریلی سے اٹھا - انا للہ وانا الیہ راجعون - اب فرمایئے - وہابیوں میں کیا سر سینگ ہوتے ہیں کہ وہ تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ پر طعن اور آزادی کے باعث لا مذہب کہلائے جاویں اور اعلیٰ حضرت، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ایسی صاف سنانے پر بھی ہٹے کٹے سنی بنے رہیں - فاعتبروا یا اولی الابصار - بات یہ ہے کہ جب عہد عثمانی میں اذان جمعہ کی زیادتی پر اذان خطبہ اندرون مسجد قریب منبر ہو گئی اور اس پر اجماع صحابہ ہو گیا - تو یہ امر اعلیٰ حضرت کو ناگوار گزرا اس وجہ سے حضرت مولانا عبدالمقتدر بدایونی رحمتہ اللہ علیہ کو پدر پرستی کا طعنہ دیا - کہ ان کا سلسلہ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے -

اعلیٰ حضرت کے رافضی ہونے کا ثبوت

لیکن خلقت کا اس دلیل سے دعوی ہرگز ثابت نہ ہوا - دعوی یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت وہابی ہیں اور ثابت یہ ہوا کہ وہ رافضی ہیں کیونکہ حضرات خلفاء ثلاثہ کی توہین کرنے والا وہابی نہیں بلکہ رافضی ہے پس دعوی و دلیل میں مطابقت نہ رہنے سے تقریب تام نہ ہوئی - اس وجہ سے خلقت کا یہ دعوی خارج کیا گیا البتہ

اعلیٰ حضرت کے اس بیان سے یہ ضرور ثابت ہوا۔ کہ عہد عثمانی میں جو اذان کی جگہ میں تبدیلی واقع ہوئی ہے اس کو اعلیٰ حضرت تسلیم کرتے ہیں۔ جبھی تو اس طعن کی ضرورت پیش آئی۔ ہمارا بھی اسی قدر مقصود تھا جو اعلیٰ حضرت کی عبارت سے واضح ہو گیا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

وہابیت۔۲

اعلیٰ حضرت جناب مولوی عبد الغفار صاحب رامپوری کے اس دعوی (کہ میں نے یہ کتاب بارشاد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تحریر کی) کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ وعظ کہتے کہتے گھومنے لگے کہ ابھی حضور تشریف لائے تھے۔ تم نے نہیں دیکھی ابھی سواری آئی تھی۔ نرے بے عقل مان لیتے ہوں گے مگر جن کو اللہ عزوجل نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت عطا فرمائی ہے ان کے سامنے موجب مضحکہ وارسال لاحول ہوتے ہیں۔ (مقتل کذب وکید صفحہ ۷ ۴) مطلب یہ کہ جن کو معرفت عطا ہوئی ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے تصرفات کے قائل نہیں۔ اگر کوئی اس قسم کے تصرفات بیان کرنے تو وہ محض ایک ڈھکوسلا اور بے بنیاد بات سمجھی جاوے گی۔ جس پر بجائے ایمان واذعان لاحول خوانی کی ضرورت ہے اس بے فہمی کے بعد اب شوراشوری کی ٹھہرتی ہے۔

بریلوی صاحب کے نزدیک حضرت غوث اعظمؒ حضور اقدس ﷺ سے افضل ہیں

حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت پرچہ شمس العلوم میں مرقوم تھا۔ تجھے کہاں تک پکاروں کیا تجھے بغدادی سبز گنبد سے نکلنے کی فرصت نہیں جو ہندی مبتلاؤں کی فریاد سنے اچھا وہیں بلا کر کم از کم وہ دل سن لے۔ اس پر اعلیٰ حضرت کو اہل بدایوں پر غیظ آتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ گنبد میں مدہ ماننا کون سی تعریف ہے۔ شاید مدرسہ خرما کی یہی تعلیم ہو گی کہ جب تک وہاں جا کر

نہ چلاؤ وہ فریاد نہیں سنتے۔ پکارتے پکارتے تھک گئے۔ کہاں تک پکاریں۔ (سد الفرار صفحہ ۱۰۹) مطلب یہ کہ حضرت غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ سبز گنبد میں بند نہیں ہیں وہ جیسے قید مکان سے حیات میں آزاد فارغ تھے اسی طرح اب بھی ہیں لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے سبز گنبد میں محصور ہیں کہ اس جگہ کے سوا کہیں تشریف نہیں لے جا سکتے۔

اعلیٰ حضرت ادھر ادھر کی سنا کر اصل مبحث کو اڑا دیتے ہیں

اس پر خلقت کہتی ہے کہ یہ اعلیٰ حضرت کی کھلم کھلا وہابیت ہے لیکن ہم کو خلقت کے اس دعوے میں کلام ہے کیونکہ حضرت غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر برتری و فوقیت تسلیم کرنے والا شخص وہابی نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ کیا ہے اس کا جواب خود اعلیٰ حضرت سے پوچھ دیکھو لیکن شرط یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی طرف نسبت کر کے سوال نہ کرنا بلکہ زید و عمر کی طرف نسبت کر کے سوال قائم کرنا تب تو اعلیٰ حضرت سے شافی جواب کی امید ہو سکتی ہے ورنہ وہ اعلیٰ حضرت ہیں ادھر ادھر کی سنا کر اصل مبحث کو اڑا جائیں گے۔

وہابیت ۔ ۳

بدایوں کے پرچہ مذاکرہ علمیہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی نسبت تحریر تھا کہ ارادت نے عقل کل کو سر جھکانے پر مائل کیا آنکھیں تلووں سے ملیں۔ اعلیٰ حضرت اس عقیدت مندانہ جوش کو پامال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تصنیف ہے۔ (سد الفرار صفحہ ۹۲) مطلب یہ کہ نہ عقل کل و جبرائیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر جھکایا اور نہ آنکھیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں سے ملیں یہ صرف ان کی من گھڑت اور تصنیف ہے۔

حضور اقدس ؐ کی نعت سے اعلیٰ حضرت کی برہمی و بے زاری

اعلیٰ حضرت کو حضور اقدس ؐ کی نعت سے اس قدر برہمی و بیزاری ہے کہ وہ مجاز و استعارہ کی حث ہی یکسر فراموش کر گئے۔ اور بات بات میں چیں بجبیں ہو کر ہر بات کی سند دریافت کرنے لگے۔ یوں ہے تو جب کوئی اعلیٰ حضرت سے کہے کہ آپ ہمارے سرپرست ہیں تو اس وقت اعلیٰ حضرت کو اس طرح دست بجر یہاں ہونا چاہیے کہ یہ کلمہ شرک ہے کیونکہ پرستیدن کے معنی ہیں پوجنا اور عبادت کرنا اور سرپرست اس کا اسم فاعل سماعی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ سر کا پرستش کرنے والا گویا تو نے مجھ کو مشرک کہا۔ دور ہو میرے سامنے سے۔ پھر یہ تماشا دیکھو کہ خود بھی بیان معراج میں وہی حرکت کر بیٹھے ہیں جو اہل بدایوں سے صادر ہوئی۔ چنانچہ ان کے قصیدہ معراجیہ کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

وہی تو اب تک جھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے

یہاں پر اہل بدایوں کو حق ہے کہ وہ کہیں کہ یہ کس روایت سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے شب معراج میں غسل فرمایا تھا اور نہانے میں جو پانی گرا تھا اس کو ستاروں نے لے لیا تھا۔ اور لیا بھی کٹوروں میں اور اب جو ان کی چمک دمک ہے وہ اسی کا طفیل اور صدقہ ہے۔ مجاز و استعارہ و اظہار جذبہ دل کا تو یہاں نام لے نہیں سکتے کیونکہ ان کی راہیں اعلیٰ حضرت پہلے ہی مدد کر چکے ہیں' اس بلیغ شعر کی خود اعلیٰ حضرت کے ہاتھوں مٹی خراب ہوئی جس کا ہم کو بے حد قلق ہے۔

بریلوی صاحب کے اصول پر حضور اقدس کی نعت گوئی کا باب مسدود ہو گیا

غرض اعلیٰ حضرت نے ایسے اصول ایجاد فرمائے کہ اگر وہ خدانخواستہ جاری ہو جائیں تو پھر نعت اقدس کا دروازہ ہی مد ہو جائے۔ اس وجہ سے خلقت کہتی ہے کہ اعلیٰ حضرت صرف وہابی نہیں ہیں بلکہ ان کے سر تاج ہیں۔ لیکن ہم کو خلقت کے اس خیال سے اتفاق نہیں۔ اصل یہ ہے کہ وہابیت کے مفہوم سمجھنے میں خلقت نے غلطی کی وہ وہابی اس کو سمجھتی ہے جو اکابر کی شان میں گستاخ

اور ائمہ کے دائرۂ اتباع سے خارج ہو اور اعلیٰ حضرت صرف اس کو وہابی کہتے ہیں جو ان کی مجددیت کا منکر ہو۔ پھر وہ خواہ خلقت کے نزدیک کیسا ہی زبردست سنی ہو لیکن اعلیٰ حضرت کے نزدیک وہابی ہے اور جو حضرت کی تجدید کا اعتراف کرے پھر وہ وہابی ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ اعلیٰ درجہ کا سنی ہے۔ اس اصطلاح کی رو سے نہ اعلیٰ حضرت وہابی ہیں نہ ان کے متبعین کیونکہ سب کے سب تجدید کے معترف ہیں۔ باقی ان کے سوا تمام دنیائے اسلام وہابی ہے۔ اس تقریر سے نہ صرف خلقت کا اعتراض رفع ہوا۔ بلکہ اور الٹا وہابیت کا طوق اس کی گردن میں پڑ گیا۔

فضیلت ۴ خودستائی۔ وکبر وانانیت

خلقت اعلیٰ حضرت پر معترض ہے کہ جس قدر وہ خود اپنی مدح و ثنا کر گزرتے ہیں اس کا عشر عشیر کا بھی ظہور کسی سے نہیں ہوتا۔ خلاف مجددین سابق کے کہ ان کے اقوال و اعمال دونوں میں تواضع و انکساری کی شان پائی جاتی ہے وہ اپنے حق میں کچھ نہیں کہتے لیکن ان کی نسبت خلقت سب کچھ کہتی ہے اور یہاں یہ حالت ہے کہ خود بدولت ہی اس فریضہ کو انجام دے رہے ہیں جس کی انجام دہی مخلوق کے ذمہ ہے چنانچہ سد الفرار صفحہ ۳۳ میں خود اپنے کو اس لقب سے یاد فرماتے ہیں کہ (یعنی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد الماۃ الحاضرہ صاحب الحجۃ القاہرۃ مدظلہم الاقدس) اجل الرضا صفحہ ۲ میں ارشاد ہوتا ہے (ایک امام اہل سنت مجدد الماۃ الحاضرہ کے طرف مقابل بننے کا شرف مفت ہاتھ آتا ہے) اس کے بعد فرط جوش سے صفحہ ۴ میں اس طرح مزید فرماتے ہیں (مجاہیل یا جہلہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق) پھر افتخار و کبر وانانیت کی موج میں اعلیٰ حضرت اس طرح غوطہ کھاتے ہیں۔

ہاں اگر یہ عزت و فخر مراد ہو کہ چند لمحہ کے لیے نظر عوام میں ایک ایسے فرد یکتا امام بے ہمتا کی طرف مقابل بن گئے۔ جسے علماء حرمین شریفین فرمارہے ہیں انہ السید الفرد الامام تو یہ دوسری بات ہے۔ (اجل الرضا صفحہ ۷)

پھر افتخار کا دورہ ان کو اس طرح بیتاب کرتا ہے کہ اب کیوں نہ بے ضرورت معلوم ہوگا کہ محمدی کچھار کا شیر شرزہ حیدری نعرہ کے ساتھ سامنے آیا۔(اجل الرضا صفحہ ۱۷)

اپنے علوم کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر اس میں وہ علوم القا فرمائے جن کی ضیا سے حق کی پیشانی جگمگا اٹھی۔ (سد الفرار صفحہ ۲) اپنی فرضی و خیالی غیر محدود مقبولیت کی نسبت اعلیٰ حضرت کا قلم تراوش کرتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مدہ پر کرم کہ اسے اپنی پاک مبارک عزت کی نصرت وحمایت کے لیے کھڑا کیا اور مسلمانوں کے قلوب کو اس مدہ کی محبت سے بھر دیا۔(سد الفرار صفحہ ۳)

پھر اسی کے متصل اپنی مشیخت کا اس طرح اظہار فرماتے ہیں کہ وہ جس نے کبھی شہرت نہ چاہی۔وہ جس نے ہمیشہ اسباب شہرت سے نفرت رکھی۔ مطلب یہ کہ (بغیر ان کے چاہے خود بخود شہرت حاصل ہو گئی۔ حقیقت میں اعلیٰ حضرت نہایت خدا رسیدہ شخص ہیں۔شہرت و دنیوی جاہ کی بھلا اس ذی شان بزرگ کی نظر میں کیا وقعت جبھی تو خود بخود یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجاہیل یا مہملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید اور نہ یہاں کے لائق۔ چونکہ شہرت سے آپ کو نفرت ہے اس وجہ سے مجہولیت کو آپ نظر حقارت سے دیکھتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں سبحان اللہ۔ یہ آپ کی ہی شان عالی ہے کہ شہرت و مجہولیت دونوں کو آپ حقیر سمجھتے ہیں اصل یہ ہے کہ حب مولیٰ میں آپ ایسے مستغرق ہیں کہ تمام ماسوا سے آپ کو نفرت ہے اس وجہ سے آپ کی نظروں میں نقیضین کا ارتفاع جائز ہے۔

بریلوی صاحب کو اپنی شہرت پر ناز

پھر خود بخود اپنی شہرت کا ترانہ اس طرح گاتے ہیں کہ

ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم نے عرب و عجم و روم و شام و مصر و عراق و مشرق و مغرب میں آفتاب عز و کمال و جاہ و جلال بنا کر مشہور کر دیا۔(سد الفرار صفحہ ۳)

گویا شہرت خود بخود اعلیٰ حضرت کے پلے پڑی۔ ورنہ وہ تو اس سے ایسے بیزار تھے کہ اس کے اسباب تک کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیتے تھے۔ اب جو خود ان کا یہ قول سبب شہرت بن رہا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اسباب شہرت سے شہرت کے پہلے نفرت چاہیے لیکن جب کہ شہرت ہو جائے تو پھر اسباب شہرت کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ اور بات بات میں اس کے اظہار کی کہ دیکھو ہم اتنے مشہور ہیں کہ مشرق و مغرب تک ہمارا شہرہ ہے۔ لطف یہ کہ خود اس قسم کے اقوال ذریعہ شہرت ہوں ہوا کریں۔ کیونکہ جب مجہولیت کی آن ایک بار ٹوٹ گئی تو اب ذرائع شہرت کو فروغ دینے سے روکنے والا کون۔ شہرت طلبی اور شہرت سے بیزاری دونوں جائے خود صحیح رہیں۔ بقول شخصیت کہ۔

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

مسلمانو! یہ علوم ہیں جو اعلیٰ حضرت کو القا ہوئے ہیں کہ کہیں ارتفاع نقیضین جائز اور کہیں اجتماع نقیضین جائز۔

بریلوی صاحب کے زعم میں حضور اقدس ﷺ کی عزت ان کی حمایت سے محفوظ ہے

لیجئے اب اس سے بھی زیادہ تیز سنئے۔ اپنی منقبت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "وہ اکیلا محمدی شیر جو اس بھرے میدان اعداء میں یارسول اللہ کہہ کر کود پڑا اور تنہا چار طرف تلوار کر رہا ہے۔ (سد الفرار صفحہ ۳)

یعنی گھر بیٹھے قلم کے نیزے چلا رہا ہے جس کو اس نیزہ بازی سے اتنی بھی فرصت نہیں ملی کہ کبھی مجمع عام میں آکر کسی سے برسر پیکار ہوتا پھر وہ خواہ مات کھا کر ہی گھر لوٹتا۔ لیکن خلقت یہ کہنے سے تو باز رہتی کہ۔

از ابتداء معرکہ او درمیان نبود

۱۔ اوندھا محاورہ ہے۔

لیکن اس میں شک بھی نہیں کہ گھر بیٹھ کر جس قدر اعلیٰ حضرت کے حصہ میں قلمی نیزہ بازی آئی ہے۔ وہ بھی ایسے شخص کے افتخار کے لیے کیا کم ہے شاباش ہے۔ آفریں باد بریں ہمت مردانہ او۔ اور اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے عجب و افتخار کو انتہائی درجہ تک پہنچا دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں! اس کے ساتھ عداوت نہوگی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت عزت رکاوٹ ڈالتی۔ (سد الفرار صفحہ ۳) کیونکہ اب دنیا بھر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی عزت العیاذ باللہ سوائے اعلیٰ حضرت کے کوئی نہیں رہا۔ اس کو خلقت عام طور سے کہتی ہے کہ یہ اعلیٰ حضرت کی حد سے متجاوز تعلیٰ و عجب ہے لیکن فقیر کے خیال میں یہ تعلی نہیں ہے بلکہ اس آیہ کریمہ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین کی ایک بوالعجب تاویل ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لوازم سے العیاذ باللہ عزت نہیں ہے بلکہ بطور عرض مفارق کے ہے جس کے لیے اعلیٰ حضرت کی حمایت کی ضرورت ہے اور وہ بھی تنہا ان کی حمایت کی جبھی تو فرمایا کہ میرے ساتھ عداوت کے یہ معنی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت عزت میں فتور ڈالا گویا حضور اقدس ﷺ کی عزت آپ کی حمایت سے (چشم بد دور) محفوظ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ وجوہ ہیں جن کی وجہ سے عام طور پر خلقت آپ سے بد ظن ہے لیکن فقیر کے خیال میں سوء ظنی کی کوئی وجہ نہیں جب کہ اعلیٰ حضرت مجدد مایۃ حاضرہ ہیں تو خلقت کو چاہیے تھا کہ وہ شب و روز ان کی مدح سرائی میں گزارتی جیسا کہ مجددین سابقین کے ساتھ اس کا یہی برتاؤ رہا۔ اعلیٰ حضرت نے بھی قدرتی طور سے خلقت کے ساتھ یہ امید وابستہ کی لیکن انہوں نے مخلوق کی زبانوں پر قفل پڑا ہوا پایا تو بالآخر مجبور ہو کر ان کو اپنی مہر سکوت کو توڑنا پڑا۔ کہ اب اگر یہ مدح نہیں کرتی تو پھر میں کیوں اپنی مدح و ثناء سے چوکوں۔ رہی یہ بات کہ دیگر مجددین کے طرز عمل سے اعلیٰ حضرت کا طریق جدا رہا۔ سو اس میں کوئی قباحت نہیں کہ سب سے علیحدہ ہو کر سب سے ممتاز ہو گئے۔ بقول شخصے کہ ؎

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

اعلیٰ حضرت چونکہ قدرتی طور پر سب سے ممتاز ہیں اس وجہ سے اگر امتیاز کے طالب ہوں تو اس میں کیا حرج ہے۔ خلقت کی نظر اعلیٰ حضرت کے صرف صریح دعوی مجددیت پر ہے۔ ہنوز ان کے ضمنی دعوی پر اس نے نظر غائر نہیں ڈالی۔ اگر خلقت کو کچھ سمجھ ہے تو فقیر اس کی طرف ایک اشارہ کرتا ہے۔ اس پر بھی نہ سمجھے تو پھر صراحت کے ساتھ بھی سمجھانا اس کو مشکل ہوگا۔ دیکھو! اعلیٰ حضرت کے چھوٹے صاحبزادہ مصطفیٰ رضا خاں کا نام نامی کتاب وقعات السنان کی لوح پر اس طرح مرقوم ہے۔ تصنیف لطیف جناب مولانا مولوی ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن محمد عرف مولوی محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری۔ فرمایئے جب صاحبزادہ صاحب آل الرحمٰن ہوئے تو خود اعلیٰ حضرت کیا ہوئے۔ بس سمجھ جاؤ۔ اب محی الدین جیلانی تحریر کرنے کی کیا شکایت۔ اعلیٰ حضرت کے مطمع نظر وہ شی ہے کہ اس کے سامنے مجددیت کی کوئی حقیقت نہیں۔

اعلیٰ حضرت سے گزارش

اعلیٰ حضرت سے باادب گزارش ہے جناب کو اگر خدانخواستہ اس رسالہ کے مطالعہ سے تکدر پیدا ہو تو پہلے اپنے ان الفاظ پر نظر ثانی ڈالنے کی زحمت گوارا فرمالیجئے۔ جو اجل الرضا میں آپ نے تحریر فرمائے ہیں جس کی چند مثالیں پیشکش مدگان عالی ہیں۔ مجاہیل و جہلہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق۔ (اجل الرضا صفحہ ۴) ہمت تو بہت فرمائی تھی مگر افسوس کہ ایک وار کی بھی نہ ہوئی۔ (صفحہ ۴) ایک بار میدان میں آنا ہوا اور دیکھا کہ سامنا اس کا شیر شرزہ سے ہے۔ صفحہ ۵ معمولی مزخرفات جن کے صد ہا رد ہو چکے (صفحہ ۵) مصنف القول الاظہر کے دل میں اللہ واحد قہار کی عظمت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی باگی ملاحظہ ہو۔ (صفحہ ۹) مقتضائے حیا تو یہ تھا۔ (صفحہ ۱۰ آپ

کے رسالہ القول الاظہر کو کہ اسس بنیا نہ علی شفا جرف ہار فانہار کا مزہ چکھایا۔ (صفحہ ۱۴) اجماع کے اصلی حرف تین ہی تو ہیں دونوں پر زوائد بھی درکار ہوں تو اشرف علی وانبیٹھوی کہ الحاد وار تداد کے سر ہیں جب الحاد و جہل و مکابرہ و اار تداد و عناد کے سر جمع ہو جاویں (صفحہ ۱۶) نہایت ناگفتنی بات حد سے زیادہ شرمناک (صفحہ ۱۹) وہ جو شدید باطل و مطرود بلکہ ملعون و مردود ادعا تھا۔ (صفحہ ۲۰) اس کے بعد کے نمبر اسی خرافت کے رد ہیں۔ (صفحہ ۲۰) یہ تو عقل و فہم کی حالت اور مدارک علمیہ میں دخل کی ہمت۔ (صفحہ ۲۱) القول الاظہر کی نافہمیاں صفحہ ۱۹ مصنف القول الاظہر کی سخت نافہمی (صفحہ ۲۱)

مصنف القول الاظہر نے آپ کی جناب میں ایسی کیا گستاخی کی تھی جس کا یہ معاوضہ ملا۔ اس میں نہایت ادب کے ساتھ آپ کو خطاب کیا تھا۔ اور جا بجا آپ کو فاضل بریلوی سے تعبیر کیا گیا تھا جس کا یہ صلہ ملا۔ کہ مجاہیل یا جملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق۔ اس زیادتی پر چاہیے تو یہ تھا کہ جواب ترکی بہ ترکی دیا جاتا لیکن جب کہ آپ اپنی عادت نہیں چھوڑتے تو ہم کیوں اپنی پسندیدہ عادت کو خیر باد کہیں ہم نے اب بھی آپ کو تعظیمی الفاظ سے مخاطب کیا ہے اور صریح نا ملائم الفاظ سے احتراز کیا کہ وہ آپ کا حصہ ہو چکے ہیں دوسرے کی ملکیت میں ہم کیوں دست اندازی کریں اور اس وجہ سے ہم دوسروں کی طرح یہ نہیں کہتے کہ آپ مہذبانہ طرز سے گفتگو کریں بلکہ ہماری طرف سے اجازت ہے کہ جو طریق گفتگو آپ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہو آپ بیدریغ اختیار فرمائیں لیکن براہ کرم اس خوبصورت حیلہ مجاہیل یا جملہ سے مخاطبہ نہ کچھ مفید نہ یہاں کے لائق۔ سے اپنی عقب گزاری نہ کریں۔ آخر مخاطبہ کی نوبت پہنچ ہی گئی۔ گو در پردہ سہی۔ آپ پردہ کے ساتھ مخاطبہ کریں ہم بے حجاب آپ سے مخاطبہ کے لیے تیار ہیں۔

اخیر میں ہم بھی اعلیٰ حضرت کی طرح مسلمانوں سے عرض کرتے ہیں کہ مسلمانو! اگر دین عزیز ہے۔ تو آنکھ کھولو اور گمراہیوں سے بچو۔ ورنہ تم جانو تمہارا کام۔ سمجھا دینا ہمارا کام۔ توفیق دینا مولی عزوجل کا کام۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین وصلی الله تعالی علی خیر خلقه محمد و آله و اصحابه اجمعین۔

فقیر معین الدین کان اللہ لہ
صدر مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ
اجمیر شریف

علمائے دیوبند اور بریلی کی خدمات کا تقابلی جائزہ

از قاری محمد طیب صاحب

مقدمہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

ماہنامہ "فاران" کراچی میں فاضل محترم مدیر فاران جناب ماہر القادری بدایونی کا مضمون بعنوان "ہماری نظر میں" نظر سے گذرا جو دو قسطوں میں فاران میں شائع ہوا ہے۔ پہلی قسط جولائی ۱۹۷۶ء میں کتاب "فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں" مصنفہ پروفیسر محمد مسعود صاحب پر تنقید کے سلسلے میں ہے اور دوسری قسط فروری ۱۹۷۷ء میں کتاب "زلزلہ" مصنفہ جناب ارشد صاحب قادری پر نقد و تبصرہ کے سلسلے میں ہے۔

محترم مدیر ممدوح حضرت ماہرالقادری سے مجھے اس وقت سے تعارف حاصل ہے جب وہ تقسیم ملک سے پہلے بمبئی میں مقیم تھے اور پھر تقسیم ملک کے بعد کراچی میں قیام پذیر ہوگئے۔ یہ تعارف اور تعلق اس وقت سے اب تک بدستور قائم ہے۔ احقر نے انہیں مخلص 'نیک نہاد' یک رخ اور صاف ذہنی سے بے لاگ تنقید و تائید کا خوگر انسان پایا۔ وہ اپنی دانست میں جو بھی کہتے یا لکھتے ہیں ضمیر کی سچائی سے کہتے ہیں۔ تائید ہو یا تردید ہر ایک میں یہ رنگ اعتدال کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ میں ان سے کسی نظریہ یا خیال سے اختلاف کر لوں اور متفق نہ ہوں۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ میں ان کے کہنے یا لکھنے میں ان کے ضمیر کی سچائی سے اختلاف رکھوں' کہ یہ خود میرے ضمیر کے خلاف ہے۔

اس زیر نظر مضمون میں بھی ان کا یہ صاحبدلانہ اور دیانتدارانہ معتدل رنگ نمایاں ہے جس میں انہوں نے اپنے ضمیر کی حد تک زیر تنقید اور زیر تائید طبقوں کی خوبی اور خرابی کو بے لاگ طریقہ سے پیش کیا اور بر ملا خوبی کو خوبی'

اور خرابی کو خرابی کہا ہے۔ ان کے مضمون کی ان دونوں قسطوں میں ایک حصہ نفس مسلک سنت و بدعت کے متعلق ہے۔ اور ایک حصہ ان مسلکوں کے پیروں کے افکار و خیالات اور معتقدات و حالات سے متعلق ہے۔ اور دونوں ہی امور کے بارے میں انہوں نے صاف دلی کے ساتھ صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ علماء دیوبند کی خدمات اور ان کے اتباع سنت اور محتاط رویہ کو سراہا ہے۔ اور حضرات بریلی کے مبتدعانہ اور اعتقادات شرک آمیز جذبات الوہیت و عبدیت نبوت و ولایت اور توحید و شرک کے فرق کو مٹا دینے کی روش پر گراں تنقید کی ہے۔ صاف دلی کے ساتھ صاف گوئی کا اثر مطالعہ کنندہ پر پڑتا ہے اس لیے احقر کا ان کے مضمون سے متاثر ہونا لابدی تھا۔ میں یقیناً متاثر ہوا اور کافی حد تک متاثر ہوا اور دل میں مدیر محترم کی قدر و منزلت اور عزت اور زیادہ بڑھ گئی۔

لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ میں اس مضمون میں علماء دیوبند کی خدمات' صحت عقائد اور جذبہ عمل کی ترجمانی سے اتنا متاثر نہیں ہوا جتنا کہ رد بدعات و منکرات اور شرک و الحاد اور دین میں مضحکہ خیز جاہلانہ رسوم کی صاف صاف قلعی کھولنے سے متاثر ہوا ہوں۔ کیونکہ علمائے دیوبند کی خدمات کتنی بھی وقیع' واقعی' اور مبنی بر حقیقت ہوں وہ بہرحال ایک طبقہ کی خدمات ہیں' جنھیں مانا بھی جا سکتا ہے اور ان کا انکار بھی کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ فی زماننا اہل بریلی کا دین ہی علماء دیوبند کی خدمات کا انکار بلکہ ان کے اسلام و ایمان تک کے انکار و تکفیر پر قائم ہے۔ گویا علماء دیوبند نہ ہوتے تو شاید ان کا مزعومہ ایمان بھی انہیں نصیب نہ ہوتا' جو مبنی ہی اس منفی پہلو پر ہے۔ اسی لیے بریلوی حضرات اپنی خدمات کے سلسلے میں آج تک کوئی مثبت اور معقول نصب العین نہیں پیش کر سکے جس پر اہل نظر غور و فکر کر کے کسی رد و قبول کا فیصلہ کرتے' خواہ وہ تعلیمی نظریہ ہوتا یا تبلیغی و سیاسی منصوبہ ہوتا یا اقتصادی' تصنیفی پروگرام ہوتا یا تربیتی' قومی پروگرام ہوتا' یا بین الاقوامی' جبکہ بدقسمتی سے سارے ہی اس قسم کے پروگرام علماء دیوبند نے سمیٹ لیے تو میدان علم و عمل میں رہ ہی کونسا گیا تھا کہ وہ اس میں ہمہ گیر طریقہ پر پیش قدمی کرتے' نیز جبکہ بریلی کے پروگرام کا اہم ترین بلکہ اقدم ترین نظریہ تکفیری مشغلہ ہے کہ یہ کافر وہ کافر وہ خارج از اسلام اور یہ خارج از ملت اور ان سب طبقوں کا نکاح شرعاً غیر منعقد۔ لہٰذا وہ ولدالزنا اور یہ ولدالحرام وغیرہ

یعنی ابجد ہی جب منفی پہلو سے ہو تو کسی مثبت پروگرام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پروگرام جسے کہتے ہیں وہ منفی سوراخوں سے کبھی نکلتا ہی نہیں۔ عملی نقوش ہمیشہ مثبت ہوتے ہیں اسی لیے قابل توجہ ہوتے ہیں جن پر وجود پسند غور و فکر کے ساتھ توجہ کرتے ہیں۔ منفی اور عمومی اشیاء کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا' کہ وہ قابل التفات ہوں۔

بہرحال علمائے دیوبند کی خدمات واقعی ہوں یا غیرواقعی ایک طبقہ کی خدمات ہیں جن کا ماننا نہ ماننا یا مدح و ذم کا سزاوار سمجھنا نفس دین پر براہ راست اثرانداز نہیں ہوسکتا لیکن بدعات و منکرات غلو کنندوں کی تحریفات مبطلون کے کذبات جاہلوں کی رکیک تاویلات اور تلبیسات کا پردہ چاک کر کے اصل دین معین اور اصل سنت مبین کے چہرہ سے نقاب اٹھانا' یا بالفاظ دیگر مصنوعی دین کو راستہ سے ہٹا کر اصل دین و سنت اور اسوۂ نبوت کو سامنے لے آنا کسی طبقہ خاص کی خدمت نہیں بلکہ اصل دین کی بنیادی خدمت ہے جس پر بظاہر اسباب دین کا بقا اور ارتقاء موقوف ہے اس لیے قدرتاً مجھ پر انبساط اور اطمینان کا جو اثر مضمون کے اس حصہ سے پڑا اتنا علماء دیوبند کی طرف سے مدافعت اور ان کی خدمات کو سراہنے کا نہیں پڑا گو وہ بھی بالواسطہ دین ہی کی خدمت تھی اور قابل تشکر خدمت تھی۔

لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ حضرت ماہرالقادری جیسے نقاد اور بے لاگ تنقیح کے خوگر انسان کے قلم سے علماء دیوبند کی خدمات اور ان کے اصل مسلک کا اعتراف بلکہ اعلانیہ ان کی حمایت و تائید اور باوجود بعض امور میں اختلاف رکھنے کے پر زور دفاع و اقدام ناسپاسی ہوگی اگر اس کو قابل قدر اور واجب تشکر نہ سمجھا جائے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء محترم مدیر فاران کی اس تائید و حمایت علماء دیوبند کا خلاصہ قدرے میرے الفاظ کی آمیزش کے ساتھ یہ ہے کہ علماء دیوبند نے مجاہدانہ شان سے دین کو پھیلانے اور دشمنان دین کو پسپا کرنے کی مساعی میں جانوں کی بازی لگا دی مالی قربانیاں دیں۔ مدح و ذم سے لا پروا ہو کر اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دیا' علمی لائنوں میں ہر دینی علم کی پیاپے تصانیف سے کتب خانوں کو بھر دیا' اپنے خطبات و مواعظ میں محققانہ انداز تعبیر سے مسائل دین اور عقائد سلف کو وقت کی زبان میں دنیا کے سامنے رکھا' جس سے ان کی

تصانیف اور مقالات نے قبولیت عام کا تمغہ حاصل کیا۔ ان کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ ملک کے ہر ہر خطہ اور کونے سے گذر کر دوسرے ممالک تک بھی پہنچا۔ اور مشرق و مغرب ان سے سیراب ہوا۔ تبلیغ و موعظت کی لائن سے کتنوں ہی کو گمراہی سے نکال کر انہوں نے راہ راست پر ڈالا۔ پھر تعلیمی لائن اور درس و تدریس سے ہزاروں کی تعداد میں محدث، مفسر، فقیہ، متکلم اور مشائخ سلوک تیار کئے۔ جس سے قلوب ان کی طرف جھک گئے۔ اور ان سب کامیابیوں کی ظاہری بنیاد یہی ہے کہ انہوں نے دین کی دعوت اسی طرح سادگی اور للہیت اور اخلاص سے دی جو طریقہ سلف صالحین کا تھا کہ سلف کی دعوت و تبشیرو انذار و تحذیر میں نہ کسی پر لعن طعن ہوتا تھا۔ نہ بدگوئی، نہ سب و شتم سے ان کی زبانیں آلودہ ہوتی تھیں، نہ ان کے قلوب میں ضد اور عناد کے جراثیم پرورش پائے ہوئے تھے۔ نہ فساد ذات البین اور قوم کے بندھے ہوئے شیرازہ کو بکھیرنے اور قومی تفریق کی تہمت سے متہم تھے۔ نہ ان کی تیز و تند آوازوں کی بے نیام تلواریں تکفیری اور دل خراش ہوتی تھیں کہ دلوں کے ٹکڑے کر دیں، نہ وہ جمع شدہ کو تفریق کا شکار بناتے تھے، نہ گروہ سازی ان کے پیش نظر تھی کہ تعصب و عصبیت کو ہوائیں دیں نہ جدال و مجادلہ اور مبارز طلبی ان کا نصب العین تھی کہ وہ سادہ لوح عوام کے جذبات کو بھڑکائیں، بلکہ صرف قال اللہ و قال الرسول اور قال الصحابہ ہی ان کی زبانوں کی زینت اسوۂ نبوت و ارثان نبوت ہی ان کے دست و بازو کی قوت تھی۔ اور اخلاص و اتباع سنت ہی ان کے دلوں کا جوہر تھی۔ ان کے اصلاحی خطبات اور مربیانہ کتبات میں نرمی ورافت، لہجوں میں رحمت و شفقت اور انداز تعبیر میں محبت و اخوت کے جذبات گھلے ہوئے تھے جو قدرتاً قلوب کی تسخیر کا باعث اور جذب و کشش اور مقبولیت کا ذریعہ تھے۔ یہ تھی روشن موعظت و نصیحت علماء سلف کی اور یہی صورت تعلیم و تبلیغ علماء دیوبند نے بھی اختیار کی جس سے انہیں بھی وہی موروثی مقبولیت ملی جو سلف کو ملی تھی۔ اور ان کا سلسلہ عملاً، علماً'' ذوقاً' وجداناً سلف صالحین سے سند متصل کے ساتھ ملا ہوا رہا جس میں کبھی کوئی درمیانی انقطاع نہیں ہوا۔ دور صحابہ سے مسلسل ملا ہوا چلا آرہا ہے اس لئے یہی علماء دیوبند اہلسنت والجماعت کہلانے کے قابل ہوئے۔ اس لئے یہ کوئی فرقہ نہیں بلکہ اصل میں فرقہ وہ ہے جو ان سے کٹ کٹ کر

اصول و فروع میں الگ ہوتا رہا اور اپنا مستقل وجود سب سے الگ تھلگ ان کی نفی پر قائم کرتا رہا ہے۔ جس کی بنیاد سنت و جماعت پر نہیں بلکہ خود اپنے اپنے ذہنی منصوبوں پر ہے۔ چنانچہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ ہی سے اس طبقہ حقہ کا لقب اہل السنت و الجماعت قرار پایا۔ جن میں محدثین و فقہاء مفسرین و متکلمین مشائخ سلوک و طریقت، مجاہدین و غزاۃ اور امراء عدل و قسط سب شامل ہیں جن کے مجموعے کا نام اہل السنت و الجماعت ہے اور سلف صالحین سے وراثۃً انھیں یہ لقب ملا ہے۔ جیسا کہ اس جامع لقب کے بارے میں محدث شہیر شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب البدور السافرۃ فی امور الآخرۃ میں ایک مستقل باب رکھ کر آیت کریمہ یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ کے تحت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال ھذہ الآیۃ قال یوم تبیض وجوہ اھل السنت و الجماعۃ، وتسود وجوہ اھل البدع والضلال ...[1] جس سے واضح ہے کہ اصل ملت اسلامیہ کا یہ لقب صحابہ ہی کے زمانہ خیر و برکت کا تجویز شدہ ہے۔ پھر جو بھی فرقہ بنا وہ اس سے کٹ کر بنا ہے اور اسے فرقہ بدعت و ضلال پکارا گیا۔ اس لیے اصل طبقہ دین اور دوسرے منقطع شدہ فرقوں کے حق و باطل کے پہچاننے کا سیدھا سادہ معیار یہی نکلتا ہے کہ جس طبقہ میں عشق و محبت صحابہ، عزم و جلالت صحابہ، عقیدہ وعمل میں پیروی صحابہ اور ذوق و وجدان میں نمونہ صحابہ کا رنگ اور ان کے علوم اور آثار کا نقش سند متصل کے ساتھ قائم ہے وہی طبقہ اہل السنت والجماعت ہے۔ اور جن میں صحابہ سے بغض و عداوت یا بدگوئی یا بدظنی اور ان کے نمونہ ہائے عمل سے گریز اور اس کے مقابلہ میں جس کے دینی امور مخالف طریق صحابہ، من گھڑت نمونوں، ایجاد شدہ نظریوں اور رسوم اور رواجوں پر مشتمل ہوں، جس کی کوئی سند ان تک نہ پہنچتی ہو تو وہی اہل بدعت و ضلال ہیں۔ اس لیے صحابہ ہی کی مقدس جماعت فرقوں کے حق و باطل کے پہچاننے کا صحیح معیار ثابت ہوتی ہے جیسا کہ حدیث افتراق امت میں اس کی صراحت فرما دی

---

[1] البدور السافرۃ اسٹیم پریس لاہور ۱۳۲۰ھ ص ۱۴۳۔

گئی ہے۔

اسی بناپر مدیرفاران نے زیر تنقید کتب کے مصنفین اور ان کے فرقہ کے اس طرز عمل پر اظہار تاسف کیا ہے کہ دونوں نے علماء دیوبند کو فرق باطلہ روافض و خوارج یا قدریہ جبریہ یا مجسمہ معطلہ وغیرہ کو فرق باطلہ کی لائن میں لاکر انہیں ایک فرقہ کی حیثیت سے دیکھا اور ان کی تکفیر کا وظیفہ ادا فرمایا ہے درال حالیکہ اہل سنت نے خود ان فرقوں کی بھی علی الاطلاق تکفیر نہیں کی اس لیے علماء دیوبند کوئی فرقہ نہیں ہیں بلکہ اصل ملت کے پیرو ہونے کی وجہ سے اصل دینی طبقہ ہیں جو سند متصل کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہیں اس لیے وہ اصل ہیں نہ کہ اصل سے ہٹا ہوا کوئی فرقہ۔ فرقہ اصول و کلیات کی تبدیلی و تحریف سے بنتا ہے نہ کہ فروع کے اجتہادی اختلاف و تفاوت سے کہ وہ باہمی اختلاف کے باوجود ایک ہی فرقہ کی شاخ کہلاتا ہے جبکہ اس میں وہ کلیات اور اصول کا اختلاف نہیں ہوتا جس میں غلو اور مبالغہ اور تشدد یا غلبہ حال شامل ہو کیونکہ اصول کا اختلاف کبھی غلو اور غلبہ پر احداث سے ہوتا ہے اور کبھی غلبہ محبت سے ہوتا ہے جیسے روافض کا دین اسی غلو پر مبنی ہے۔ جس کے اصول ہی وہ نہیں جو اصل مسلک حق کے تھے کبھی غلو عداوت سے ہوتا ہے جیسے خوارج نے اسی غلو سے مغلوب ہو کر صحابہ کی روش سے اصولی اختلاف کیا کبھی غلو عقل و خرد سے ہوتا ہے جیسے معتزلہ نے عقل کو نقل پر حاکم مانا اور دین کے اصول و کلیات کو عقلی تگ و تاز سے بدل دیا کبھی یہ غلو، غلوئے بلادۃ و غباوۃ سے ہوتا ہے جیسے جبریہ نے غباوۃ سے مغلوب ہو کر نظام دین ہی یکسر بدل ڈالا اور عقائد کو نظریات میں تبدیل کر دیا، کبھی شہوات نفس اور نفسانی جذبات کے غلو سے ہوتا ہے، جیسے عموماً تمدن پسند طبقہ اپنی خواہشات نفس پر دین کو ڈھال لیتا ہے اور حسب خواہش نفس مسائل میں طرح طرح کے اصولی تغیرات کرتا رہتا ہے جس سے دین کی ایک نئی قسم بنام ماڈرن دین پیدا ہو جاتی ہے جس کے اصول و فروع ہدایت رب کے بجائے ہوائے نفس سے بنتے ہیں اور شدہ شدہ دین کا لقب پا لیتے ہیں۔ لیکن علمائے دیوبند جبکہ دین کی تمام اصول و فروع میں دین صحابہ کے پابند اور انہی کے آثار کے دائرہ میں محدود رہ کر اصول و فروع کو سمجھتے اور ان کی مرادیں متعین کرتے ہیں جس میں نہ غلوئے محبت سے

جادۂ مستقیم سے ہٹتے ہیں، نہ غلوئے نفرت اور منافرت سے نہ عقل نااندیش کے غلو اور تعمق کا شکار ہیں، نہ ہوائے نفس کے غلو میں گرفتار تو ان کے فرقہ ہونے کی کوئی وجہ ہی پیدا نہیں ہوتی۔ انھوں نے تو ایک ایک سنت نبوی اور اسوۂ حسنہ نبوت و صحابیت کی ہر ہر شعبہ جات دین و معاشرت میں شدت سے پابندی اور پیروی کی کہ اس کے بغیر فراست ایمانی، قوۃ عرفانی، ضیا وجدانی اور علمی قوتوں کا نشوونما ممکن نہیں تھا۔ اور شخصیات مقدسہ کی عظمت و توقیر یعنی ذات نبوی سے لے کر آپ کے سچے ورثہ و جانشین اور راسخین فی العلم صحابہ و تابعین۔ ائمہ مجتہدین علماء و مشائخ ربانیین، حکماء دین، عرفاء حقانیین کی ذوات کے ساتھ گرویدگی، ادب و تعظیم، نیاز مندانہ عقیدت و محبت اور ان کے اخلاق و شمائل، سنن و خصائل اور روایت کردہ مسائل و دلائل کے ساتھ مطیعانہ شغف کے ساتھ پیروی، نیز حل مسائل میں ان کے اقوال و آثار سے باہر آنا ایک لمحہ کے لیے گوارا نہیں کیا، اگر صوفیاء پر حرف آیا تو برسرمیدان اس کا ازالہ کیا۔ راس الصوفیاء شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ پر ان کے بعض اسالیب بیان سے گرفتیں کی گئیں تو حضرت تھانوی رہ نے " التنبیه الطربی في تنزیه ابن العربی " لکھ کر طاعنوں کا منہ بند کیا۔ اور اگر حضرت منصور حلاج پر ان کے بعض مقامات سکریہ پر طعن و تشنیع کی زبانیں کھلیں تو "القول المنصور" حضرت ممدوح نے لکھ کر ان کے اقوال کی صحیح توجیہ پیش کی جس سے طعنہ زنوں کے منہ بند ہوگئے اور اگر علماء سلف اور ائمہ مجتہدین پر کسی نے بدگوئی کر کے اپنی آخرت خراب کی تو ان ہی علماء دیوبند نے پچاسوں تصانیف اور مقالات کے ذریعے ان کی زبانیں بھی بند کیں اور ان رخنوں میں بند لگائے۔

بہرصورت سلف صالحین کو اصل معیار دین ٹھہراکر اسی معیار سے حق کو حق اور باطل کو باطل ٹھہرایا۔ اور غلط فہمیوں کا ہرسمت سے سدباب کیا کہ اس کے بغیر شہوات نفس کی تعدیل، محبت خدا و رسول ﷺ کے تحت زہد و ورع و احتیاط اور عمل کے حقیقی دواعی قلوب میں نہیں ابھرسکتے تھے۔ پہلی بنیاد کا ثمرہ علم صحیح تھا اور دوسری کا عشق صادق او محبت عقلی کی یہی دو بنیادیں ہیں جنہیں الحمد للہ علمائے دیوبند نے علماً و عملاً، اعتقاداً و ذوقاً اپنایا اور قائم رکھا اس لیے اس ناکارہ کے ذہن میں ان کی مقبولیت کی حقیقی بنیاد محض دانستی خدمت نہیں بلکہ

ان کی یہ دو حقیقی بنیادی علم و عشق اور ان کی جامعیت ہے جنہوں نے ان میں اعتدال پیدا کیا انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر میں بیان شدہ لقب کے دونوں اجزاء یعنی سنت و جماعت کو جمع کیا تو وہ جامع بین الروایۃ والدرایۃ جامع بین العقل والنقل، جامع بین العلم والعشق، جامع بین الحال والقال اور جامع بین الفقہ والسلوك ثابت ہوئے۔ اس لیے ان کی روش میں حقیقی اعتدال قائم ہوا جو ان کے حق میں ذریعہ مقبولیت و محبوبیت اور ذریعہ عمومیت و اشاعت ثابت ہوا۔ اس جامعیت کے تحت انھوں نے ایک طرف اپنے علمی وقار خودداری اور استغناء کو قائم رکھا اور ایک طرف تواضع للہ اور انکسار نفس میں فرق نہیں آنے دیا' نہ کبر نفس کا شکار ہوئے نہ ذلت نفس میں گرفتار ہوئے' نہ توحید چھوڑی اور نہ عظمت اہل اللہ ترک کی:

"یوں بہم کس نے کیے ساغر و سنداں دونوں؟"

اس لیے بایں جامعیت نہ تو وہ مثل علماء روزگار خود ستا' اور خود بین بنے' اور نہ دوسروں کے حق میں تحقیر و تذلیل کے ساتھ مکفر اور بدبیں ثابت ہوئے بقول سعدی شیرازی۔

یکے آں کہ برخویش خود بیں مباش دگر آنکہ برغیر بدبیں مباش

اسی لئے ان سے امت میں نہ کوئی مفسدہ پھیلا نہ فرقت کے جراثیم پھیلے نہ اختلاط حق و باطل کے شرارے ابھرے بلکہ اندرون حدود اتحاد و ایتلاف ہی نمایاں ہوا اور اندرون تہذیب حق و باطل کا فصل اور امتیاز ہی کھلا۔

اور ساتھ ہی جبکہ پروگرام منفی ہے تو اسے پروگرام سمجھ کر شاید کوئی کھڑا بھی نہ ہو گا سوائے اس کے کہ دین سے بے خبر سادہ لوح عوام سوچے سمجھے بغیر ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ اور کام کا سلسلہ قائم رہے' البتہ یہ ممکن ہے کہ اس کاروبار کے ذمہ داروں کو خود ہی یہ خیال دامن گیر ہو کہ اس پورے ملک اور بیرون ملک کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو کہاں تک کافر کہا جائے۔ کوئی مثبت لائحہ عمل بھی اس کے ساتھ ہونا چاہئے کہ عوام کے اکتا جانے اور پڑھے لکھوں کے بیزار ہو جانے کا خطرہ ٹلے تو شاید اس لئے ان حضرات نے اپنا ایک مثبت

نصب العین بھی پیش فرمایا ہے جس کی دعوت دی ہے وہ بنیادی طور پر خالق، مخلوق، معصوم، غیر معصوم اور نبی غیر نبی کا فرق مٹا دینا ہے۔ کیونکہ تمام اہل سنت و الجماعت سے ہٹ کر اپنا ایک ممتاز مسلک پیش فرماتے ہیں کہ جو کام خدا کرتا ہے وہی ذرا ذاتی اور عطائی کے فرق سے اس کے مقبول بندے مثلاً انبیاء بھی کر سکتے ہیں اور اگر انبیاء کا سلسلہ ختم ہوگیا تو اولیاء کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ ان بندوں کے کام تو اولیاء بھی انجام دے سکتے ہیں۔ تو پھر اس کی خاص ضرورت نہیں کہ اپنی مرادیں مانگنے میں خدا ہی کی طرف رجوع کیا جائے اور سارے امور خدا کی عبادت پر موقوف رکھے جائیں۔ بس جیسے خدا کو سجدہ کیا جائے ایسے ہی اللہ والوں بلکہ ان کی قبروں تک کو سجدے کئے جاسکتے ہیں اور جیسے بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے ایسے ہی اولیاء کی قبور کا طواف بھی کیا جاسکتا ہے اور جیسے خدا سے مرادیں مانگی جاسکتی ہیں ویسے ہی ان بزرگان دین کی قبروں پر جاکر ان سے بھی مرادیں مانگی جاسکتی ہیں اور جیسے اللہ کے نام پر قربانی دی جاسکتی ہے ایسے ہی ان بزرگان دین کے مزارات پر ذبیحے کئے جاسکتے ہیں۔ جیسے خدا اپنی مخلوق میں اپنے اختیارات سے تصرف فرماتا ہے ایسے ہی یہ اولیاء اللہ بھی اپنے اختیاری تصرفات فرما سکتے ہیں اور جیسے خدا اپنے بندوں کی ہر بات سنتا ہے اور انہیں ان کی مرادیں اور اولاد و رزق وغیرہ دیتا ہے ایسے ہی انبیاء و اولیاء بھی سب کی فریادیں سنتے ہیں اور ان کی مرادیں پوری کرتے ہیں اور جیسے اللہ عالم الغیب اور سارے ما کان وما یکون کا علم رکھتا ہے اور جیسے اللہ ہر جگہ زمان و مکان میں حاضر ہے ایسے ہی حضور اکرم ﷺ بھی حاضر و ناظر ہیں جو مخلوق کی ساری باتیں سنتے ہیں اور ان کی مرادیں پوری کرتے ہیں اور جیسے اپنی عبدیت و بندگی ظاہر کرنے کیلئے عبداللہ و عبدالرحمٰن نام رکھے جاتے ہیں ایسے ہی ان اولیاء سے بھی اپنا رشتہ عبدیت قائم کرنے کیلئے عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ نام رکھے جاسکتے ہیں۔ یعنی اللہ اور ان بندوں میں ذات و صفات اور افعال کے لحاظ سے کوئی خاص فرق نہیں۔ بجز اس کے کہ ذاتی اور عطائی کی فصل ممیز لگالی جائے مگر جنس ایک ہی ہے۔ اس لحاظ سے بندوں کو اللہ بھی کہہ سکتے ہیں جیسے عیسائیوں نے کہا تھا کہ ان اللہ ھو المسیح بن مریم لہٰذا اگر کہا جائے کہ

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہوکر
وہی زمیں پر جلوہ گر ہوا مصطفیٰ ہوکر

بہرحال ان بزرگان دیوبند نے علمی' عملی اور اخلاقی و سیاسی دائرہ میں بھرپور علمی اور ان تھک عملی خدمات انجام دیں مگر اعتدال کا رشتہ ہاتھ سے نہیں چھوڑا چونکہ جامعیت ان کا جوہر نفس بن چکی تھی۔ ممکن ہے کہ یہی خدمات اور مجاہدانہ کارنامے ان لوگوں کیلئے ان حضرات کی تکفیر کا باعث بنے ہوں "الناس اعداء لما جهلوا" لیکن مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں۔ علمائے دیوبند مومن ہوں یا معاذ اللہ کافر' اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کافر کہنے والوں کا آخر وہ کون سا نصب العین ہے اور ملی' مذہبی' سیاسی و اقتصادی پروگرام ہے جسے وہ پیش کرنا چاہتے ہیں اور اس میں علمائے دیوبند کو حارج سمجھ کر ان کی تکفیر پر مجبور ہوئے۔ اگر کوئی تعلیمی پروگرام سامنے ہے تو علمائے دیوبند نے اسے سو برس سے عالمگیر پیانہ پر اٹھا رکھا ہے اور ہزاروں مدارس کا جال ہند و بیرون ہند میں پھیلا چکے ہیں۔ ایک مدرسہ دیوبند ہی تقریباً گیارہ ہزار سے زائد مکمل علماء تیار کرچکا ہے۔ جو ہند و بیرون ہند میں سرگرم عمل ہیں۔ تو پھر انہیں تعلیمی نصب العین پر کیا اکسایا جائے۔ اگر کوئی تبلیغی پروگرام ہے تو فضلاء و منتسبین دیوبند نے بین الاقوامی طور پر تبلیغی سلسلہ کو عالمگیر بنا دیا ہے۔ ایشیا' افریقہ' امریکہ اور یورپ کا کوئی ملک نہیں چھوڑا جس میں سادگی اور کمال فروتنی سے اللہ کا کلمہ بلند نہ کیا ہو۔ پھر نہ صرف علماء بلکہ عوام تک کو تبلیغی جماعتوں نے سرگرم دعوت و تبلیغ بنا دیا ہے تو اس پر انہیں کیا ابھارا جائے۔ اگر کوئی سیاسی پروگرام ہے تو وہ سو سال پہلے کانگرس قائم ہونے کے وقت سے سیاسی اور حقوق طلبی کے اقدامات کی حمایت میں فتویٰ دے چکے ہیں اور درمیان میں ہر انگریز مخالف تحریک کی قیادت اور سرکردگی دارالعلوم و جمعیت علماء ہند نے کی تا آنکہ جنگ آزادی میں بھی سب سے پیش پیش رہے۔ قید و بند کی مشقتیں سب سے زیادہ انہوں نے ہی جھیلیں اور ساری سختیاں برداشت کیں۔ یہاں تک کہ ملک کو آزاد کرالیا تو اس میں کوئی نو پیدا جماعت انہیں کیا سبق دے سکتی ہے اور اگر کوئی تربیتی پروگرام ہے جس میں ہندوستانی مسلمانوں کے اخلاق کو شائستہ

بنانے کی اسکیم ہو کہ لوگ مہذب و شائستہ بنیں' گالم گلوچ' متعصبانہ کرختگی' نفرت و علیحدگی پسندی اور تکفیری جذبات سے انہیں بچا کر ربانی اخلاق پر لایا جائے تو یہ کام وہ بسلسلہ بیعت و ارشاد ہمہ گیر پیمانہ پر سو برس سے انجام دے رہے ہیں اور ہزاروں اہل دل انہوں نے تیار کر دیئے جو اپنی اپنی جگہ محقق قسم کے مشائخ ثابت ہوئے۔ تو اس بارے میں کیا انہیں سبق دیا جاسکتا ہے کہ وہ تو اپنا آموختہ خود دنیا کو سنانے میں مصروف ہیں۔ غرض ان میں سے کوئی بھی پروگرام ایسا نہیں جسے علمائے دیوبند بہت پہلے سے عملاً انجام نہ دے رہے ہوں۔ تو انہیں بریلی سے ایسی دعوتیں کیا دی جاسکتی ہیں۔ اگر دی جائیں گی تو تحصیل حاصل کے ہم معنی ہوں گے۔ اب بریلی سلسلہ کا ایک ہی اہم پروگرام رہ جاتا ہے جو اس وقت عملاً جاری ہے اس کو وہ پروگرام کے نام سے پیش کرسکتے ہیں وہ تکفیر بازی کی مہم ہے۔ دیوبند والے کافر' ان کو ماننے والے سب کافر' ان کے کفر میں شک کرنے والے بھی کافر' ندوہ والے کافر' علی گڑھ والے کافر' نجدی لوگ سب کافر' اہل حدیث سب کافر' بڑے بڑے لیڈر مثل ڈاکٹر اقبال' ظفر علی خان وغیرہ سب کافر' نہ ان کے نکاح درست ہوئے نہ ان کی اولاد حلال کی ہے۔ بقول ان کے سب ولد الزنا اور ذریت الحرام ہیں۔ اگر اس کی دعوت دینی ہے تو قطع نظر اس سے کہ یہ فعل اور یہ دعوت معقول ہے یا نامعقول۔ ان علمائے دیوبند کو اپنے شب و روز کے تعلیمی' تبلیغی' تصنیفی' افتائی' اصلاحی اور احسانی مشاغل سے اتنی فرصت کہاں کہ دنیا کو کافر بناتے پھریں اور اس کیلئے حیلے تلاش کر کرکے اور لوگوں کی عبارتوں سے ان کے خلاف مراد مدد لے لے کر تکفیری افسانے تیار کریں اور اس میں وقت لگائیں۔

اس پروگرام کو جبکہ حضرات بریلی نے اپنے ذمہ لے لیا ہے تو یہ کافی ہے اور وہ اپنی ذاتی دلچسپی سے کسی کی مدد کے بغیر کاروبار ٹھیک چلا رہے ہیں تو جیسے وہ اب تک بلامدد غیر چلتا رہا ہے آئندہ بھی چلتا رہے گا۔ اب تک اس میں کسی نے بھی اس کی مدد نہیں کی مگر کاروبار نہیں رکا۔ اب بھی کوئی مدد گار کھڑا نہ ہو تو اس کاروبار میں فرق نہیں آئے گا بلکہ بے یار و مدد گار ہی یہ کام زیادہ عمدگی سے پورا ہوتا رہے گا۔ ممکن ہے کہ دوسرا اس میں معقول ترمیم سامنے رکھ دے اور کام میں رکاوٹ ہو۔ اس لئے اس پروگرام کی کسی کو دعوت دینے کی

ضرورت ہی نہیں۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ بس احد اور احمد میں صرف میم کا فرق ہے جنس اور جوہر ایک ہی ہے۔ اس لئے جیسے یا اللہ یا رحمٰن یا کریم پکارا جاتا ہے اسی طرح سے بقول ان کے یا رسول اللہ' یا علی' یا غوث' کی صدا بھی بلند کی جا سکتی ہے۔ حتیٰ کہ پنج وقتہ اذانوں میں خواہ اللہ نہ بھی پکارا جائے مگر یا رسول اللہ ضرور پکارا جائے۔ اور جو نہ پکارے یا اس سے گریز کرے وہ بے ادب' گستاخ ہے اور کافر ہے۔ جس طرح اللہ کا دباؤ اپنے بندوں پر ہے ایسے ہی ان للّٰہ اللہ کا دباؤ اللہ پر بھی ہے کہ وہ کسی کو بخشنا نہ بھی چاہے تب بھی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اسے بخشوا سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہے وہ مثبت پروگرام اور نصب العین جس کی دعوت مسلم قوم کو دی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ یہ بھی اسلام اور ایمان ہے۔ لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ سارے کام تو اسلام سے قبل جاہلیت میں بھی ہوتے تھے' دیوی دیوتا پکارے جاتے تھے۔ ان ہی سے مدد مانگی جاتی تھی' ان ہی سے استغاثہ و فریاد کیا جاتا تھا اس کو متصرف فی الامور اور مدبر عالم سمجھا جاتا تھا اور یہی بقول آپ کے اسلام تھا تو یہ اسلام تو اسلام آنے سے پہلے ہی سے موجود تھا۔ پھر اسلام کو دنیا میں آنے کی آخر ضرورت ہی کیا تھی؟ یہی سب کام جب ابوجہل' ابولہب کرتے تھے تو آنحضرت ﷺ کی پاک تعلیم سے صدیق و فاروق بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ جب کہ ان کے آنے سے پہلے عرب میں یہ سارے کام انجام پاتے تھے بلکہ عرب کی چاروں سمتوں کے دوسرے ملکوں میں بھی ان ہی دیوی دیوتاکو بنام اولیاء و انبیاء مرجع طاعت و فریاد اور مرکز استغاثہ و الغیاث مانا جارہا تھا۔ ان کے ناموں کی قربانیاں دی جارہی تھیں اور ان ہی کے ناموں کو مسلمانوں کے سامنے رکھ کر چڑایا جاتا تھا کہ لنا عزی ولا عزیٰ لکم جس پر بارگاہ نبوت سے جوابی نعرہ یہ تلقین کیا گیا اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم ۔ لیکن جب بریلوی مثبت نقطہ نظر سے ان کے مثبت نصب العین کے تحت یہ جاہلیت اور اسلام ایک ہی چیز ہیں تو پھر کیا ضرورت تھی کہ مشرکین مکہ سے خواہ مخواہ لڑائیاں مول لی گئیں اور پورے عرب کو ان سے پاک کرکے بارگاہ نبوت سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب شیطان مایوس ہوگیا کہ جزیرۂ حجاز میں اس کی پرستش کی جائے۔ اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اسلام اور جاہلیت کو دو متقابل سمتوں میں رکھ کر ایک کو دوسرے

کا مقابل کیوں کہا جاتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ بریلی کے حضرات بھی زبان سے کم سے کم یہ کہتے ہوں تو کیوں کہتے ہیں جبکہ ان دونوں کے احوال و اوصاف میں اصولاً کوئی فرق نہیں۔

بہرحال اس پروگرام کے تحت محبت و عظمت خدا و رسول کے یہی معنی ہیں کہ خالق و مخلوق، نبی غیر نبی، معصوم غیر معصوم میں کوئی فرق باقی نہ رہے۔ ولی نبوت کے مقام پر آجائے اور نبی خدائی کے مقام پر پہنچ جائے۔ یعنی خدا خدا نہ رہے رسول رسول نہ رہے تو سمجھ میں نہی آتا کہ پھر خدا و رسول کی عداوت کیلئے آپ کیا لقب اختیار کریں گے اور احباء اللہ اور اعداء اللہ میں فرق کی کیا صورت ہوگی۔ اندریں صورت یہ بھی ظاہر ہے کہ جب اسلام خود ہی معاذ اللہ جاہلیت ٹھہر گیا جیسا کہ آپ نے دونوں اوصاف و احوال مساوی کر دیئے تو مسلم و کافر کی اصطلاحیں بھی منقلب ہو جانی لازمی تھیں اور وہ یہی ہو سکتی تھیں کہ دیوبندی، ندوی، نجدی، حدیثی، فقہی، سیاسی سب کافر اور صرف بریلویت کا ایک محدود طبقہ مسلم۔ اس لئے شاید اس خاص قسم کی مسلم برادری کا لقب سنی رکھا گیا ہے۔ عرف عام میں اسے اہل سنت والجماعت نہیں پکارا جاتا مثلاً سنی جمعیت العلماء، سنی مجلس وغیرہ کیونکہ اہل سنت والجماعت کا لقب اس خاص قسم کے اسلام والوں پر منطبق نہیں ہوتا، ظاہر ہے جب مثبت پروگرام دعوت شرک و بدعت دعوت ترک توحید و سنت، دعوت مساوات عبد و معبود ہو اور منفی پروگرام یہ کافر، وہ کافر، وہ ولدالزنا، وہ ولد الحرام اور ان دونوں پروگراموں کے چلانے کا طریقہ مجالس میں کھلا تبرا کہنا اور نام بنام تکفیر اور دشنام طرازی ہو تو قدرتی طور پر اس کا ثمرہ بھی ویسا ہی ہو سکتا ہے جیسا پروگرام اور اس کا نصب العین ہے۔ اور وہ تفریق بین المسلمین اور فساد ذات البین ہو سکتا ہے جو نکل رہا ہے۔ سچ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "ما اوتی قوم بدعة الا اوتوا الجدل او کما قال علیه الصلواة والسلام" کسی قوم میں بدعت نہیں آئی کہ اس کے ساتھ جدل (جھگڑا) فساد اور (فرقہ) نہ آتا ہو۔ العیاذ باللہ۔

محترم مدیر "فاران" نے جذبہ خیر خواہی سے ان حضرات کے مشرکانہ مبتدعانہ منصوبوں کی وضاحت کرتے ہوئے بہرحال انہیں دعوت توحید و سنت دی جو بہر آئینہ موجب اجر ہے۔ احقر ان کے مضمون کے اس حصہ سے جو رد شرک و

بدعت سے متعلق ہے جتنا متاثر ہوا اتنا دوسرے حصہ سے نہیں ہوا جو علمائے دیوبند کی حمایت و صیانت و خدمات کے سلسلے میں ہے کیونکہ رد شرک و بدعت اور رد جاہلیت براہ راست اسلام اور قوم مسلم کی خدمت ہے' کسی طبقہ خاص کی نہیں۔ باقی جس حد تک علمائے دیوبند کے بارے میں تحریر فرمایا گیا ہے اس کے بارے میں دل سے دعاء نکلی۔ خیال ہے کہ آئندہ فرصت کے موقعہ پر مزید اس بارہ میں دیوبندیت اور بریلویت کی حقیقی بنیادیں واضح کی جائیں۔ حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے' آمین بحرمة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مولانا احمد رضا خان

بدایونی اہل ادب کی نظر میں

تراجم قرآن کا تقابلی معائنہ

بریلویوں نے پاکستان بننے کے بعد اپنے پہلے اختلافات میں ایک اور اختلاف کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یہ مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ قرآن کنز الایمان ہے۔ ملک شیر محمد خان اعوان نے محاسن کنز الایمان میں اپنا کیس بڑی تیاری سے پیش کیا ہے اور حضرت شیخ الہند کے ترجمہ قرآن پر بڑی دلیری سے بحث کی ہے۔ یہ 56 صفحات کا رسالہ بریلویوں کو مفت تقسیم کروانا پڑا کیونکہ علمی وادبی دنیا میں اسے زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھا گیا اسے قیمت دے کر خریدنے والے بہت کم تھے اور بریلویوں کی کتابوں کو پوچھتا بھی کون ہے۔

ملک صاحب کنز الایمان کو دوسرے معاصر ترجموں سے ملانے اور ان پر تنقید کرنے میں تیز رو واقع ہوئے ہیں۔ شیخ الہند کے ترجمہ پر تنقید کرتے ہوئے آپ یہاں تک بھول گئے کہ یہ کوئی مستقل ترجمہ نہیں ہے بلکہ ایک صدی پہلے کے ترجمہ قرآن پر ایک نظر ثانی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسمیں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے تابع رہ کر چلے ہیں۔ ترجمہ قرآن کی نزاکت اور وقت نظر نے انہیں آزاد ترجمہ قرآن کی بجائے پہلے متفق علیہ مترجم پر جمع کیا۔ حضرت شاہ عبدالقادر کے دور میں اردو اپنے ابتدائی مراحل میں تھی حضرت شیخ الہند نے اپنے دور کی مناسبت سے اسمیں کہیں نہ کہیں زبان کی تبدیلیاں کیں لیکن مفسرین کے اختلاف میں آپ زیادہ تر حضرت شاہ عبدالقادر کے ساتھ ہی رہے ہیں۔ بریلویوں کی طرف سے حضرت شیخ الہند کے ترجمہ پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں وہ حضرت شاہ عبدالقادر پر بھی اسی طرح لوٹتے ہیں۔انہیں حضرت شیخ الہند پر لگانا قرین انصاف نہیں ہے۔

دیوبند والوں کو زیادہ تر سبق یہ دیا گیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے وہ پہلوں کی پیروی میں رہیں۔ یہ صرف مولانا احمد رضا خان ہیں جنہوں نے پہلے ترجمین سے بے نیاز ہو کر ایک نئے ترجمہ کی طرح ڈالی اور اپنے عوام میں وہ مجدد کہلائے۔(یعنی نئے سرے سے بات کرنے والے)

حضرت شیخ الہند کے ترجمہ قرآن میں اردو دوز مانوں میں یکجا کی گئی ہے۔ صحیح بات جاننے کے لئے آپ نے اسے اپنی تعبیر دی یہ نہیں کہ آپکی اردو کمزور تھی۔ جس نے آپ کے خطبات اور حواشی کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ آپ اردو کے ایک پختہ انشاء پرداز تھے۔

بدایونی حضرات کی نظر میں کنز الایمان کیا ترجمہ ہے اسے آپ مولانا ماہر القادری کے اس تبصرہ میں ملاحظہ فرمائیں جو آپ نے محاسن کنز الایمان پر کیا ہے۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

محاسن کنز الایمان ملک شیر محمد اعوان کا ایک 56 صفحات کا رسالہ ہے اہل ادب نے اسے کیسا پایا یہ اس تبصرہ سے ظاہر ہے جو ماہنامہ فاران میں اس پر کیا گیا ہے۔ مرکزی مجلس رضا نے اس پر پھر ضیاء ۔کنز الایمان 55 صفحات میں شائع کیا۔ یہ کیسا رہا اسے آپ فاران کی اگست کی اشاعت میں ملاحظہ فرمائیں۔

بریلویوں کا اہلسنت سے سب سے بڑا اختلاف

کس آیت کے ترجمہ میں ہے؟

کنز الایمان میں آیت انا فتحنا لك فتحاً مُبینا۔ لیغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وما تاخر۔ پ 26 الفتح کا یہ ترجمہ دیا گیا ہے۔

تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے

اس سے پہلے کے سنی تراجم میں اس کا ترجمہ یوں دیا گیا ہے۔

تا کہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔

(حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ)

اس پر بریلوی علماء کو یہ اعتراض ہے کہ اس ترجمے سے عصمت نبوت مجروح ہوتی ہے ذنبک میں لفظ ذنب کی نسبت حضور کی طرف کرنا آپ کی بڑی بے ادبی ہے اس کی نسبت امت کی طرف کی جائے جیسا کہ اعلیٰ حضرت نے کیا ہے نہ کہ حضور کی طرف جیسا کہ پہلے مترجمین کرتے آئے ہیں۔

قارئین مطالعہ بریلویت سے مخفی نہ ہوگا کہ مطالعہ بریلویت جلد 2 صفحہ 118 پر ہم نے پہلے سنی تراجم کے حق میں مولانا احمد رضا خان کے والد مولانا نقی علی خان کو بھی اپنے گواہوں میں پیش کیا ہے اور پھر اس جلد میں بھی اس موضوع پر سیر حاصل بحث آگے آرہی ہے۔

ہمارے قارئین اس بات سے بہت خوش ہوں گے کہ مولانا مظہر اللہ دہلوی کے نواسہ ابوالخیر مولانا محمد زبیر نے یہاں کھل کر یہ بات کہہ دی ہے کہ پچھلے سنی تراجم کو غلط کہنے میں اس کی زد کن کن اکابر امت پر آتی ہے۔ ہم مولانا موصوف کے بصمیم قلب شکر گزار ہیں کہ انہوں نے کھل کر اس ترجمہ میں مولانا احمد رضا خان کو خطاوار کہا ہے اور بتلایا ہے کہ کنز الایمان کے اس غلط ترجمے پر اصرار کر کے ہم کس طرح پوری امت سے کٹ جاتے ہیں۔ موصوف اپنے ان نادان ساتھیوں (بریلویوں) کے بارے میں لکھتے ہیں۔

انہوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ عشق مصطفےٰ کی آڑ میں نبیوں ولیوں صحابہ کرام اور اہلبیت اور تمام مفسرین و محدثین حتیٰ کہ اعلیٰ حضرت کے والد گرامی کو بھی کافر بتا کر کس طرح لوگوں کے ایمان

برباد کرنے کی سازش کی جارہی ہے اور ایک نئے خطرناک فرقے کو جنم دے کر لوگوں کو گمراہ کرنے کا ایک خطرناک منصوبہ بنایا جارہا ہے۔

یہ جو ایک نئے فرقہ کے پیدا ہونے کی خبر دی جارہی ہے یہ کون سا خطرناک گروہ ہے جو عشق مصطفیٰ کی آڑ میں کسی بات میں بھی مولانا احمد رضا خان کو خطا پر کہنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ وہ غالی بریلوی ہیں جو ہر جگہ کنزالایمان کی بے جا حمایت میں چودہ سو سال کے اہلسنت اکابر پر گستاخی رسول کا فتوے دینے سے نہیں ڈرتے اور اب تو یہ ایک مستقل فرقے کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ اب بریلویوں کا اس مسئلہ میں دو حصوں میں تقسیم ہو جانا اس تاریخ کی صدائے بازگشت ہے جو بریلویوں نے ایک صدی سے علمائے اہلسنت (علماء دیوبند) کے خلاف قائم کر رکھی تھی۔

مولانا مفتی مظہر اللہ دہلوی کے نواسہ ابوالخیر مولانا محمد زبیر جو پروفیسر مسعود احمد صاحب۔ کے بھانجے ہیں۔ مولانا احمد رضا خان کے ان غالی معتقدین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

یہ فرقہ عوام کو تو یہ کہہ کر بے وقوف بنالیتا ہے کہ اس آیت کا ترجمہ یا تشریح کرتے وقت اگر ذنب یا اس کے معنی گناہ یا خطا سے کرتے ہوئے اس کی نسبت حضورؐ کی طرف برقرار رکھی گئی تو اس سے عصمت انبیاء کا مسلمہ عقیدہ مجروح ہو جائے گا لیکن وہ علماء جن کی احادیث وتفاسیر پر وسیع نظر ہے وہ ان کے دام فریب میں نہیں آسکتے۔

موصوف آگے جا کر ان غالی بریلویوں کو یوں بے نقاب کرتے ہیں۔

اس فرقے کا دوسرا عقیدہ جو ان کی باتوں سے پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا رتبہ حضور اکرم ﷺ سے بڑھ کر ہے کیونکہ جب اس فرقہ کے سامنے یہ بات رکھی جاتی ہے کہ آیت مبارکہ لیغفرلك الله ماتقدم من ذنبك و ماتاخر کا یہ ترجمہ کرنا کہ ''اللہ تمہارے سب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور پچھلوں کے'' حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ اس آیت مبارکہ کے متعلق صحابہ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی اللہ تعالیٰ نے یہ تو بیان کر دیا کہ آپ کے ساتھ کیا ہوگا لیکن ہمارے ساتھ کیا ہوگا (یہ بیان نہیں کیا) اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

لیدخل المومنین والمومنات جنت تجری من تحتھاالانھار۔

اس صحیح حدیث مبارکہ میں صحابہ کرام کا اس آیت کے متعلق یہ فرمانا کہ یہ تو اللہ نے بیان کر دیا کہ آپ کے ساتھ کیا ہوگا اور پھر اپنے متعلق سوال کرنا کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا یہ نص صریح ہے اس بات پر کہ اس آیت میں حضورؐ ہی کی مغفرت مراد ہے اگلوں اور پچھلوں کی مغفرت ہرگز مراد نہیں۔
(مغفرت ذنب صفحہ 6)

پھر لکھتے ہیں۔
اس فرقے کی نظر میں آنحضرتؐ کی صحیح احادیث کی اعلیٰ حضرت کے قول کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں۔ ان کی نظر میں اعلیٰ حضرت کا مرتبہ نبی کریمؐ سے کہیں بڑھ کر ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس توہین رسالت کو محبت رسول اور عشق رسول کا نام دیا جاتا ہے اور جو حدیث کو ٹھکرا کر اس توہین رسالت کے درپے نہیں ہوتا الٹا اس کو گستاخ رسول کہا جاتا ہے۔ ایضاً صفحہ 7
ہم اگلی جلد میں انشاء اللہ ان تمام بریلوی علماء کے نام بھی دیں گے جنہوں نے مولانا احمد رضا خان کے اس ترجمہ کو خطا قرار دے کر مسلمانوں کے چودہ سو سال کے موقف کی حمایت کی ہے۔
فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔
اہلسنت علماء کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ سب بریلوی علماء کو ایک فہرست میں نہ رکھیں ان میں کئی ایسے بھی ہیں جو پہلے بزرگوں اور مولانا احمد رضا خان کے اختلافات میں پہلے بزرگوں کی حمایت کرنے کی جرأت رکھتے ہیں۔ ان حضرات سے بجا طور پر امید کی جاسکتی ہے کہ اہلسنت مسلمانوں کو پھر سے ایک کر دیں اور غالی بریلویوں نے ان کی طرف جو گستاخ رسول ہونے کے میزائل گاڑ دیئے ہیں اس سے وہ اپنے اس موقف پر بھی نظر ثانی کریں کہ جنہیں یہ لوگ پہلے سے گستاخ رسول کہتے چلے آ رہے ہیں کہیں اس میں بھی ان کے بے جا تعصب کا دخل نہ ہو۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

بریلویوں کے غالی فرقے نے جو ان میں اکثریت میں نہیں 'مغفرت ذنب' کا جواب اعمد البیان فی رضاء کنز الایمان لکھ کر اپنی ضد کی پالیسی پھر دہرائی ہے خدا کرے ان کے عالی غالی پر غالب رہیں اور غالی اپنے اس عقیدہ سے بھی توبہ کرلیں کہ ان کے ہاں مولانا احمد رضا خان کا درجہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہ سمجھا جائے۔ اب تک تو یہ اپنے اعلیٰ حضرت کو حضورؐ سے آگے سمجھتے ہیں کہ ان سے کبھی کوئی خطا نہیں ہوئی۔ استغفر اللہ العظیم۔

علماء دیوبند ایک طرف رہے

مولانا احمد رضا خان، خیر آبادی علماء کی نظر میں کیا تھے؟

بدایونی علماء سے بھی وہ الجھ گئے؟

عدالت میں ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ

تبصرہ بر "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں"

از پروفیسر محمد مسعود احمد

فاران، جولائی ۱۹۷۶ء

افتتاحیہ میں پروفیسر محمد مسعود احمد نے شکوہ کیا ہے :

"ساٹھ سال ہوئے ہیں کہ فاضل بریلوی نے قرآن کریم کا جیتا جاگتا اردو ترجمہ پیش کیا۔ ضرورت تھی کہ اس کی زیادہ اشاعت کی جاتی مگر نہ معلوم کیوں یہ اتنی سست رفتاری سے چلا کہ بعد والے آگے بڑھ گئے۔" (ص ۲۱)

سوال یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ قرآن کی زیادہ نکاسی کیوں نہیں ہوتی؟ اس میں کس کا قصور ہے؟ ہر کتاب کی پہلی اشاعت کے بعد ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ عوام و خواص نے اسے کس قدر پسند کیا اور پھر اس کی مانگ شروع ہو جاتی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن اور تفسیر "بیان القرآن" کے نام سے چھپی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ یہی حال شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ترجمہ کا ہے جس پر حواشی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھے ہیں۔ ان مترجمین و مفسرین کی پاکستان بننے سے پہلے غیر منقسم ہندوستان میں بہت اچھی شہرت تھی۔ ان کے علم و فضل کو مستند سمجھا جاتا تھا اور ان کے فتاویٰ اور مشورت و رائے کا وزن محسوس کیا جاتا تھا اور وہ مسلمانوں کی تکفیر و تفسیق کے معاملے میں محتاط تھے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی تفسیر بہت بعد میں شائع ہوئی۔ مگر مقبول ہوئی۔ مختصر سی مدت میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔

صفحہ ۲۲ پر فاضل تذکرہ نگار نے بہت سی سوانح عمریوں کی فہرست دی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے :

"الغرض بیشتر کتابیں ہیں اور ان میں سے بیشتر فن سوانح نگاری کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں لیکن ان کے برخلاف فاضل بریلوی کی سوانح پر جو لکھا گیا ہے وہ کشکول و واقعات اور مدلل مداحی کے ذیل میں تو آتا ہے سوانح کا اطلاق اس پر مشکل ہی سے کیا جاسکتا ہے"۔

اس میں بھی مولانا فاضل بریلوی کے معتقدین علماء اور اہل قلم کا قصور ہے کہ وہ اپنے ممدوح کا کوئی ڈھنگ کا تذکرہ مرتب نہ کرسکے۔ پھر مولانا احمد رضا خان صاحب کے حالات زندگی کے بارے میں ان کے معتقد ادیب اور انشاء پرداز احساس کمتری میں مبتلا رہے کہ ان کے ”اعلیٰ حضرت“ کی سوانح عمری شاید دوسرے مشاہیر علماء کی سوانح عمریوں کی سطح پر مرتب نہیں ہوسکتی!

مگر جب سے بریلوی حضرات سیاست میں آئے ہیں مولانا فاضل بریلوی پر کتابیں آنی شروع ہوگئی ہیں۔ شاہ اسماعیل شہید، مولانا قاسم نانوتوی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی شخصیتوں پر جو کتابیں چھپی ہیں ان کی اچھی خاصی قیمتیں رکھی گئی ہیں اور صاحبان ذوق نے قیمت دے کر ان کی پذیرائی کی ہے مگر مولانا احمد رضاخان بریلوی کی شخصیت پر کتابیں[1] قیمت کے بغیر مفت تقسیم کی جارہی ہیں۔ مولانا بریلوی کے معتقدین کو شاید اس کا اندیشہ تھا کہ سوانح عمری کی اگر قیمت رکھی گئی تو اس کی نکاسی بہت محدود ہوگی۔ جس کتاب پر ہم تبصرہ کررہے ہیں وہ ۲۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ رنگین سرورق ہے۔ کاغذ، کتابت اور طباعت ہر چیز اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اس گرانی کے زمانہ (۱۹۷۶) میں اس کی قیمت کم ازکم آٹھ روپیہ ہونی چاہئے تھی مگر اسے کسی قیمت کے بغیر مفت پیش کیا جارہا ہے۔ ان حضرات کے ہاں فنڈ کی بھی خاصی ریل پیل معلوم ہوتی ہے۔

اس کتاب میں بعض علماء کی تحریروں کے اقتباسات دیئے ہیں جو مولانا احمد رضا خان صاحب کے مداح اور عقیدت مند ہیں۔

---

[1] فاران کے توحید نمبر کے اللہ تعالیٰ کے فضل سے تین ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اس میں مشرکانہ عقائد اور بدعات کی تردید کی گئی ہے اور توحید و سنت کو پیش کیا گیا ہے۔ مگر مولانا احمد رضا خان اور بریلوی حضرات پر نام لے کر تنقید نہیں کی گئی۔ بریلوی حضرات نے اس بحث کا آغاز کیا ہے۔ محاسن کنز الایمان میں شیخ الہند مولانا محمود حسن رہ اور حضرت مولانا اشرف علی رہ تھانوی کے ترجمہ قرآن پر تنقید کی گئی اور زیر تنقید کتاب میں ”حسام الحرمین“ کے تعارف کے ساتھ اکابر دیوبند کو کافر ٹھہرایا گیا اور اس کتاب کو لوگ بھول چکے تھے اور نام بہ نام تکفیر کا شور دب چکا تھا مگر پروفیسر مسعود احمد صاحب نے اس کتاب میں ان مباحث کو ابھارا ہے اس جارحانہ اقدام کی مدافعت ہمارا موقف ہے۔

"اعلیٰ حضرت کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ تو آفتاب شریعت، ماہتاب طریقت ہیں، دنیا کا کونسا خطہ اور مقام ہے جو آپ کی علمی ضوفشانیوں سے محروم رہا ہو، دوست تو دوست دشمن کو بھی آپ کے تبحر علمی اور فضل و بزرگی کا قائل پایا۔"[1]

دو چار ملکوں میں نہیں، دنیا کے ہر خطہ میں مولانا فاضل بریلوی کی علمی شعائیں آخر کس طرح پہنچیں جب کہ ان کا ترجمہ قرآن پاک مقبول نہ ہوسکا اور کسی دینی علم پر ان کی کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو مشہور و مقبول ہو۔

ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی اس مکتبہ فکر کے سب سے بڑے عالم تھے۔ کثیر التصانیف اس قدر زود رقم کہ بعض رسالے چند گھنٹوں میں تصنیف فرما دیئے۔ خوش گو شاعر، متعدد علوم میں واقفیت و آگاہی رکھنے والے، ان کی اردو تحریر میں قوت بھی ہے اور روانی بھی ہے۔ عربی نظم و نثر بے تکان لکھتے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے کمال درجہ کی عقیدت اور محبت رکھتے۔ اولیاء اللہ سے بھی نیاز مندی اور عقیدت کی کوئی حد و نہایت نہیں مگر اس عقیدت کی حدیں الوہیت سے ملا دیتے۔ مولانا فاضل بریلوی اپنے گھر کے خوشحال تھے۔ اس لئے مریدوں اور معتقدوں کے تحائف و ہدایا سے بے نیاز تھے۔ ان کے ان محاسن اور خوبیوں کا ہمیں اعتراف ہے۔ مگر اس کتاب میں یہ مبالغہ بھی نظر سے گزرا کہ:

"فاضل بریلوی نے جن علوم و فنون میں دسترس حاصل کی ان کی تعداد ۵۴ سے متجاوز ہے۔" (ص ۷۰)۔

ان علوم میں ارثماطیقی، لوگارثمات، مثلث مسطح، جفر، زیجات، نجوم، آفاق... بھی شامل ہیں۔ یہ علوم انہوں نے کن حضرات سے پڑھے، اس کا ذکر ضروری تھا۔ (محض دعویٰ سے کام نہیں چلا کرتا)۔

جس طرح علامہ شبلی نعمانی کے حالات میں ملتا ہے کہ انہوں نے معقولات مولانا ارشاد حسین رام پوری سے اور عربی ادب مولانا فیض الحسن سہارن پوری

---

[1] ص ۱۸ مولوی مفتی محمد عبدالمنان مدرس مدرسہ عربیہ محمدیہ عظیم آباد، پٹنہ، ۱۹۴۷ء۔

سے حاصل کیا تھا اب سے سوا سو برس قبل فلسفہ میں مولانا عبدالحق خیرآبادی' ریاضی میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی' معقولات میں مولانا ارشاد حسین رام پوری اور عربی زبان و ادب میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری تبحر عالم اور استاذ الاساتذہ تھے۔ ان مشاہیر کے تلامذہ میں مولانا فاضل بریلوی کا نام نہیں ملتا۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے تقریباً چودہ برس کی عمر میں علوم درسیہ سے فراغت حاصل فرمالی تھی۔ ۶۵ برس کی عمر پائی۔ چودہ برس کی عمر میں..... ۵۴ علوم و فنون میں درک و بصیرت محال ہے۔ کسی ایک علم اور فن میں مہارت تامہ حاصل کرنے کیلئے تو برسوں چاہئیں مگر اس علم کی ضروری امہات کتب پڑھنے میں ایک برس تو ضرور صرف ہونا چاہئے۔ اس حساب سے مولانا احمد رضا خان صاحب کو اپنی عمر کے آخر سال تک یہ علوم و فنون مختلف اساتذہ سے پڑھنے چاہئیں تھے' لیکن مولانا فاضل بریلوی کے حالات میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ وہ سینکڑوں کتابیں بھی تصنیف فرماتے رہے اور علوم و فنون کی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ جو لوگ درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کا تجربہ رکھتے ہیں اور علوم و فنون کی تعلیم کے Duration سے واقف ہیں ان کو علوم و فنون کی تعداد مبالغہ آمیز معلوم ہوگی۔

مولانا فاضل بریلوی نے عربی میں اپنے حالات لکھے ہیں جن کے بعض اقتباسات ترجمہ کے ساتھ زیر تنقید کتاب میں درج ہیں۔

"وسط شعبان ۱۲۷۸ھ /۱۸۶۹ء میں علوم درسیہ سے فراغت حاصل کی اور اس وقت میں ۱۳ سال ۱۰ ماہ اور ۵ دن کا نو عمر لڑکا تھا اور اسی تاریخ کو مجھ پر نماز فرض ہوئی اور میں احکام شرعی کی طرف متوجہ ہوا۔"

اپنے بلوغ کی اتنی صحیح مدت مہینوں اور دنوں کی تعداد کے ساتھ یاد رکھنا مولانا فاضل بریلوی کی اچھی یاد داشت اور حساب دانی کی دلیل ہے۔ مولانا ظفر الدین بہاری کے نام مولانا بریلوی کا ایک خط ہے :

"بحمدہ تعالیٰ فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا۔"

حساب دانی اور اچھے حافظہ کے باوجود ان تحریروں میں التباس پیدا ہوگیا۔ اپنے خود نوشتہ حالات میں مولانا فاضل بریلوی نے علوم درسیہ سے فراغت کے وقت اپنی عمر ۱۳ سال ۱۰ ماہ اور ۵ دن بتائی ہے مگر مولانا ظفر الدین کے نام جو

ان کا خط ہے تو اس میں یہ عمر ۱۳ برس کی رہ جاتی ہے۔ اپنی زندگی کے واقعات میں سنین و شہور کے اختلافات تذکرہ نگاروں کے یہاں ملتے ہیں۔ ایسا ہو جانا کوئی بدنما بات نہیں ہے مگر جو شخص اپنے بلوغ کی عمر مہینہ اور دن کی تعداد کے ساتھ لکھتا ہے اس کے یہاں اس قسم کا اختلاف کھٹکتا ہے۔ اگر مولانا کے خود نوشتہ حالات میں عمر کی تعداد صحیح ہے تو ۱۳ برس میں وہ بالغ نہیں ہوئے تھے اور نابالغ فقیہ کا فتویٰ مستند نہیں سمجھا جاسکتا۔

راقم الحروف نے بد و شعور سے یہ بات سنی ہے اور بریلوی حضرات نے اس بات کو بہت کچھ شہرت دی ہے کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی خدمت میں اعلیٰ ریاضی کے مسائل دریافت کرنے کیلئے جایا کرتے تھے۔ مولانا فاضل بریلوی پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی یہ ذکر ملتا ہے۔ بریلوی حضرات کو خود مولانا احمد رضا خان سے یا پھر ان کے صاحبزادوں سے دریافت کرنا چاہئے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین نے ریاضی کے کون سے مسائل ان سے دریافت کئے تھے۔ پروفیسر عبدالمجید قریشی کی عمر نوے برس کے لگ بھگ ہے۔ صاحب موصوف تقریباً ۴۵ برس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں رہے ہیں اور وہیں تعلیم پائی ہے۔ شعبہ ریاضی کے لیکچرار کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا' پھر ترقی کرکے ریڈر ہوگئے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چھوڑنے سے چند برس پہلے شعبہ ریاضی کے وہ پروفیسر تھے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین کی ماتحتی میں انہوں نے برسوں کام کیا ہے' راقم الحروف ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے پوچھا کہ یہ بات خاصی شہرت رکھتی ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے یہاں ریاضی میں استفادے کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ اس پر وہ چونک کر بولے کیا ڈاکٹر ضیاء الدین مولانا احمد رضا خان صاحب سے ریاضی کے مسائل پوچھتے تھے؟ پھر وہ فرمانے لگے آپ حضرات اس پر فخر کرتے ہیں کہ ریاضی کو مسلمانوں نے بہت کچھ فروغ دیا۔ یہ بات صحیح بھی ہے مگر یورپ کے ریاضی دانوں نے ریاضی کو جہاں پہنچا دیا ہے اس کی بھی آپ کو خبر ہے؟ ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ ریاضی کی قدیم کتابیں پڑھے ہوئے جدید اعلیٰ ریاضی کے مسائل سے واقف نہیں ہوتے۔ پھر پروفیسر قریشی صاحب نے فرمایا کہ ڈاکٹر ضیاء الدین

"مسعودی"[1] پر کام کرنا چاہتے تھے ہو سکتا ہے اس سلسلے میں وہ بریلی گئے ہوں۔ یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین قانون مسعودی پر کام کررہے تھے یا کام کرنا چاہتے تھے تو مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلیفہ مجاز مولانا سید سلیمان اشرف بہاری (صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) سے اس کا ذکر آیا ہوگا اور اس سلسلے میں مولانا سلیمان اشرف صاحب نے انہیں مشورہ دیا ہوگا کہ آپ مولانا احمد رضا خان بریلوی سے مل کر اس کتاب کے بارے میں گفتگو کریں۔ یہ بات کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی سے ڈاکٹر ضیاء الدین اعلیٰ ریاضی کے مسائل دریافت کرنے کیلئے بریلی جایا کرتے تھے، محل غور ہے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کو اس کا گلہ ہے کہ ان کے "اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی" کی نہ تو ڈھنگ کی سوانح عمری لکھی جاسکی اور نہ ان کے ترجمہ قرآن کی پذیرائی ہوئی اور مولانا بریلوی کی شخصیت بھی مبہم سی رہی۔

بریلی کے ساتھ دیوبند کا نام ضرور آتا ہے۔ ان دونوں مکتبہ ہائے فکر کے درمیان بڑی معرکہ آرائی رہی ہے جس کا آغاز بریلی سے ہوا ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کے عوام کا تعلق ہے "کالانعام" ہیں اور یہ وہ سنی مسلمان ہیں جو تعزیئے نکالتے ہیں اور ہر قسم کی بدعت میں مبتلا ہیں۔ یہ طبقہ بہت بڑی تعداد رکھتا ہے اور بریلوی مسلک سے متاثر ہے۔ مگر لکھے پڑھے مسلمان زیادہ تر دیوبند سے متاثر رہے ہیں۔

دیوبند کا دارالعلوم خود اپنی جگہ دیوبندی حضرات کے علم و فضل کا سب سے بڑا تعارف رہا ہے، سہارنپور کا "مظاہر علوم" دوسرا دیوبند ہے۔ تقسیم ہند سے قبل پورے ہندوستان میں دیوبندیوں کے دینی مدرسے تھے۔ مثلاً دہلی، امروہہ، سنبھل، کانپور، ڈابھیل، مینڈھو (ضلع علی گڑھ) ویلور (صوبہ مدراس) عمر

---

[1] ابو ریحان البیرونی کی ریاضی و ہیئت کی کتاب "قانون مسعودی" جس کا نام اس نے محمود غزنوی کے فرزند سلطان محمود غزنوی سے انتساب کیا تھا!

آبادی شمالی ارکاٹ' امرتسر' لدھیانہ' جالندھر' کراچی۔ یہ چند شہروں[1] کے نام ہیں جو اس وقت یاد آرہے ہیں۔ سرحد میں بھی دیوبندی مکتبہ فکر کے مدرسوں کی کثرت تھی۔ بریلوی حضرات کے مدرسے تعداد میں بہت کم تھے اور ان کی پڑھائی اور انتظامی حالت دیوبندی مدارس سے فرو تر تھی۔ بدایوں کے شمس العلوم اور مدرسہ قادریہ کی حالت میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے "سقیم" ہی کہی جاسکتی ہے۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں دیوبندی مدرسوں سے طلباء فارغ ہوکر نکلتے تھے۔ مولانا قاری محمد طیب جب ظاہر شاہ کی دعوت پر افغانستان تشریف لے گئے تھے تو شاہ نے جتنے علماء (صاحبان قضاو افتا) کا قاری صاحب سے تعارف کرایا تو وہ قریب قریب سب دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ اس پر قاری محمد طیب صاحب نے ظاہر شاہ کو مخاطب کرکے فرمایا "از دیوبند بہ دیوبند آمدم"۔ ہندوستان سے باہر بھی دیوبند کا ہی فیض جاری تھا۔ افریقہ' مارشیش' بخارا' افغانستان' برما وغیرہ ملکوں کے طلبہ بھی دیوبند ہی کا رخ کرتے تھے۔ آج بھی دارالعلوم دیوبند پاکستان اور ہندوستان کی سب سے بڑی دینی درس گاہ ہے۔

بریلوی خیال و عقائد کے علماء نے زیادہ تر منطق و فلسفہ کی کتابوں پر حاشئے تحریر کئے ہیں۔ مگر علماء دیوبند نے احادیث کی مجموعوں پر حواشی اور شروح لکھی ہیں۔

۱ فیض الباری علی صحیح البخاری' علامہ انور شاہ کشمیری چار ضخیم جلدوں میں۔

۲ فتح الملہم علی صحیح المسلم' علامہ شبیر احمد عثمانی تین جلدوں میں۔[2]

۳) بذل المجہود فی شرح ابی داوٗد' حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری. دس جلدوں میں بیروت سے طبع ہوئی ہے۔

۴ التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح' مولانا محمد ادریس کاندھلوی شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اشرفیہ' لاہور' سات ضخیم جلدوں میں۔

---

[1] گلاؤٹھی (ضلع بلند شہر) جیسے چھوٹے قصبوں اور چھتاری جیسی چھوٹی بستیوں میں بھی دیوبندیوں کے دینی مدرسے تھے۔

[2] تکملہ فتح الملہم کے نام سے مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے ۶ جلدوں میں اس شرح کو مکمل کیا ہے۔ جو حال ہی میں مکمل ہوئی ہے اور چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ (ناشر)

۵ التعلیق الممجد علیٰ موطا امام محمد، مولانا اعزاز علی شیخ الادب دارالعلوم دیوبند۔

۶ حاشیہ بر سنن ابن ماجہ، مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی۔ خلیفہ مجاز مولانا اشرف علی تھانوی۔

۷ اوجز المسالک شرح موطا امام مالک، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، ۱۵ ضخیم جلدوں میں۔

۸ اعلاء السنن، مولانا ظفر احمد عثمانی ۱۸ جلدوں میں۔

۹ شرح شمائل ترمذی اردو، حضرت مولانا زکریا۔

۱۰ ترجمان السنہ، مولانا محمد بدر عالم میرٹھی اردو میں سنت کے دین میں حجت ہونے پر بے مثال کتاب چار ضخیم جلدوں میں)۔[۱]

یہ ہیں علمائے دیوبند کے وہ علمی اور دینی کارنامے جن سے ملت میں ان کا وقار قائم ہوا ہے اور مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ کوئی تھوڑی سی سمجھ رکھنے والا آدمی بھی اس بے سروپا الزام کو باور کر سکتا ہے کہ جن بزرگوں نے احادیث نبوی کی اتنی عظیم خدمات انجام دی ہیں کیا وہ اہانت رسول کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ جن حضرات نے دیوبند کو مطعون کرنے کی مہم شروع کر رکھی ہے کیا ان کے یہاں اس پایہ کی کتابیں موجود ہیں۔ ان میں زیادہ تر کتابیں عربی زبان میں ہیں جن کی مصر و شام کے علماء نے تعریفیں کی ہیں علمائے دیوبند کی کتابیں ان کے علم و فضل اور عقائد و افکار کا بہترین تعارف ہیں۔

بریلوی حضرات جن کو وہابیہ کہتے ہیں ان کے علماء نے بھی احادیث رسول پر بڑے معرکہ کی کتابیں لکھی ہیں۔ نواب صدیق حسن خان مرحوم تنہا اپنی ذات میں مجلس علمی (اکیڈمی) تھے۔ ان کی بعض عربی تصانیف عرب ملکوں کے نصاب تعلیم میں داخل ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا وجود مسعود ایک

---

[۱] معارف الحدیث، اردو مولانا محمد منظور نعمانی، سات جلدوں میں۔ معارف السنن، ترمذی کی شرح عربی میں ۶ جلدوں میں مولانا محمد یوسف بنوری، طحاوی کی شرح مولانا یوسف کاندھلوی، لامع الدراری علی جامع البخاری عربی، دس جلدوں میں ان کے علاوہ ہیں۔ (ناشر)

یونیورسٹی تھا۔ وہ صدہا کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی کتابیں دین و اخلاق کی حکمتوں سے لبریز ہیں۔ فقہ میں ان کا "بہشتی زیور" لاکھوں کی تعداد میں چھپا ہے پھر بھی مانگ کم نہیں ہوتی' بہشتی زیور آسان زبان کے لحاظ سے سہل ممتنع ہے۔ مولانا امجد علی جن کے نام کے ساتھ صدر الشریعہ لکھا جاتا ہے ان کی "بہار شریعت" کو بہشتی زیور کے پاسنگ کے برابر بھی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں مولانا تھانوی کی کتابیں ہندوستان سے بھی زیادہ شائع ہوئی ہیں۔ درجنوں کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن منظر عام پر آئے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

راقم الحروف جس گاؤں میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا ہے وہاں صدفی صد مسلمان بریلوی عقائد رکھتے تھے' ہم بچوں کو بچپن ہی سے یہ بتایا گیا تھا کہ وہابی درود شریف نہیں پڑھتے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے کد اور عناد رکھتے ہیں۔ (ایسے افترا پردازوں اور جھوٹی افواہیں پھیلانے والوں کا نہ جانے کیا حشر ہوگا) اور دیوبندیوں کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی تنقیص کرتے ہیں اور یہ گلابی وہابی ہیں اور وہابی ہوں یا دیوبندی یہ دونوں گروہ گمراہ ہیں بلکہ کافر ہیں۔ بریلوی خیال کے علماء کی زبانی یہ باتیں سن سن کر راقم الحروف کے دل میں اہل حدیث اور دیوبندیوں کے خلاف شدید نفرت بیٹھ گئی تھی۔ میں کسی کتاب پر علمائے دیوبند کے نام تعظیمی القاب کے ساتھ لکھا ہوا دیکھتا تو ان الفاظ کو کاٹ کر اپنے قلم سے گالیاں لکھ دیتا۔ قصبہ گنور ضلع بدایوں سے ایک برات ہمارے یہاں آئی اور ایک اہل حدیث نے باجماعت نماز میں "آمین" زور سے کہی تو لوگوں نے نیت توڑ کر اہل حدیث مقتدیوں کو مسجد سے نکال دیا اور وضو کرنے کے لوٹے توڑ ڈالے کہ وہابیوں کے وضو سے یہ ناپاک ہوگئے ہیں۔

ہمیں بتایا گیا تھا کہ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ نے قدرت عطا فرمائی ہے کہ دنیا کا نظام وہ چلاتے ہیں اور ہر کسی کی دور و نزدیک سے عرض و معروض اور فریاد سنتے ہیں۔ جب اولیاء اللہ کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ تھا تو رسول اللہ ﷺ کو تو وہ علی کل شیئی قدیر سمجھتے تھے۔ اور اب بھی سمجھتے ہیں۔ حضرت شیخ

عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے غلو عقیدت کی کوئی حد و انتہا ہی نہ تھی۔ اٹھتے بیٹھتے "یا غوث یا پیر دستگیر" کا ورد رہتا "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیأ للّٰہ" ان کا سب سے زیادہ محبوب نعرہ تھا۔ ان علماء کی کتابوں میں ایسی روایتیں لکھی تھیں کہ حضرت غوث پاک کا جلال اب کم ہوگیا ہے ورنہ پہلے جو کوئی آپ کا نام بے وضو لیتا تھا اس کی زبان کٹ جاتی تھی۔...... ایک شخص گیارہویں شریف کی محفل سے اٹھا اور گیارہویں کا تبرک اس کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ اس بے ادبی پر وہ ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت غوث پاک سے فریاد کی گئی تو آپ نے فرمایا میں کیا کروں غیرت الٰہی جوش میں آگئی تھی۔

میں بچپن ہی سے میلاد پڑھا کرتا تھا اور میلاد اکبر کی نثر پڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے عبارتوں کا جوڑ ملاتا جاتا تھا۔ اس طرح نوجوانی کے زمانے میں مجھے وعظ کہنے کی مشق ہوگئی تھی۔ بدایوں کے علماء کی زبانی وعظ سن سن کر ان کی کہی ہوئی روایتیں یاد کرلی تھیں۔ میں بھی اپنے وعظ میں اسی قسم کی روایتیں بیان کیا کرتا تھا کہ ایک شخص حضرت غوث الاعظم پیر دستگیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے یہاں دعوت میں تشریف لانے کی درخواست کی۔ آپ نے اس کی درخواست منظور فرمالی۔ اس طرح بیس سے زائد معتقدین کی کھانے کی دعوتوں میں ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں شرکت کی درخواست منظور کر لی گئی۔ اس محفل میں کوئی آدمی بد عقیدہ بھی تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ حضرت غوث الاعظم ایک ہی وقت میں بیس دعوتوں میں کس طرح شرکت فرما سکتے ہیں۔ حضرت غوث پاک نے اس آدمی کے دل کے وسوسے کو جان لیا' حضور نے فرمایا اے شخص درخت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ اس نے درخت پر جو نگاہ ڈالی تو درخت کے پتہ پتہ پر حضرت غوث الاعظم بیٹھے ہوئے تھے۔ اس طرح کی بے سروپا روایتیں سن کر سننے والے جھومنے لگتے۔

میں انگریزی مڈل اسکول کی فورتھ کلاس (درجہ چہارم) میں پڑھتا تھا۔ یہ ۱۹۱۸ء کی بات ہے ہمارے گاؤں سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر قصبہ گنور ہے جو ضلع بدایون کی تحصیل ہے۔ مشہور نعت گو شاعر مولانا ضیاء القادری بدایونی ان دنوں گنور کی تحصیل میں سب رجسٹرار قانون گو تھے۔ وہ ہر سال بڑے دھوم دھام سے رجبی کیا کرتے تھے۔ ایک سال کی رجبی میں بریلوی عقائد کے چوٹی

کے علماء کو بلایا گیا۔ میں بھی اپنے گاؤں کے چند آدمیوں کے ساتھ گنور پہنچا۔ دو روز "رجبی شریف" کی گئی۔ نشستیں ہوئیں' مولانا عبدالقدیر بدایونی' مولانا عبدالماجد بدایونی' مولانا نثار احمد کانپوری' مولانا فاخر شاہ الہ آبادی' مولانا عبدالمجید (آنولہ) اور دوسرے علماء کے وعظ اور تقریریں سنیں۔ ہر وعظ و تقریر میں دیوبندیوں اور وہابیوں پر طنز و تعریض بلکہ لعنت ملامت کی جاتی تھی۔ مولانا فاخر شاہ نے اپنی تقریر میں فرمایا:

"وہابی اور دیوبندی کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ اولاد نہیں دے سکتے ہم ان سے کہتے ہیں کہ تم اپنی عورتوں کو ہمارے یہاں بھیجو' ان کو اولاد مل جائے گی۔"

ملا عبدالصمد مقتدری بدایونی مرحوم کے بڑے بھائی (جن کا نام ذہن سے نکل گیا) کی تقریر کی بہت شہرت تھی۔ ان کی عمر بہت سے بہت ۲۵ برس کی ہوگی۔ سانپ کے کاٹنے سے جوانی ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ زندہ رہتے تو بریلوی علماء کی صف اول میں جگہ پاتے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں شیخ سعدی کی گلستان کا مشہور قطعہ پڑھا۔ جس کا آخری شعر یہ ہے: ؎

جمال ہم نشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

پھر خوب چہک کر بولے کہ جب مٹی گلاب کی ہم نشینی کے سبب گلاب کی طرح خوشبودار ہو جاتی ہے تو اولیاء اللہ جو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں کیا اس تقرب کے سبب ان میں اللہ تعالیٰ کی صفات پیدا نہیں ہو سکتیں۔ محفل داد و تحسین کے شور سے گونج اٹھی۔

جب راقم الحروف کا حیدر آباد دکن جانا ہوا اور علامہ شبیر احمد عثمانی' مولانا قاری محمد طیب اور دوسرے دیوبندی علماء کی تقریریں سنیں تو ان میں نہ تو بریلویوں پر طنز کی جاتی اور نہ ان کے عقائد کا شد و مد کے ساتھ رد کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت' رسول اللہ ﷺ کی سیرت مقدسہ' صحابہ کرام کے حالات' اولیاء اللہ کے اقوال و احوال بیان کئے جاتے۔ علم غیب استمداد بغیر اللہ وغیرہ مسائل کا کبھی کبھار ذکر آ بھی جاتا تو نہایت سادہ انداز میں اپنی بات فرما دیتے اور ان کی زبان سے یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ جن کے ہمارے جیسے عقائد نہیں ہیں وہ کافر ہیں۔ بریلی کا تو نام ہی ان کی تقریروں میں نہیں آتا تھا۔

راقم الحروف کے عقائد میں تبدیلی کس طرح آئی۔ لگے ہاتھوں یہ بات بھی بیان کر دوں تو بات موضوع سے بے تعلق نہیں سمجھی جائے گی۔ مولانا مفتی عبدالقدیر بدایونی کے یہاں مدرسہ قادریہ (بدایوں) میں میرا قیام تھا۔ یہ ۱۹۲۸ء کا واقعہ ہے۔ میٹرک پاس کئے ہوئے دو ڈھائی برس ہوگئے تھے اور میں روزگار کی تلاش میں تھا مولانا مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ میں حیدر آباد دکن جارہا ہوں تم بھی میرے ساتھ چلو' مگر پہلے یہ کرو کہ "نظام الملک" نام کا ایک ماہنامہ چھپوا لو۔ میں نے رسالہ کیلئے مضامین مہیا کرنا شروع کئے اور اداریہ لکھا۔ اخباروں میں اشتہارات چھپوائے' اسی دوران میں مولانا عبدالقدیر بدایونی نے فرمایا کہ رسالہ میں ایک باب فقہ کا بھی ہونا چاہئے۔ میں نے عرض کیا درس نظامی پڑھے ہوئے علماء ہی یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔ مولانا نے جواب دیا کہ مدرسہ قادریہ میں اردو فارسی میں بھی فقہ کی کتابیں ہیں ان سے تم مدد لو۔ نماز' روزہ وغیرہ کے مضامین تم ترتیب دے سکتے ہو۔ میں بچپن ہی سے عرس' نذر و نیاز' میلاد' قیام' سوم' چہلم' وغیرہ کا ذکر سنتا آیا تھا اور میرے دل میں یہ بٹھا دیا گیا تھا کہ جو کوئی ان مستحب امور کو بدعت سمجھتا ہے وہ اہل سنت والجماعت کے دائرے سے خارج ہے' چنانچہ میں نے فقہ کی کتابیں چھان ماریں مگر کسی کتاب میں ان رسوم کا نام تک نہیں ملا۔ اس کے بعد دوسرے مسائل میں تحقیق شروع کر دی اور برسوں تحقیق کرتا رہا۔ عجیب عجیب تماشے سامنے آئے۔ بریلوی اور بدایونی علماء کے وعظ و تقریر میں سنتا رہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھی تھی۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا تھا حضور ﷺ کی دعا سے کھانے پینے کی قلیل مقدار کثیر و وافر ہو جاتی تھی۔ کسی صحابیؓ پر قرض ہوگیا تھا۔ قرض خواہ ادائگی قرض کا تقاضا کر رہا تھا' صحابی ؓ کی درخواست پر حضور ﷺ نے کھجوروں کے ڈھیر پر ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور کھجوروں کی مقدار اتنی وافر ہوگئی کہ ان صحابی کا قرض اتر گیا۔ اس واقعہ کا کھانا' مٹھائی اور پھلوں کو سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنے اور ایصال ثواب سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ مزید تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ ایصال ثواب جائز ہے مگر رسول اللہ ﷺ اور کسی صحابی نے کسی مردے کیلئے قرآن خوانی نہیں کی۔ نذر و نیاز اور فاتحہ کے جو طریقے مسلمانوں میں رائج ہیں ان کا کوئی ثبوت

کتاب و سنت اور آثار صحابہ میں نہیں ملتا۔ یہ صدیوں بعد کی نکالی ہوئی بدعتیں ہیں۔

یہ روایت بھی انہی سے سنی اور بار بار سنی کہ دو قبروں پر عذاب ہو رہا تھا۔ حضور ﷺ نے قبر پر ایک ایک سبز و تروتازہ شاخ نصب فرما دی اور ارشاد ہوا جب تک یہ شاخیں سرسبز رہیں گی مردوں کیلئے دعا مغفرت کرتی رہیں گی۔

قبروں پر جو پھول چڑھائے جاتے ہیں اس کے جواز کیلئے اس روایت کو سند اور نظیر بنانا قیاس مع الفارق ہے۔ حضور ﷺ نے اول تو ان قبروں پر پھول نہیں چڑھائے تھے۔ دو سبز شاخیں گاڑی تھیں۔ پھر بزرگان دین کی قبروں پر کوئی شخص اس عقیدے کے ساتھ پھول نہیں چڑھاتا تاکہ ایسا کرنے سے بزرگان دین کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی۔ واقعہ کیا ہے' اسے کیا رنگ دے دیا گیا ہے۔ اس روایت کو ایک کھلی ہوئی بدعت کے جواز کیلئے سند اور نظیر میں پیش کیا جاتا ہے۔ احادیث اور قرآنی آیات سے یہ حضرات ایسے ہی نکتے پیدا کرتے ہیں۔ استعینوا بالصبر والصلواۃ کو غیر اللہ سے استعانت کے ثبوت میں پیش فرماتے ہیں حالانکہ "صبر و صلواۃ" سے آج تک کسی شخص نے مدد نہیں چاہی۔ اس آیت کا مفہوم تو یہ ہے کہ صبر کرنے اور نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ خیر و برکت عطا فرمائے گا اور مشکلات دور ہوں گی اس نوع کے تمام مسائل کی راقم الحروف تحقیق کرتا گیا اور تمام گرہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کھلتی چلی گئیں۔

ایک بار حیدر آباد دکن میں مولانا عبدالقدیر بدایونی کی خدمت میں راقم الحروف نے عرض کیا کہ عرس کے موقعہ پر خاص طور سے اکثر زائرین قبروں کا طواف کرتے ہیں' قبروں کو چومتے ہیں' قبروں پر چادریں اور پھول چڑھائے جاتے ہیں' چادروں گاگروں' پنکھوں اور صندل کے جلوس نکلتے ہیں۔ قبروں پر چراغ جلائے جاتے ہیں' عرضیاں لکھ کر قبروں کی جالیاں اور دروازوں پر لٹکا دیتے ہیں۔ تو حضرت ان میں کیا کوئی فعل بھی بدعت نہیں ہے؟ مولانا نے تند و تیز لہجہ میں جواب دیا:

"بدعت صرف مولوی اشرف علی کا نام ہے۔"

بس اس دن کے بعد ان مسائل پر میں نے مولانا عبدالقدیر بدایونی سے گفتگو نہیں کی۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ مجاہد تھے، تبحر عالم تھے اور توحید و سنت کے مبلغ اور شرک و بدعت کے مقابلے میں سیف اللہ المسلول تھے۔ اتنی عظیم دینی شخصیت کو بریلوی مسلک کے علماء نے طرح طرح سے بدنام اور مطعون کیا ہے۔ ان کی تذلیل کی ہے اور گمراہ ٹھہرایا ہے اور شاہ صاحب کی شہادت کو شہادت ہی نہیں مانا۔ اس سے بھی مسلمانوں کا ہوش مند طبقہ بریلوی حضرات سے متوحش رہا ہے۔ باطل کے خلاف شاہ اسماعیل شہید کی پیدا کی ہوئی یہ اسپرٹ علماء حق میں بیدار رہی ہے۔ انگریزی حکومت کی مخالفت میں دیوبندی علماء کی اکثریت غالب پیش پیش رہی ہے۔ ظلم اور باطل کے خلاف آواز بلند کرنے کی پاداش میں انہوں نے قید و بند کی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ مگر خود مولانا فاضل بریلوی اور ان کے خلفاء نے انگریزوں کے تسلط کو ہندوستان سے ہٹانے کی جدوجہد میں حصہ نہیں لیا بلکہ اس جدوجہد کی مخالفت کی۔

کسی ظالم طاقت کا زور توڑنے اور اسے ہٹانے کیلئے ملت اسلامیہ کسی غیر مسلم جماعت یا کافر گروہ سے بھی معاہدہ کر سکتی ہے۔ ہندوستان میں مسلمان اور ہندو دونوں مظلوم تھے اور انگریزی راج پورے ہندوستان کیلئے ایک عذاب تھا۔ انگریز کو ہندوستان سے ہٹانا اسی وقت ممکن تھا جب مسلمان اور ہندو مل جل کر برطانوی حکومت کے خلاف جدوجہد کرتے۔ چنانچہ تقریباً ۱۹۱۸ء سے لے کر برسوں تک ہندوؤں اور مسلمانوں نے کانگریس میں رہ کر ہندوستان کی آزادی کیلئے جدوجہد کی ہے۔ مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، مولانا ظفر علی خان، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، تصدق احمد خان شیروانی بہار کے مولوی محمد شفیع داؤدی اور مدراس کے سیٹھ یعقوب حسن، حکیم اجمل خان وغیرہ مسلم زعماء کی یہ عالی ظرفی تھی کہ انہوں نے گاندھی جی کو تحریک آزادی کا لیڈر مان لیا تھا۔ اس زمانے میں ہندوستانی مسلمانوں کے اس موقف کے علی الرغم مولانا احمد رضا خان صاحب نے کانگریس کی مخالفت کی اور گاندھی جی کو ہدف ملامت بنایا۔ ان کی اس روش سے تحریک آزادی کو نقصان پہنچا۔ حیرت ہے مولانا فاضل بریلوی کے اس موقف کو سیاسی بصیرت کہا جاتا ہے کہ...... اس زمانے میں مسٹر محمد علی جناح بھی کانگریس میں شریک تھے اور علی برادران تو نہرو رپورٹ شائع ہونے کے بعد کانگریس سے علیحدہ ہوئے ہیں۔

آل عثمان نے صدیوں اسلام کی خدمت کی ہے۔ ترکی کی خلافت ملت اسلامیہ کے اتحاد کا مظہر تھی۔ عیسائی طاقتیں ترکی کی خلافت کو پارہ پارہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے "خلافت کمیٹی" قائم کی اور ترکی خلافت کے بقاء کیلئے امکانی جدوجہد کی۔ مگر "اعلیٰ حضرت بریلوی" نے دوام العیش کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور فرمایا کہ خلافت ترکوں کا حق نہیں ہے۔

اب میں ان علماء کے نام درج کرتا ہوں جن میں اکثر و بیشتر حضرت شاہ اسماعیل شہید کے مسلک کے موافق نہ تھے اور بعض کھل کر مخالف تھے۔ بدایون میں مفتی ابوالحسن عثمانی بدایونی، مولوی فضل رسول عثمانی، مولوی علی بخش صدر الصدور، مدراس میں مولوی ارتضیٰ علی گوپاموی، ناسک میں خان بہادر مولوی عبدالفتاح مفتی، کلکتہ میں قاضی نجم الدین کاکوری، مراد آباد میں مولوی عبدالقادر چیف، دہلی میں مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا فضل امام خیر آبادی، مولانا فضل حق خیر آبادی، منشی فضل عظیم خیرآبادی (فرزند اکبر مولانا فضل امام خیرآبادی) مولوی محمد صالح خیرآبادی (برادر مولانا فضل امام خیرآبادی)۔ یہ تمام حضرات ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں منصب افتا و قضا اور سر رشتہ داری اور صدر الصدوری کے عہدوں پر فائز تھے۔

انگریز اپنی مقبولیت کیلئے انتظامی اور عدالتی سطح پر مسلم اکابر کا تعاون چاہتا تھا۔ ہم نے اس مضمون میں علماء دیوبند کی بلند پایہ تصانیف و تالیفات کا ذکر کیا تھا۔ جن کی وجہ سے پاکستان اور ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں ان کا وقار قائم ہوا۔ علمائے دیوبند کے دینی رسالوں نے تبلیغ دین و اخلاق کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ مثلاً تھانہ بھون سے الامداد، النور اور الہادی، دیوبند سے المفتی، القاسم اور الرشید شائع ہوتے تھے۔ بریلی سے اور پھر لکھنؤ سے الفرقان، دہلی سے البرہان، پاکستان بننے کے بعد دیوبند سے تجلی، لکھنؤ سے ندائے ملت، الرائد اور البعث الاسلامی (عربی میں) اعظم گڑھ کا "معارف" اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا "ترجمان القرآن" بھی توحید و سنت کے مبلغ اور شرک و بدعات کے مخالف ہیں۔ بریلوی حضرات کے چند رسالے نکلتے تھے اور اب بھی پاکستان میں نکلتے ہیں۔ مگر ان کا کوئی رسالہ "البلاغ" اور "بینات" کا ہم پایہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں "الحسنات" ہے۔ "زندگی" ہے، "حجاب" اور "ذکریٰ"

ہیں، اور پاکستان میں "بتول"، "الحسنات"، "النور"، "محدث"، "الرشید"، "الحق"، اور "الاسلام وغیرہ۔[1] جرائد اور رسالے ہیں جن کا موقف بریلوی عقائد کی تائید کا موقف نہیں ہے۔ ہاں! پاکستان بننے سے قبل اور اس کے بعد برسوں تک دلی سے ماہنامہ "آستانہ" نکلتا رہا ہے جو کثیر الاشاعت تھا مگر اس کا علمی پایہ بہت سطحی اور پست تھا۔ مشرکانہ عقائد اور بدعات کی اشاعت "آستانہ" کا مشن تھا۔ دین کی مدافعت، دین کی اشاعت و تبلیغ اور دینی علوم کی تائید میں علمائے دیوبند نے قابل قدر کارنامے انجام دیئے ہیں۔ پادریوں اور آریہ سماجیوں سے دیوبندی علماء نے اب سے ایک صدی قبل مناظرے کئے اور انہیں لاجواب کر دیا۔ ۱۲۹۲ ھ میں چاند پور ضلع بجنور کے جلسے میں حضرت مولانا نانوتوی رہ نے پادریوں کا ناطقہ بند کر دیا اور انہوں نے بھاگ جانے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔ انگریزوں کے خلاف جہاد شاملی میں دیوبند کے اکابر نے حصہ لیا ہے۔ عیسائیوں کے مشہور پادری فنڈر کی تحریروں کا جواب مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے لکھا۔ یہ کتاب (اظہار الحق) عیسائیت کے رد میں بے مثال کتاب ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بنام؟ کئی جلدوں میں چھاپنے کی سعادت بھی دارالعلوم کورنگی کو حاصل ہوئی ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کے قابل فخر صاحبزادے مولانا محمد تقی عثمانی نے اس کتاب پر فاضلانہ مقدمہ اور حواشی لکھ کر دین کی گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔

دیوبند کے علماء کو ہم خدانخواستہ معصوم نہیں سمجھتے، ان سے بھی فکر و نظر کی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ جب بھی ان کی کتابیں "فاران" میں تبصرے کیلئے آئی ہیں ان کی تسامحات پر نقد و احتساب کیا گیا ہے۔ علمائے دیوبند نے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر جو تنقیدیں کی ہیں ان پر "فاران" میں نقد و تبصرہ کیا گیا ہے اور ان کی جارحیت اور زیادتیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ دیوبندی حضرات کی ان غلطیوں کے باوجود ہم اس پر مطمئن ہیں کہ دیوبند سے خیر ہی پھیلا ہے اور

---

[1] "الشریعہ" گوجرانوالہ، "الحسن" لاہور، "الفاروق" کراچی، "الخیر" ملتان، "انوار مدینہ" لاہور، "البنوریہ" کراچی، "تعلیم القرآن" راولپنڈی، "نغمہ توحید" گجرات، حق چار یار، لاہور۔ یہ تمام رسائل بھی دیوبندی متعصب کے ہیں۔ (ناشر)

علمائے دیوبند نے دین و اخلاق کی اشاعت اور تبلیغ کے کارنامے انجام دیئے ہیں اور ان کی تکفیر و تذلیل کرنے والوں کو قیامت کے دن جواب دہی کرنی پڑے گی۔

اس کتاب میں پروفیسر مسعود احمد صاحب نے لکھا ہے کہ تکفیر کے معاملہ میں مولانا احمد رضا خان صاحب محتاط تھے اور ان کے مزاج میں شدت تھی لیکن شدت فی نفسہ مذموم نہیں۔ اس کے اسباب و علل اور پھر اس کے طریقہ نفاذ کو دیکھ کر ہی اس کے مذموم اور محمود ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ ص ۴۳)۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے مزاج کی شدت سنجیدگی کی حدود کی پابند نہ تھی۔ بریلوی مسلک تو مولانا احمد رضا خان صاحب کے تکفیر کے فتووں کی وجہ سے مشہور[1] ہوگیا۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان ان مسائل و عقائد میں علمائے بدایون کے مقلد اور خوشہ چین ہیں۔ مولانا فضل رسول بدایونی نے مولانا فاضل بریلوی کے پیدا ہونے سے پہلے ''وہابیہ'' کی مخالفت کی تھی۔ اسی عقیدت اور احترام کی بناپر مولانا بریلوی نے مولانا فضل رسول بدایونی کے فرزند مولانا محبّ رسول عبدالقادر بدایونی کی شان میں قصیدہ لکھا ہے۔ مگر ''اذان ثانی'' کے مسئلہ پر جب علمائے بدایون نے مولانا احمد رضا خان صاحب سے اختلاف کیا تو بریلی سے اس قدر سخت و کرخت اور اہانت آمیز جوابات دیئے گئے کہ علمائے بدایون کو سرکاری عدالت میں ''ازالہ حیثیت عرفی'' کا دعویٰ دائر کرنا پڑا۔ نواب حامد علی خان والی رام پور نے بیچ میں پڑ کر اس مقدمہ کو ختم کرایا۔ مولانا فاضل بریلوی اور ان کے معتقد علماء کا خود اپنے مسلک کے علماء کے ساتھ یہ سلوک ہے تو پھر بہ دیگراں چہ می رسد!

مولانا احمد رضا خان نے ایک ایسی زیادتی کی ہے جس کے تصور سے تکلیف ہوتی ہے کہ انہوں نے قادیانیوں' نیچریوں اور روافض کا جوڑا اہل حدیث (وہابیوں) اور دیو بندیوں کے ساتھ ملا دیا ہے۔ چند نمونے :۔

---

[1] مولانا ظفر علی خان مرحوم نے اسی وجہ سے کہا تھا:

بریلی کے فتووں کا سستا ہے بھاؤ — کہ بکتے ہیں کوڑی کے اب تین تین
خدا نے انہیں کہہ کر یہ ڈھیل دی — و املی لھم ان کیدی متین

- وہابی' رافضی' قادیانی وغیرہم مرتدین کے جنازہ کی نماز انہیں ایسا جانتے ہوئے پڑھنا کفر ہے۔ (ملفوظات حصہ اول' ص ۸۴)۔
- رافضی' تبرائی' وہابی' غیر مقلد' قادیانی' چکڑالوی' نیچری ان سب کے ذبیحے محض نجس مردار قطعی ہیں۔ اگرچہ لاکھ بار نام الٰہی لیں اور کیسے ہی متقی و پرہیز گار بنتے ہوں کہ یہ سب مرتدین ہیں۔ (احکام شریعت حصہ اول' ص ۱۲۵)
- آج کل کے روافض تو عموماً ضروریات دین کے منکر قطعاً مرتد ہیں۔ ان کے مرد یا عورت کا کسی سے نکاح ہو سکتا ہی نہیں۔ ایسے ہی وہابی' قادیانی' دیوبندی' نیچری' چکڑالوی جملہ مرتدین ہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہان میں جس سے نکاح ہوگا مسلم ہو یا کافر اصلی یا مرتد' انسان ہو یا حیوان[1] محض باطل اور زنا خالص ہوگا اور اولاد ولد الزنا۔ عالمگیری میں ظہیریہ سے ہے۔ احکامہم احکام المرتدین۔ (ملفوظات حصہ دوم ص ۱۰۵)

مزاج کی یہ شدت کسی مسئلہ میں بھی لکھنے والے کو حد اعتدال میں رکھ سکتی ہے؟ کوئی شخص جو کتاب و سنت اور فقہ سے واقف ہے کیا غیر مقلدین اور دیوبندیوں کو مرتد کہہ سکتا ہے؟ کیا یہ لوگ دین اسلام ترک کرکے (معاذ اللہ) ہندو' عیسائی' مجوسی' سکھ اور یہودی ہوگئے تھے! اپنے مخصوص عقائد کے نقطہ نگاہ سے مولانا احمد رضا خان ان لوگوں کو گمراہ کہہ سکتے تھے مگر ان پر "ارتداد" کی تہمت تو نہیں لگائی جاسکتی۔ جو حضرات نماز پڑھتے ہوں' زکواۃ دیتے ہوں' حج کرتے ہوں' جن کی درس گاہوں میں دینی تعلیم دی جاتی ہو' جو ایک ایک بات میں متبع سنت ہوں' کیا ان کو "مرتدین" کہا جاسکتا ہے؟ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟......

ندوۃ العلماء نے دین کی کتنی عظیم خدمت انجام دی ہے۔ دارالمصنفین سے سیرۃ النبی ﷺ (چھ ضخیم جلدوں میں) صحابہ' صحابیات' مہاجر و انصار کے

---

[1] "حیوان" لانے کی تک سمجھ میں نہیں آئی۔ شاید احمد رضا خان کے دین و مذہب میں حیوان سے نکاح جائز ہو۔ (ناشر)

حالات پر ضخیم اور مستند کتابیں' حضرت عائشہؓ' امام مالکؒ' امام ابو حنیفہؒ' امام غزالیؒ' پر معرکہ آرا تصانیف' علامہ شبلی نعمانی نے جرجی زیدان کی کتاب "التمدن الاسلامی" کا جواب (الانتقاد علی التمدن الاسلامی) عربی میں لکھا۔ جرجی زیدان نے اسلام پر حملے کئے تھے۔علامہ سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ کے قلم نے مستشرقین کے تحریری حملوں کو رد کیا ہے اور انہیں دندان شکن جواب دیئے ہیں۔مگر ندوہ بھی مولانا فاضل بریلوی کے "تیر بے کماں" سے نہ بچ سکا ؎

درون سینہ من زخم بے نشان زدۂ بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدۂ

ندوہ کے خلاف بھی تکفیر کا فتویٰ مرتب کیا گیا۔ اس کا نام "الجام السنۃ لاھل الفتنہ" رکھا گیا۔ پھر اس پر علمائے حرمین کی توثیق کرائی گئی اور اس تمام لوازمہ (میٹریل) کو جمع کر کے ۱۸۹۹ء میں "فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین" کے نام سے شائع کیا گیا۔

اس کتاب (فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں) میں علماء حرمین کی اصل عبارتیں دی ہیں جن میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کی بہت کچھ تعریف کی گئی ہے اور "حسام الحرمین" کا ذکر ہے۔جس میں علمائے دیوبند کے عقائد درج کر کے کفر کے فتوے علمائے حجاز سے لئے گئے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ' مولانا رشید احمد گنگوہیؒ' مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحریروں کے بے جوڑ اقتباسات عربی میں ترجمہ کر کے علمائے حجاز سے فتاویٰ حاصل کئے گئے۔ علمائے حرمین اصل عبارتوں سے بے خبر تھے اور فتویٰ اسی عبارت پر دیا جاتا ہے جو فتویٰ دریافت کرنے والا استفتا میں لکھتا ہے۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ خود حجاز تشریف لے گئے اور انہوں نے وہاں اصحاب علم و افتاء کو بتایا کہ "حسام الحرمین" میں ہماری طرف غلط عقائد منسوب کئے گئے ہیں۔ اس پر بعض علمائے حجاز نے اظہار افسوس کیا اور اپنے دیئے ہوئے فتوے سے رجوع بھی کیا۔ حسام الحرمین کے جواب میں السحاب المدرار، الشہاب الثاقب، تزکیۃ الخواطر اور

توضیح البیان وغیرہ[1] مستقل رسائل لکھے گئے جن میں شرح و تفصیل کے ساتھ بتایا گیا کہ اس کتاب (حسام الحرمین) میں دیوبند کے اکابر سے ان کے مافی الضمیر کے خلاف باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی رہ اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری رہ نے اپنے بیانات میں واضح طور پر کہا کہ حسام الحرمین میں جن عقیدوں کو ہم سے منسوب کیا گیا ہے وہ محض افترا ہے۔ اس طرح کے عقائد جو شخص رکھتا ہے اسے خود ہم بھی کافر سمجھتے ہیں اور ہم ان عقائد سے اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس اعلان کے بعد بریلی سے ان حضرات پر تکفیر کی چاند ماری رک جانی چاہئے تھی مگر نہیں رکی۔ وہ آج تک جاری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و محبت کے بغیر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ حضور ﷺ کی محبت ایمان کی جان۔ مولانا احمد رضا خان رسول اللہ ﷺ سے بے پناہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں مگر محبت و عقیدت کی یہ بے پناہی فرق مراتب کے حدود سے متجاوز ہو جاتی ہے اور وہ جو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے میرے مرتبہ سے آگے نہ بڑھاؤ۔ تو مولانا فاضل بریلوی جوش محبت میں الوہی صفات حضور ﷺ سے منسوب کر دیتے ہیں۔ یہ وہ غلوئے محبت ہے جو اللہ اور رسول کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔

یہ حدیث صحیح ہے کہ انبیاء کے مقدس اجساد کو مٹی نہیں کھا سکتی۔ انبیاء کرام کی برزخی حیات بھی ثابت ہے مگر مولانا احمد رضا خان نے اس معاملہ میں اس قدر غلو کیا ہے۔

"انبیاء علیہم السلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں اور ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔" (ملفوظات حصہ سوم ص ۳۰)

اب کوئی کہے تو کیا کہے ع

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

"ھو الاول والآخر والظاھر والباطن تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

---

[1] مذکورہ چاروں کتابیں انجمن ارشاد المسلمین کی طرف سے تیسری بار بھی چھپ چکی ہیں۔

مولانا فاضل بریلوی کے اس شعر سے اول تو رسول اللہ ﷺ کی جسمانی معراج مشتبہ ہو جاتی ہے کہ حضور جسم کے ساتھ نہیں بلکہ "جلوہ اور نور" کی ہیئت میں معراج میں تشریف لے گئے تھے۔ پھر مصرعہ ثانی عبد اور معبود کے فرق مراتب کے بارے میں التباس پیدا کرتا ہے۔

اسی نظم کا ایک شعر ہے:

اٹھے جو قصر دنی کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے ارے تھے

عبد و معبود میں جو فرق مراتب ہے۔ یہ شعر اس فرق کو مشتبہ اور موہوم بناتا ہے!

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو' مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

جیسے دنیا میں دوست ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ہم میں اور تم میں اپنا اور پرایا نہیں ہے۔ جو تمہارا مال وہ میرا مال۔ اسی طرح مولانا احمد رضا خان فرماتے ہیں کہ محبوب اور محبّ میں میرا تیرا نہیں ہوا کرتا۔ میں تو آپ کو اے نبی ﷺ اللہ کی طرح مالک ہی کہوں گا۔

کیا نعت و منقبت کا یہ غلو توحید کے منافی نہیں ہے؟ اور توحید کی حدود سے تجاوز کیا اللہ اور رسول کے نزدیک پسندیدہ ہو سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی ایسی محبت جو بندے کو خدا بنا دے یا اس کا ہمسر و ہم نشین ٹھہرا دے دین و ایمان کیلئے وبال ہے۔

وہی نور حق وہی ظل رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسمان کہ زمین نہیں کہ زمان نہیں
(حدائق بخشش)

قرآن کریم کہتا ہے کہ ارض و سماوات کا خالق' مالک اور رب اللہ تعالیٰ ہے۔ مولانا احمد رضا خان کہتے ہیں کہ زمین و آسمان بلکہ خود زمانہ بھی رسول اللہ ﷺ کی ملک ہے۔ پھر ہر شے کو وجود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے مگر اس شعر میں کہا گیا ہے۔ "ہے انہیں سے سب" یعنی ہر شے کو وجود رسول اللہ ﷺ سے ملا ہے۔ اس شعر نے عبد اور معبود میں تھوڑا بہت کوئی نازک و دقیق فرق اگر باقی

رکھا ہے تو وہ "رضاخانیوں" ہی کو نظر آسکتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی کتابیں اس کی شہادت دیتی ہیں کہ آپ توحید کے بہت بڑے مبلغ ہیں۔اس کی وعظ کی محفلوں میں آپ کے وعظ اور دلائل سے متاثر ہوکر خارجی' ناصبی' رافضی اور بد عقیدہ لوگ توبہ کرتے تھے' اس عظیم المرتبت مبلغ توحید کو مولانا احمد رضا خان صاحب اور ان کے معتقدین نے "الہ" و "معبود" کا ہمسر بنا دیا ہے۔

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث
تصرف والے سب مظہر ہیں تیرے تو ہی اس پردے میں فاعل ہے یا غوث
(حدائق بخشش)

یعنی "کن فیکون" جو اللہ تعالیٰ کی صفت اور خاص قدرت ہے وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو حاصل ہے۔ (معاذ اللہ) اور جو اولیاء اللہ دنیا میں تصرف کرتے ہیں ان کا فاعل اللہ تعالیٰ نہیں' شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں۔

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر ہے

اللہ تعالیٰ نے کسی نبی اور رسول کو بھی دنیا کے کارخانہ کا "مدبر" نہیں بنایا۔ قرآن کریم میں ملائکہ کو "مدبرات امر" کہا گیا ہے اور ان کی صورت بھی آفتاب و ماہتاب کی طرح ہے جس طرح یہ اجرام روشنی پھیلانے کی خدمت انجام دیتے ہیں اور ان کے ارادے کا کوئی دخل نہیں ہے اسی طرح ملائکہ بھی وہ خدمات انجام دیتے ہیں جو ان کو سونپ دی گئی ہیں۔ مگر ان "مدبرات امر" سے قرآن کریم میں استعانت و استغاثہ کا حکم نہیں دیا گیا۔ اور سنئے :

ان کا حکم جہاں میں نافذ قبضہ کل پر رکھاتے یہ ہیں

(مصرعہ ثانی زبان وبیان کے اعتبار سے کتنا کمزور ہے)۔

قادر کل کا نائب اکبر کن کا رنگ دکھاتے یہ ہیں

اس میں بھی "کن فیکون" کی صفت رسول اللہ ﷺ (یا شیخ جیلانی) سے منسوب کی گئی ہے!

مولانا احمد رضا خان کے فرزند مولانا مصطفیٰ رضا خان کیا فرماتے ہیں :

"اولیاء میں ایک مرتبہ اصحاب التکوین کا ہے جو چیز جس وقت چاہتے ہیں فوراً ہو جاتی ہے۔ جسے "کن" کہا وہی ہو گیا۔"

نہ جانے یہ توحید شکن عقائد ان حضرات نے کہاں سے لئے ہیں؟ استغفراللہ۔

علم تصوف میں "اصحاب تکوین" کوئی اصطلاح نہیں' ہاں! اصحاب تمکین اور "اصحاب تلوین" تصوف کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ اصحاب تمکین ان سالکان راہ طریقت کو کہتے ہیں جو احوال و مقامات سے مغلوب نہیں ہوتے۔ ان کا دوسرا لقب "ابوالوقت" بھی ہے اور جو بزرگ احوال و مقامات سے مغلوب ہو جاتے ہیں ان کو "اصحاب تلوین" کہا جاتا ہے۔ ان کا لقب "ابن الوقت" ہے! (ہم جن معنی میں ابن الوقت بولتے ہیں وہ طنز اس لقب میں نہیں ہے) "تکوین" صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس صفت کو کسی بندے سے جوڑنا کھلا ہوا شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس مزاج و طبیعت اور ان عقائد و افکار سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

بریلوی حضرات نے ذاتی اور عطائی تقسیم کر رکھی ہے یعنی تدابیر امر' تصرفات اور ہر طرح کی قدرت اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو عطا فرما دی ہے۔ حالانکہ کسی انسان کو چاہے وہ نبی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کی عطا کے تحت ان صفات کا حامل ماننا کہ وہ دنیا کے کارخانہ کو چلا رہا ہے' زمین و آسمان کی کوئی شے اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ وہ سب کے دلوں اور نیتوں کا حال جانتا ہے۔ سارے جہاں کی مشکل کشائی کرتا ہے' دور و نزدیک سے سب کی فریاد سنتا ہے۔ اس کے "کن" کہنے سے فوراً جس چیز کو وہ چاہتا ہے وجود میں آجاتی ہے۔ وہ حاضر و ناظر بھی ہے' یہ عقائد توحید کی ضد ہیں۔ (توبہ)!

اولیاء اللہ کے بارے میں غلو کی ایک مثال:

"فرمایا یا جنید یا جنید کہتا چلا جا' اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا۔ جب بیچ دریا کے پہنچا شیطان لعین نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلواتے ہیں' میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں' اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا۔ پکارا حضرت میں چلا فرمایا وہی کہہ یا جنید یا

جنید۔ جب کہا دریا سے پار ہوا۔ (ملفوظات حصہ اول ص ۱۱۷)۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفت اس کی قدرت و جبروت سے اس قدر بے پروائی اور اولیاء اللہ کی شان میں اس قدر خلاف شریعت غلو۔ استغفراللہ' انبیاء اور اولیاء کی یہ محبت اور عقیدت جس سے توحید مجروح ہوتی ہو اس سے ہر صاحب ایمان کو اظہار بیزاری کرنا چاہئے۔

مولانا بریلوی کے مزاج میں کس قدر شدت' غلو اور انتہا پسندی ہے۔ فقہ کے ایک مسئلہ میں اس کی مثال ملاحظہ فرمایئے۔

داڑھی منڈانے اور کترانے والا فاسق معلن ہے' اسے امام بنانا گناہ ہے' فرض ہو یا تراویح کسی نماز میں امام بنانا جائز نہیں' حدیث میں اس پر غضب اور ارادہ قتل وغیرہ کی وعیدیں ہیں اور قرآن عظیم میں اس پر لعنت ہے۔ (احکام شریعت حصہ دوم ۱۷۳)۔

حدیث میں یہ تو بے شک آیا ہے کہ مونچھوں کو "کترواؤ اور ڈاڑھی کو چھوڑ دو" مگر ڈاڑھی منڈانے اور کتروانے والے کو قتل کر دینے کا کسی حدیث میں حکم نہیں آیا اور نہ قرآن شریف میں ڈاڑھی منڈانے والے پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث میں اضافہ کو مولانا بریلوی جائز نہیں سمجھتے مگر ان کے مزاج کی شدت نے یہ کام بھی ان سے کرا دیا۔

اپنے لئے ایصال ثواب میں کھانے کی جن چیزوں کی وصیت فرمائی ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔

دودھ کا برف خانہ ساز' اگر بھینس کا دودھ ہو' مرغ کی بریانی مرغ پلاؤ' خواہ بکری کا ہو' شامی کباب' پراٹھے اور بالائی فیرنی' ارد کی پھریری دال مع ادرک و لوازم' گوشت بھری کچوریاں' سیب کا پانی' انار کا پانی' سوڈے کی بوتل' دودھ کا برف خانہ ساز۔

کیا مردے کو یہ کھانے پہنچتے ہیں اور وہ ان کھانوں کی لذت سے محظوظ ہوتا ہے؟ "گناگت" میں ہندو بھی طرح طرح کے کھانوں کا اہتمام اپنے مردوں کی روحوں کو خوش کرنے اور ان کھانوں سے لذت اندوز ہونے کیلئے کرتے ہیں۔

"عبد" بندے اور غلام کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں "عبد" غلام کیلئے آیا ہے۔ مگر صحابہ کرام جو رسول اللہ ﷺ سے انتہائی محبت و عقیدت رکھتے تھے اور

حضور ﷺ کے فدائی اور جان نثار تھے ان میں کسی کا بھی نام "عبدالرسول"، "عبدالنبی" اور عبدالمصطفیٰ نہیں تھا۔ انسانوں کے ناموں کے ساتھ "عبد" کی اضافت یعنی عبدالمصطفیٰ، عبدالنبی، عبدالحسین، کی مشابہت "عبداللہ اور عبدالرحمٰن" سے ہوتی ہے۔ اس لئے جہاں تک ہمارے محدود مطالعہ کا تعلق ہے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے ہزار ہا نام ہماری نظر سے گزرے ہیں مگر کسی بزرگ کا نام عبدالمصطفیٰ یا عبدالنبی نہیں دیکھا گیا۔ ہاں صدیوں بعد فارسی کے مشہور تذکرہ "میخانہ" کے مصنف عبدالنبی کا نام سب سے پہلے ہم نے پڑھا۔ پھر جلال الدین اکبر مغل بادشاہ کے دربانی عالم کا نام عبدالنبی نظر سے گزرا اور اس کے بعد کسی عالم کا نام "عبدالرسول" بھی ہم نے کسی کتاب میں دیکھا۔

دور رسالت اور عہد صحابہ میں اتنی احتیاط برتی گئی کہ کسی غلام کو آقا کے نام کے ساتھ اضافت کر کے "عبد" نہیں کہتے بلکہ "عبد"[1] کی جگہ مولیٰ بولتے تھے۔ یوں "سالم مولیٰ ابی حذیفہ" نافع مولیٰ ابن عمر۔

مگر مولانا احمد رضا خان صاحب نے وہابیوں اور دیوبندیوں کی ضد میں انہیں جلانے کیلئے اپنے نام کے ساتھ عبدالمصطفیٰ کا جوڑ لگایا۔ اپنی مہر میں احمد رضا خان کے ساتھ عبدالمصطفیٰ شامل کیا۔ اس کے بعد ان کا یہ نعتیہ شعر ملاحظہ ہو:

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں   اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

اپنا نام انہوں نے "عبدالمصطفیٰ" رکھا اور اس شعر میں غلام اور اطاعت کی جگہ "بندگی" کا لفظ استعمال کیا جس سے ذہن "عبدیت" کی طرف جاتا ہے۔ رمز اشاریت اور صنعت ایہام کا اس انداز میں استعمال توحید کے منافی ہے۔ کتنا ہی لذیذ کھانا کیوں نہ ہو اور شبہ ہو جائے کہ اس میں رائی کی برابر زہر بھی شامل ہے تو اس کھانے کو کوئی شخص ہاتھ نہیں لگائے گا کہ بعض اوقات زہر کی قلیل مقدار سے بھی موت واقع ہو جاتی ہے۔ "شرک" بھی ایمان کیلئے زہر قاتل ہے جس کے وہم اور ذرہ برابر شائبہ امکان اور دور کی مشابہت سے بھی ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہئے چہ جائیکہ عبداللہ اور عبدالرحمان کی طرح

---

[1] حضور ﷺ کی حدیث میں اپنے غلام کو "عبد" کہہ کر پکارنے کی ممانعت آئی ہے۔

عبدالمصطفیٰ اور عبدالنبی نام رکھے جائیں اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع و اطاعت اور پیروی کی جگہ "بندگی" کا لفظ استعمال کیا جائے! توحید کے معاملے میں یہ بے پروائی اور عدم احتیاط......؟

علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوقات میں اور کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔ غیب کی تعریف یہ ہے کہ وہ ذاتی ہو اور "کل" ہو جو کچھ ہو چکا' جو کچھ ہو رہا ہے' جو کچھ ہونے والا ہے اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیات کا علم ہو اور یہ "کل اور ذاتی علم غیب" صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اس لئے مخلوقات میں کوئی غیب داں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت و مصلحت اور دین کی ضرورت کے تحت جس نبی کو چاہا اس کو اتنی ہی غیب کی خبریں بتائی گئیں۔

رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین اور افضل الانبیاء اور خیر البشر ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ کے "اخبار غیب" تمام نبیوں سے زیادہ ہیں جس کی کمیت اور کیفیت کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی " عالم الغیب والشہادہ" نہیں ہے۔ یعنی غیب کے علاوہ جو چیزیں محسوس و مشہود ہیں اور سب کو نظر آتی ہیں۔ ان کا بھی کلی علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ مثلاً ستاروں' پرندوں' کیڑوں مکوڑوں' مچھلیوں اور حیوانات اور ان کے جسموں کے بالوں کی تعداد! زمین کے ذرات کی گنتی اور زمین کی مٹی کا وزن اللہ تعالیٰ کے سوا کون جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق و مالک بھی ہے' رازق بھی ہے' اس لئے علم غیب صرف اسی کو ہونا چاہئے کہ پتھر میں کیڑوں کو بھی وہ رزق دیتا ہے اور پاتال (تحت الثریٰ) میں چیونٹیوں کے پاؤں کی دھمک کو بھی وہ سنتا ہے۔ انبیاء اور اولیاء نہ رازق ہیں نہ خالق ہیں اور نہ رب ہیں۔ اس لئے انہیں "علم غیب" کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو جتنی مناسب سمجھیں غیب کی خبریں دی ہیں۔

حیرت ہے کہ لوگ قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں اور یہ آیتیں ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ جاتی ہیں جن میں کہا گیا ہے "تمہارے آس پاس کے بادیہ نشینوں میں منافق ہیں۔ بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ انہیں (اے نبی) تم نہیں جانتے' ہم جانتے ہیں۔ اور یوم یجمع...... انت علام الغیوب۔

ترجمہ: جس دن جمع کرے گا اللہ سب رسولوں کو پس فرمائے گا۔ ان سے (تمہاری امتوں کی طرف سے) تم کو کیا جواب ملا۔ وہ عرض کریں گے ہم کو علم نہیں۔ یہ تحقیق آپ ہی غیبوں کو جاننے والے ہیں۔ (المائدہ :۱۰۹)

حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس آیت کی تفسیریوں کی ہے:

معناہ لا علم لنا...... الا ما اظہروا (تفسیر خازن جلد ثانی)۔

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو آپ کا سا علم نہیں۔ اس لئے آپ ظاہرو باطن سب کو جانتے ہیں اور ہم کو صرف ان کے ظاہر کا علم ہے (یعنی باطن کا علم نہیں ہے)۔

رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے فتنے اور آثار اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کی بناپر بتائے ہیں۔ مگر "الساعہ" یعنی قیامت کب واقع ہوگی۔ اس کا حضور ﷺ کو علم نہیں دیا گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ ہم نے اپنے رسول کو شعر نہیں سکھایا اور نہ وہ اس کیلئے مناسب ہے۔ (سورۃ یاسین :۶۹)۔ قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ تمام رسولوں کے حالات بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں بتائے۔ (النساء ۱۶۴)۔

صحیح بخاری (بہ سلسلہ غزوۂ احد) میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ: بدحواسی میں اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی۔ حضرت حذیفہؓ کے والد (یمانؓ) اس کشمکش میں آگئے' غرض وہ شہید ہوگئے اور حضرت حذیفہؓ نے ایثار کے لہجہ میں کہا: "مسلمانو! خدا تم کو بخشے"۔

حضور ﷺ کو اگر اس کی خبر ہوتی تو صحابہ کرام حضرت یمان کو کافر سمجھ کر قتل کئے دے رہے ہیں تو حضور صحابہ کو روکتے! خود صحابہ کرام حضرت یمان کو نہ پہچان سکے اور انہیں قتل کر دیا۔ مگر بریلوی حضرات اولیاء کرام کے بارے میں جن کی صحابہ کرام کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام کائنات ہتھیلی کی طرح ان پر روشن ہے اور تمام شرق و غرب کے حالات کشف کے ذریعہ انہیں معلوم ہیں۔

واقعہ افک جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے وہ حضور کے عالم الغیب ہونے کی نفی کرتا ہے۔ حضور ﷺ کو اگر اس کا علم ہوتا کہ ہودج خالی ہے اس میں حضرت عائشہؓ نہیں ہیں تو کیا آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنگل میں تنہا چھوڑ سکتے تھے اور تمام صحابہ کرام بھی اس واقعہ سے بے خبر رہے

ہیں! اور خالی ہودج کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

مستند احادیث بتاتی ہیں:

"سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی، سر میں درد تھا، اس لئے سر میں رومال باندھ کر آپ تشریف لائے اور نماز ادا کی جس میں سورۃ والمرسلات عرفا" قرات فرمائی۔ عشاء کا وقت آیا اور دریافت فرمایا کہ نماز ہوچکی، لوگوں نے عرض کی سب کو حضورؐ کا انتظار ہے۔ لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا، پھر اٹھنا چاہا تو غشیہ آگیا، افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ (کیا) نماز ہوچکی؟ (سیرت النبی جلد ۲)۔

بریلوی حضرات رسول اللہ ﷺ سے غیب کا علم "ما کان وما یکون" منسوب کرتے ہیں۔ مگر یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضورؐ کو بستر علالت پر صحابہ سے عشاء کی نماز کے بارے میں دو بار دریافت کرنا پڑا؟ پھر نقاہت کی وجہ سے حضور ﷺ کو جو غشیہ آگیا وہ حضور کا "بشر" ہونا ثابت کرتا ہے۔ "نور" کو کہیں غشیہ آیا کرتا ہے؟ ہاں حضور ﷺ کی سیرت و کردار میں نور اخلاق پایا جاتا تھا اور آپؐ ہدایت و سعادت کا سراج منیر تھے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے:

وبالجملة العلم بالغيب امر تفرد به الله تعالىٰ لا سبيل اليه للعباد الا باعلام منه او الهام	الحاصل غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ بندوں کی وہاں تک رسائی نہیں مگر صرف اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ بتا دے یا الہام کر دے۔

"علم غیب" چونکہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اسی لئے حدیث رسول کو "خبر" کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ کو علم غیب کی اطلاع و خبر دی گئی تھی اور حضور ﷺ "عالم الغیب" نہیں مخبر صادق ہیں۔

علام ابن نجیم حنفی فقہاء میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ بحر الرائق ان کی مشہور اور مستند کتاب ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

وفي خانيه والخلاصه تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد

وفي خانيه والخلاصه تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد ويكفر لاعتقاد ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب

فتاویٰ قاضی خاں اور خلاصہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ و رسولؐ کو گواہ قرار دے کر نکاح کرے تو نکاح نہ ہوگا، وہ شخص کافر ہو جائے گا بوجہ اس اعتقاد کے کہ رسول اللہ ﷺ کو علم غیب ہے۔

علامہ علی قاری کی ''شرح فقہ اکبر'' میں فرماتے ہیں :

ثم اعلم ان الانبياء عليهم السلام لم يعلموا من المغيبات الا ما اعلمهم الله تعالى احيانا و ذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب

پھر جاننا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام غیب کی باتیں نہیں جانتے تھے۔ مگر جس قدر اللہ تعالیٰ نے کبھی کبھی ان کو بتلا دیا اور حنفیہ نے اس شخص کے کافر ہونے کی تصریح کی ہے جو یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ کو علم غیب تھا۔

تفسیر فتح العزیز میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے عقائد باطلہ کا بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے :

یا رتبہ ائمہ و اولیاء برابر رتبہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام گرداند و انبیاء و مرسلین علیہم السلام را لوازم الوہیت از علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس و ہر جا قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کند

یعنی اماموں اور ولیوں کو انبیاء کے برابر جاننا اور انبیاء کے لیے لوازم الوہیت جیسے علم غیب اور ہر شخص کی ہر جگہ سے فریاد سننا اور جمیع مقدورات پر ان کی قدرت ثابت کرنا (یہ باطل ہے)۔

کیا یہ تمام اکابر علماء، دیوبندی اور وہابی تھے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ''علم غیب'' کی نفی کر کے انہوں نے کیا حضور ﷺ کی توہین کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں ہم اپنے ذہن و فکر کے مطابق یہی کہہ سکتے ہیں کہ ''جو کچھ ہو چکا، جو کچھ ہو رہا ہے، اور جو کچھ ہوگا اس کا پورا علم اللہ تعالیٰ کو ہے'' اگر یہی عقیدہ رسول اللہ ﷺ کے علم کے بارے میں رکھیں کہ جو

کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو گا" اس کا پورا علم رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے فرق صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا علم "عطائی" ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے علم غیب میں ایک انسان کو اپنا ہمسر بنا دیا ہے۔ یہ عقیدہ توحید کے کس قدر منافی ہے۔

پورا قرآن اس پر گواہ ہے کہ کسی ولی اور نبی کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا جہان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے تمام اختیارات اور اپنے تمام خزانے اسے عطا فرما دیئے ہیں۔ اولیاء اللہ کے بارے میں بس اتنا فرمایا گیا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (یونس ٦٢)

آگاہ ہو جاؤ! جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اولیاء اللہ کے تصرفات اور قدرت و اختیارات کے بیان کرنے کا یہی موقع تھا۔ کم از کم اتنا ہی فرما دیا جاتا کہ اولیاء اللہ کو صرف حزن و غم ہی نہیں ہو گا بلکہ لوگوں کے حزن و غم کو اللہ کی دی ہوئی قدرت سے اولیاء اللہ دور بھی کر دیا کرتے ہیں۔ اس بات کو دس بارہ برس ہوئے ہوں گے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے ذکر و حالات کیلئے ایک محفل منعقد ہوئی تھی۔ بدایوں کے ایک مولانا نے اس آیت کو تلاوت کرنے کے بعد لوگوں کی مشکل کشائی' حاجت روائی اور دور و نزدیک سے فریاد اور پکار سننے کی قدرت اولیاء اللہ سے منسوب کر دی۔ سننے والے یہی سمجھ رہے تھے کہ مولانا صاحب نے قرآن کریم کی جو آیت پڑھی ہے اور اس میں "اولیاء اللہ" کا جو ذکر آیا ہے تو مولانا صاحب نے جو کچھ کہا ہے اس آیت کا ترجمہ ہو گا یا اس کی تفسیر! حالانکہ مولانا نے جو کچھ کہا وہ اپنے فاسد عقائد کے مطابق کہا۔ قرآن کریم پر یہ اضافہ تھا' دیوبندی علماء کے یہاں بھی بزرگوں کی ارواح کے تصرفات کی جو روایتیں کہیں کہیں ملتی ہیں ان سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں آیا کہ ہم نے انبیاء کو دنیا کی دستگیری اور فریاد رسی کے اختیارات سونپ دیئے ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کے بارے میں کوئی آیت کہ آپ ﷺ کو ارض و سماوات کے کارخانہ

کو چلانے اور سارے جہاں کی مشکل کشائی کیلئے بھیجا گیا ہے۔ جس آیت میں حضور ﷺ کے فرائض بتائے گئے ہیں کہ آپ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور تزکیہ نفس فرماتے ہیں یہی موقع حضور ﷺ کی قدرت اور اختیارات کے بیان کرنے کا تھا۔ بلکہ قرآن کریم میں جگہ جگہ رسول اللہ ﷺ کے اختیارات و قدرت کی نفی ہی زبان وحی ترجمان سے کرائی گئی ہے اور یہ تک کہا گیا ہے :

قُلْ لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ (الاعراف : ۸۸)

(اے نبی) کہہ دو کہ میں مالک نہیں ہوں اپنے واسطے برے کا نہ بھلے کا مگر جو اللہ چاہے۔

قُلْ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہ (الانعام : ۵۰)

میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے (دیئے ہوئے) خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس عطا کی بھی نفی کی ہے جس کو شد و مد کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام خزانوں کی کنجیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی ہیں۔

لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ...... مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ (الاعراف :۱۸۸)۔

(اگر میں غیب داں ہوتا تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی ناخوشگوار بات چھونے بھی نہ پاتی۔)

پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ مجھی کو پکارو میں ہی تمہاری مصیبت کو دور کردوں گا، یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دور و نزدیک سے پکارو رسول ﷺ تمہاری فریاد سن کر مصیبت کو دور کر دیں گے۔ دور و نزدیک سے ہر جاندار کی آواز سننا، اس کی دستگیری کرنا، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کسی بندے سے چاہے وہ رسول ہی کیوں نہ ہو

اس طرح استغاثہ اور استعانت شرک ہے اور شرک ہی وہ "ظلم عظیم" ہے جو معاف نہیں کیا جاتا۔

جب حضور ﷺ اس دنیائے آب و گل میں تشریف رکھتے تھے تو کسی صحابی نے کسی سریہ میں یا مدینہ سے دور رہ کر کسی مصیبت اور مشکل کے وقت رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ نہیں کیا۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر قیامت گزر گئی اور روضہ رسول آپ کے مکان سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا مگر حضرت عثمان نے رسول اللہ ﷺ کو مدد کیلئے نہیں پکارا۔ ہاں! صحابہ کرام دعا کرانے کیلئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اگر حضور کے اختیار میں سب کچھ تھا تو پھر دعا کی کیا ضرورت تھی۔ صحابہ کرام کیلئے رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنا اس کا ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات عطا نہیں فرما دیئے تھے۔ سامنے کی بات یہ ہے کہ ایک فقیر آپ سے سوال کرتا ہے۔ آپ اس کے سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے بلکہ اپنے پاس سے کچھ نقدی یا کھانا عطا فرما دیتے ہیں۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر سواریوں کی بہت قلت تھی اور دور دراز کا سفر تھا، رسول اللہ ﷺ اسلامی حکومت کے سربراہ تھے، اس لئے چند صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفر کیلئے سواریاں دیئے جانے کی درخواست کی۔ حضور ﷺ کے پاس سواریاں دینے کیلئے نہ تھیں۔ اس لئے آپ نے انکار فرما دیا کہ میں تمہارے لئے سواریوں کا بندوبست نہیں کر سکتا۔ صحابہ کرام اس حالت میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ (قرآنی مفہوم کی شرح و ترجمانی) مولانا بریلوی اور انکے معتقدین کہتے ہیں کہ ایک ایک ولی خزانوں کا مالک ہے اور وہ "کن" کہہ دے تو سب کچھ (فیکون) ہو سکتا ہے۔ مگر قرآن کریم نے صحابہ کی ناداری کا حال بیان کیا ہے کہ وہ غزوہ جہاد میں شرکت کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ لیکن سفر کیلئے سواریوں کا انتظام ان کی قدرت میں نہیں تھا۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سواریاں نہ دے سکے۔ حضور صحابہ کرام کو بڑی فیاضی کے ساتھ مال غنیمت تقسیم فرمایا کرتے تھے مگر جب حضور ﷺ کے پاس دینے کیلئے کچھ نہ ہوتا تھا تو بعض اوقات سائل کو بھی خالی ہاتھ واپس جانا پڑا ہے۔

قرآن کریم کی بہت سی آیتیں ہیں جو انبیاء کرام (اور رسول اللہ ﷺ)

کے اختیار و قدرت کی نفی کرتی ہیں تو پھر انبیاء کرام کے مقابلے میں اولیاء اللہ کی کیا حیثیت ہے جن سے دستگیری کی تمنا کی جاتی ہے۔

دستگیری کا طلب گار ہوں شیأ للہ
بہ گرداب بلا افتادہ کشتی مدد کن یا معین الدین چشتی
المدد! خواہم زخواجہ نقشبند

یہ عقائد کتاب و سنت کے مخالف ہیں۔ یہ اگر شرک نہیں ہے تو شرک کس کا نام ہے؟

شروع شروع میں زیارت قبور سے رسول اللہ ﷺ نے روک دیا تھا۔ پھر اجازت دے دی۔

كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فانها تذهد في الدنيا و تذكر الاخرة۔

(میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا' سو اب قبروں کی زیارت کیا کرو کہ یہ چیز دنیا سے بے رغبت کرتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے)۔

حضور ﷺ نے قبروں کی زیارت کی غرض قبروں سے فیض حاصل کرنا نہیں بتائی بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ زیارت قبور سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی اور آخرت کی یاد آتی ہے۔

فقہاء اور خود اولیاء اللہ کیا کہتے ہیں :

- اپنی تمام حاجتیں اللہ کے حضور پیش کرو اور تمام خلقت سے منہ موڑ کر اس کے حضور جھک جاؤ۔ (فتوح الغیب حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ)۔
- مشرکین مکہ بتوں کو روحوں کی توجہ کا مرکز قرار دیتے تھے اور آج مسلمان قبروں کو سمجھتے ہیں۔ (فوز الکبیر شاہ ولی اللہ)۔
- انبیاء اولیاء ہمہ بندگان خدا اند دخلے و تصرفے در کارخانہ جات الٰہی نہ دارند نہ در حیات نہ بعد ممات۔ (بلاغ المبین شاہ ولی اللہؒ)۔

(انبیاء اور اولیاء سب کے سب خدا کے بندے ہیں اور اللہ کے کارخانے میں داخل اور تصرف نہیں رکھتے نہ زندگی میں نہ بعد وفات)۔

- دفع شر یا دفع بلا کیلئے غیر اللہ کو پکارنا اور ان کو صاحب اختیار سمجھنا شرک

ہے۔ (تفسیر عزیزی شاہ عبد العزیزؒ)۔

- انبیاء و اولیاء کی قبروں کو سجدہ کرنا، طواف کرنا، ان سے مراد مانگنا، نذر و نیاز کرنا یہ سب حرام و ناجائز ہے۔ (مالا بدمنہ از حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ)
- وہ لوگ جو انبیاء اور اولیاء کو حاجتوں اور مصائب میں اس اعتقاد کے ساتھ پکارتے ہیں کہ ان کی روحیں حاضر ہوتی ہیں اور پکارنے والوں کی پکار سنتی ہیں ان کی حاجات (ضرورتوں) کو جانتی ہیں تو یہ شرک قبیح اور جہل صریح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں ان سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا۔ (سلطان العارفین قاضی حمید الدین ناگوری استاد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ)۔
- جو نذریں اموات کے واسطے ہوں ازروئے تقرب کے وہ باطل اور حرام ہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری در مختار)۔
- نذر عبادت ہے اور مخلوق عبادت کے لائق نہیں۔ اگر نذر ماننے والے کا یہ خیال ہے کہ میت کو اختیارات حاصل ہوتے ہیں تو یہ صریحاً کفر ہے۔ (البحر الرائق)۔

حضرت ابن عباس ؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لعنت کی اللہ نے ان عورتوں پر جو زیارت[1] کریں۔ قبروں کی اور ان لوگوں پر لعنت خدا کی جو بنائیں قبروں پر مسجدیں اور روشن کریں قبروں پر چراغ۔ (مشکوٰۃ باب المساجد)۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کا یہ مشن ہے کہ ان بدعات کو جائز ثابت کیا جائے اور اس احداث فی الدین کو مستحب اور باعث خیر و برکت سمجھا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام سے وہ قدرت و تصرف اور اختیارات منسوب کئے جائیں جن کی کوئی دلیل کتاب و سنت میں نہیں ملتی اور جن سے توحید مجروح ہوتی ہے اور عبد اور معبود کا فرق باقی نہیں رہتا۔

یہ باطنیت کا اثر ہے کہ صحابہ کرام میں صرف حضرت سیدنا علی کرم اللہ

---

[1] ہم نے ایک جگہ "زوارات" بھی پڑھا ہے (یعنی قبروں کی بار بار زیارت کرنے والیاں)۔

وجہ کو مشکل کشا سمجھا جاتا ہے اور ان کی دہائی دی جاتی ہے اور اولیاء اللہ میں حسن بصری' ذوالنون مصری' بشرحافی' جیسے بلند پایہ اولیاء اللہ سے استعانت و استمداد نہیں کی جاتی۔ امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل چونکہ صوفی کے طور پر مشہور نہ تھے لہٰذا انہیں روحانیت کے معاملے میں کورا سمجھ لیا گیا ہے اور ان سے کوئی بدعتی مسلمان استغاثہ نہیں کرتا۔

جن بزرگان دین سے استمداد و استغاثہ اور استعانت کی جاتی ہے وہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کریں گے۔ بار الہا یہ ان لوگوں کے اپنے گھڑے ہوئے عقیدے ہیں' ہم نے اس قسم کی حاشا للہ ترغیب نہیں دی تھی کہ مصیبت کے وقت دور و نزدیک سے ہمیں پکارا کرنا اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ اختیار دے رکھا ہے۔

ایک بات اور غور طلب ہے کہ ہم نے خود دیکھا ہے اور دوسرے ہزاروں مسلمانوں نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ ایک پیر اپنی زندگی میں قدم قدم پر مجبور ہے' وہ عینک کے بغیر پڑھ نہیں سکتا' بیماری کے سبب سے کمزور ہو جاتا ہے' تو مریدوں کے سہارے چلتا ہے' اسے اپنے مکان کی دیوار کے پیچھے کا حال معلوم نہیں ہے۔ مریدوں اور عزیزوں کے خط آتے ہیں تو ان کے حالات کا علم ہوتا ہے۔ اس پیر کی نہ جانیں کتنی تمنائیں پوری اور کتنی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ جب پیسہ کی تنگی ہو جاتی ہے اور مرید و معتقدین اس کی خدمت میں ہدایا پیش کرتے ہیں مگر مرنے کے بعد اس کی قبر پر جاکر مرادیں مانگتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ تم کو خدا نے ہر طرح کا اختیار اور قدرت دے رکھی ہے۔ للہ میری مدد کرو۔ حضور! آپ کے ایک اشارے میں میری مصیبت دور ہو سکتی ہے۔ آپ اللہ کے محبوب ہیں آپ جو چاہیں گے وہ ہو کر رہے گا سرکار! میں اس دربار سے خالی جھولی لے کر نہیں جاؤں گا۔ المدد یا شیخ اغثنی یا مرشدی۔

آپ چاہیں تو مرے درد کا درماں ہو جائے
ورنہ مشکل ہے کہ مشکل مری آسان ہو جائے

(توبہ استغفراللہ)

دین کی صحیح اور واقعی خدمت یہ تھی کہ علوم قرآنی پر (جس طرح علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی مشکلات القرآن ہے) حجیت حدیث پر صلوٰۃ' زکوٰۃ' روزہ

اور حج کی حکمتوں پر' سیرت نبوی اور صحابہ کرام کی مقدس زندگیوں پر' اسلامی معاشرہ کیسا ہونا چاہئے؟ اس موضوع پر' اسلام پر مستشرقین کے حملوں کے دفاع پر' اخلاق و تزکیہ نفس پر کیمیائے سعادت کے انداز کی کوئی کتاب' دین کی حقانیت پر کوئی تصنیف' مولانا مفتی کفایت اللہ نے تعلیم الاسلام کے نام سے فقہ کے ضروری مسائل پر رسائل لکھے تھے۔ بے حد مقبول ہوئے اور مولانا مودودی کی "دینیات" جو لاکھوں کی تعداد میں چھپی ہے اور حکومت حیدر آباد دکن کے میٹرک کے نصاب میں برسوں شامل رہی ہے۔ اسلام کی معاشیات و اقتصادیات ہے۔ مسلمانوں کی نامور و محترم شخصیتیں ہیں۔ مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیز' حضرت عبداللہ ابن مبارک' صلاح الدین ایوبی' جن کے حالات زندگی پڑھ کر دین کی خدمت کا ولولہ پیدا ہوتا ہے انگریزی دور میں اللہ تعالیٰ کی قدرت مشیت حکمت اور خیر و شر کے بارے میں جو وسوسے اور شبہات نئے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دل میں پیدا ہوگئے تھے ان پر علامہ شبیر احمد عثمانی کی معرکہ آرا تصنیف "العقل والنقل" جیسی کتاب۔ دراصل دین کی خدمت کا یہی کام کرنے کا تھا۔ مگر مولانا احمد رضا خان صاحب کی نہ جانے کتنی بہت سی کتابیں[1] وہابیوں اور دیوبندیوں کی تکفیر و تذلیل سے بھری پڑی ہیں۔

مولانا فاضل بریلوی کی شخصیت پر بارہ تیرہ کتابیں تو آچکی ہیں جو مفت تقسیم کی گئی ہیں جن میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ موجودہ صدی ہجری میں ان جیسے پایہ کا کوئی عالم و فاضل ہی پیدا نہیں ہوا اور مولانا بریلوی نہ ہوتے تو ہند و پاکستان میں عصمت انبیاء کا چراغ گل ہو جاتا۔ پروفیسر مسعود احمد رضا خان تحریک کے روح رواں ہیں۔ پروپیگنڈے کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر طوفانی پروپیگنڈے کے

---

[1] مسلم لیگ کے بارے میں مولوی ابوالبرکات نے رسالہ حزب الاحناف لاہور میں فتویٰ دیا۔ مسلم لیگ کی حمایت کرنا اس میں چندہ دینا' اس کا ممبر بننا' اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا منافقین و مرتدین کی جماعت کو فروغ دینا ہے۔ مولانا احمد رضا خان کے خاص الخاص تمع مولوی حشمت علی نے اقبال کے بارے میں لکھا "ڈاکٹر صاحب کی زبان پر شیطان بول رہا ہے اور بحکم شریعت مسٹر جینا (یعنی قائد اعظم) اپنے عقائد کفریہ قطعیہ یقینیہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج الاسلام ہے۔ (تجانب اہل السنہ ص ۱۲۴)۔ بریلوی حضرات تکفیر سازی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور مزاج کی شدت کا یہ عالم کہ حرمین شریفین کے اماموں کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے۔

زور پر مسلمانوں کی نئی نسل کے ذہن و فکر پر مولانا فاضل بریلوی کی شخصیت اور ان کے عقائد چھاگئے تو پھر مشرکانہ عقائد اور بدعات کی نفرت ہی دلوں سے نکل جائے گی۔

دیوبندی علماء نے اپنے اکابر کا نہ کوئی "DAY" منایا اور نہ حکومت سے درخواست کی کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ان بزرگوں کی زندگیوں پر فیچر نشر کئے جائیں۔ مگر مولانا احمد رضا خان صاحب کا کئی برس سے "DAY" منایا جاتا ہے اور حکومت سے پرزور مطالبہ کیا جاتا ہے کہ "یوم رضا" کے جلسوں کے پروگرام ریڈیو سے نشر کئے جائیں اور ان کی جھلکیاں ٹیلی ویژن پر دکھائی جائیں۔ بریلوی اور دیوبندی علماء کے مزاج اور ذہنیت کا فرق اسی واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ہمیں اس کا بھی علم ہے کہ مسجدوں میں بریلویت اور دیوبندیت کی کشمکش جاری ہے۔ ایوب خان کے دور حکومت میں پنجاب کی ایک مسجد کے پیش امام کو اس جرم میں قتل کیا گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب نہیں کہتا تھا۔ ۱۹۶۹ء میں وہاں کے مسلمانوں کی دعوت پر راقم الحروف کا ساؤتھ افریقہ جانا ہوگیا۔ مجھے بتایا گیا کہ ساؤتھ افریقہ کے مسلمانوں میں عقائد کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا مگر دو تین برس سے کوئی مولانا خوشتر ہیں جن کا ادھر آنا ہوگیا اور اس وقت سے یہاں بھی عقائد کا اختلاف پیدا ہوگیا۔ ڈربن کی وہ مسجد جہاں بریلوی عقائد کی اشاعت کا آغاز ہوا تھا میں نے توحید و سنت پر تقریر کی مگر "بریلی" اور مولانا احمد رضا خان کا نام تک نہیں لیا' توحید و سنت کے تقاضے مثبت انداز میں بیان کئے۔ جو لوگ اہل سنت والجماعت ہونے کے مدعی ہیں ان کے جب سے انگلستان میں دورے ہوئے ہیں وہاں بھی عقائد کی کشمکش شروع ہوچکی ہے۔ برمنگھم کی مسجد میں تو یہ اختلاف اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ پولیس کو مداخلت کرنا پڑی۔

ہم نے خاصی تفصیل سے زیر تنقید کتاب پر تبصرہ کیا ہے اور اپنے نزدیک پوری ذمہ داری اور خدا خوفی کے ساتھ جن باتوں کو حق اور جن باتوں کو ناحق سمجھا ہے ان کا اظہار کر دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کسی مسئلہ کے تجزیہ میں ہم سے بھول چوک ہوگئی ہو۔ اگر ہمیں دلائل سے مطمئن کر دیا جائے تو ہم اپنی غلطی کا کھلے دل سے اعلان و اعتراف کریں گے۔

کنزالایمان ترجمہ قرآن مولانا احمد رضا خان علمائے ادب اردو کی نظر میں

تبصرہ بر محاسن کنزالایمان

فاران' مارچ ۱۹۷۶ء

(از ملک شیر محمد خان اعوان' ضخامت ۵۶' مرکزی مجلس رضا' نوری مسجد بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور سے کسی قیمت کے بغیر حاصل کی جاسکتی ہے۔)

ہر عالم ادیب اور شاعر کا ایک مقام عمومی طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ تقسیم ہند سے قبل مولانا احمد رضا خان علمی و دینی حلقوں میں بریلی مکتبہ فکر کے سب سے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد فاضل بریلوی کی علمی اور دینی خدمات کو ان کے معتقدین و متوسلین نے نمایاں کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ پانچ چھ برس سے جب سے جمعیت علمائے پاکستان سیاسی میدان میں آئی ہے اور صوبائی اور مرکزی اسمبلی میں اسے متعدد نشستیں ملی ہیں۔ بریلوی مکتبہ فکر کے اہل قلم نے مولانا احمد رضا خان کی زندگی اور ان کے علمی فضل و کمال پر کتابیں چھاپنے کی باقاعدہ مہم شروع کر دی ہے۔ ان حضرات کے یہاں فنڈ کی بھی خاصی ریل پیل معلوم ہوتی ہے کیونکہ کسی قیمت کے بغیر یہ کتابیں تقسیم کی جارہی ہیں۔

محاسن کنزالایمان بھی اس سلسلے کی ایک کتاب ہے جس میں مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ترجمہ قرآن کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس کتابچے پر مولانا غلام رسول سعیدی نے پیش لفظ لکھا ہے۔

> "......امام رازی اگر اسے دیکھ پاتے تو بے اختیار آفرین کہتے۔ ابن عطا اور جبائی کے سامنے یہ ترجمہ ہوتا تو شاید اعتزال سے توبہ کر لیتے۔ خامہ تصوف سے جس طرح اعلیٰ حضرت نے آیات کے بطن کو ترجمہ میں ڈھالا ہے۔ غزالی ہوتے تو دیکھ کر وجد کرتے' ابن عربی شادکام ہوتے اور سہروردی دعائیں دیتے' ترجمہ کے ضمن میں جو فقہی نگینے لائے ہیں اگر امام اعظم کو پیش کیے جاتے تو یقیناً مرحبا کہتے

اور اگر ابن عابدین اور سید طحطاوی کے سامنے یہ فقہی
آبگینے ہوتے تو اعلیٰ حضرت سے تلمذ کی آرزو کرتے۔" (
۱۱۰)۔

یہ واقعہ ہے یا مبالغہ؟ اس کا فیصلہ اہل نظر اور صاحبان علم و دانش ہی کر سکتے ہیں۔

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

یہ مولانا صاحب جنہوں نے مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کے ترجمہ کی اس قدر ستائش مدح و توصیف کی ہے خود ان کی اردو تحریر کا یہ عالم ہے.... "اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس کے نقطہ عروج پر پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے"۔ (ص ۹)۔ اس عبارت میں کتنا کچا پن پایا جاتا ہے۔ ترجمہ کے ضمن میں جو فقہی نگینے لائے ہیں۔ (ص ۱۰) ترجمہ کا ضمن اور پھر اس ضمن میں فقہی نگینے لانا' یہ نوشتوں کا انداز تحریر ہے۔ "سطح ظاہر پر گذارہ کرنے والوں" عجیب سی عبارت ہے' پھر "گزار" کا املاء "گذارہ" غلط ہے۔ یہ صاحب جن کے نام کے پہلے "علامہ" لکھا ہے فارسی لفظوں میں "ز" اور "ذ" کے فرق کو نہیں جانتے"۔

"لاگ لپٹ" کے بغیر (ص ۱۱) "لاگ لپیٹ" عام طور پر بولتے ہیں۔ اخلاص و ایثار کا فانوس روشن کیا ہوا ہے۔ (ص ۱۱) "ہوا" اس جملہ میں کھٹکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا علمی جلال علمی جلالت لکھنا تھا۔ جن صاحب کی اردو اتنی کمزور ہو کیا وہ قرآن کریم کے اردو ترجمہ پر اظہار رائے کا حق رکھتے ہیں۔ اسی پیش لفظ میں یہ مبالغہ آمیز جملہ بھی پڑھنا پڑا:

"اگر قرآن اردو میں اترا ہوتا تو یہ عبارت اس کے قریب تر ہوتی۔"

مولانا فاضل بریلوی کے اردو ترجمہ کو قرآن کے قریب درجہ دینے کی کوشش' اب کوئی کہے تو کیا کہے۔

ملک شیر محمد خان اعوان شگفتہ قلم ادیب ہیں۔ وہ بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ص ۴۴ پر انہوں نے لکھا ہے:

"آج اگر عصمت انبیاء کا چراغ روشن ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ احمد رضا خان کا دامن اس کا فانوس بنا ہوا ہے"۔

جو لوگ اہل سنت والجماعت کہلاتے ہیں وہ اور حضرات اہل حدیث یہ

سب کے سب عصمت انبیاء کے قائل ہیں۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ عصمت انبیاء کے چراغ کو مولانا احمد رضا خان نے روشن رکھا ہے۔ شیعہ حضرات تو ائمہ کو بھی معصوم کہتے ہیں اور انبیاء کے تسامحات کو "ترکِ اولیٰ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بات نہ صرف مبالغہ آمیز بلکہ واقعہ کے خلاف ہے کہ مولانا احمد رضا خان نہ ہوتے تو معاذ اللہ عصمت انبیاء کا چراغ ہی گل ہو جاتا۔

"آج سواد اعظم کے جتنے بھی علماء کرام ہیں۔" (ملک اعوان)

سواد اعظم مسلمانوں کی اس اکثریت غالب کو کہتے ہیں جو صحیح العقیدہ ہو' وہ سنی مسلمان جو تعزیئے نکالتے ہیں' قبروں کا طواف کرتے ہیں' غیر اللہ کو حاجت روائی کیلئے پکارتے ہیں اور طرح طرح کی بدعات میں مبتلا ہیں ان سے تو سواد اعظم بدنام ہوتا ہے۔

> "انگریزی علوم کے مقابلہ میں آپ نے ایک ایسے علم کی بنیاد ڈالی' جس نے شک و ارتیاب کی تاریک وادیوں میں بھٹکتے ہوئے اذہان کو مینارۂ نور بن کر راہ ہدایت دکھائی۔" (ص ۴۴)

مولانا احمد رضا خان متکلم نہیں تھے۔ انہوں نے کسی علم کلام کی بنیاد نہیں ڈالی۔ ان کی ساری زندگی داعیان توحید اور ماحیان شرک و بدعت کی توہین و تکفیر میں صرف ہوئی۔ (یعنی جن کو وہ دیوبندی اور وہابیہ کہتے ہیں)۔"

> "تقدیس رسالت کی جو تحریک آپ نے ۱۸۷۵ء سے ۱۹۲۱ء تک جاری رکھی اور محافل میلاد کے انعقاد کی جو مشعلیں آپ نے روشن رکھیں وہ آج سلگتے ستاروں میں تبدیل ہو کر ظلمت کدۂ دہریت والحاد میں ضیاء بکھیر رہی ہیں[1] ۔ (ص ۴۴)

رسول اللہ ﷺ کا ذکر ایمان کی جان اور سرمایہ یقین...... مگر محفل میلاد کی ابتدا اب سے تقریباً آٹھ سو برس پہلے ایک بادشاہ نے کی تھی۔ اس سے پہلے

---

[1] جملہ میں بڑا تکلف پایا جاتا ہے۔ "سلگتے ستاروں" خاص طور سے کھٹکتا ہے۔

محفل میلاد کا وجود نہیں ملتا۔ ایک بادشاہ کے نکالے ہوئے طریقہ کو مسلمانوں نے جو دین و ایمان بنا لیا ہے یہ چیز اپنی جگہ کسی قدر محل نظر ہے۔ خلفائے راشدین نے حضور ﷺ کی ولادت کا دن نہیں منایا۔ اسلام میں غم اور مسرت کا کوئی تیسرا تہوار عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے سوا نہیں۔ ہندوستان میں جب میلاد کی محفلوں کا آغاز ہوا ہے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے مکتوبات میں تشویش کا اظہار فرمایا تھا کہ مسلمانوں میں یہ کیا چیز رواج پا رہی ہے۔

ملک شیر محمد خان اعوان نے مولانا احمد رضا خان کی تعریف میں یہ بات کہی ہے کہ انہوں نے محافل میلاد کی شمعیں روشن رکھ کر دین کا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے حالانکہ اس طرح بدعت کو فروغ ہوا ہے۔ پھر "ظلمت کدۂ دہریت والحاد" کے لانے کی کیا تک تھی۔ محفل میلاد کے منعقد نہ ہونے کو کیا "دہریت و الحاد" کہنا کسی نہج سے بھی درست ہے؟ جہاں تک سیرت النبی کا تعلق ہے اس کا ذکر جتنا بھی کیا جائے باعث سعادت ہے۔ "آپ نے مختصر سی عمر میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے"۔ (ص ۲۵)

مولانا احمد رضا خان ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ اس حساب سے ان کی عمر ۶۵ برس کی ہوتی ہے۔ کیا ۶۵ برس پر مختصر عمر کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

"...... لیکن اگر وہ اتنی پر عظمت کتابیں نہ بھی لکھتے تب بھی صرف ان کا نعتیہ کلام ان کا نام زندہ رکھنے کیلئے کافی تھا۔" (ص ۲۶)

مولانا احمد رضا خان مرحوم کا سلام اور معراج شریف کی نظم یہ دونوں چیزیں خوب ہیں۔ ان کی نعتیہ غزلوں میں پست و بلند ہر طرح کے اشعار ملتے ہیں۔ بعض اشعار خاصے کمزور ہیں۔ "فاران" میں فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری پر تبصرہ آچکا ہے۔ نعت کے عظیم شاعر محسن کاکوروی ہیں۔ زائر حرم حمید صدیقی کے نعتیہ کلام میں خوشگوار تنوع پایا جاتا ہے۔ اقبال سہیل کا نعتیہ قصیدہ:

محمد یعنی وہ حرف نخستیں کلک فطرت کا　　محمد یعنی وہ امضائے توقیعات ربانی
وہ رابط عقل و مذہب کو کیا شیر و شکر جس نے　　وہ فاروق زہد سے جس نے مٹایا داغ رضیانی

اردو شاعری کی آبرو ہے۔ یہ آہنگ "حدائق بخشش" میں نہیں ملتا۔

مولانا احمد رضا خان نے قرآن پاک کا سلیس و رواں ترجمہ کیا ہے۔ مگر اس ترجمہ کو اس انداز میں پیش کرنا کہ یہ ترجمہ کیا ہے گویا اردو کی وحی ہے اور تمام اردو تراجم پر اس ترجمہ (کنز الایمان) کو فوقیت حاصل ہے۔ مبالغہ آمیز تعریف ہے۔ "کنز الایمان" میں زبان و ترجمہ کی بہت سی غلطیاں ملتی ہیں۔ مولانا احمد رضا خان کے مخصوص عقائد ہیں یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو علم غیب حاصل تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہی نہیں تمام اولیاء دنیا کی مشکل کشائی کرتے ہیں۔ اُن نفوس قدسیہ سے استغاثہ اور استمداد جائز ہے۔ (وہلم جرا) حالانکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ "عالم الغیب والشہادہ" صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور قرآن شریف میں اس قسم کی آیتیں...... کہ اے رسول آپ منافقوں کو نہیں جانتے۔ اور بہت سے نبیوں کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتائے...... حضور ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کرتی ہیں اور قرآن کریم اور احادیث میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں یہ کہا گیا ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو مصیبت کے وقت پکارا کرو اور حضور ﷺ کو سارے جہاں کی مشکل کشائی کا منصب سونپ دیا گیا ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے اپنے مزعومہ عقائد ذہن میں رکھ کر قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ اس لئے متعدد آیات کا ترجمہ صحت معنوی اور قرآن کریم کے مراد و منشا کے اعتبار سے خاصا محل نظر ہے۔ مثلاً "تدع' یدع' ادعوا" کا ترجمہ وہ "پکارنے" کی بجائے "پوجنا" کرتے ہیں اور وہ اس لئے کہ غیر اللہ کو دور و نزدیک سے استغاثہ و استمداد کیلئے پکارنا ان کے نزدیک جائز ہے' چنانچہ فلا تدع مع اللہ الٰھًا آخر (الشعرا: ۲۱۳) کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"تو اللہ کے سوا دوسرا خدا نہ پوج"

قرآنی لغات میں "دعوت" کے معنی پوجنے کے نہیں بلکہ "بلانے" کے دیئے گئے ہیں۔

ادعو ربکم تضرعًا و خفیہ۔

کا یہی ترجمہ صحیح ہے کہ اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے...... اگر یہاں "ادعوا" کے معنی "پوجو" لئے جائیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے۔ صلوٰۃ بالجھر سے روکا گیا ہے۔

"کنز الایمان" پر مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے حواشی ہیں' ان کا یہ

حال ہے " ایاك نعبد و ایاك نستعین جو توحید خالص پر محکم نص ہے۔ اس میں مولانا مراد آبادی نے "شرک" کا پہلو پیدا کر دیا ہے۔ اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں :

" ایاك نعبد و ایاك نستعین میں یہ تعلیم فرمائی گئی ہے کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہو' ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات و خدام و احباب وغیرہ سب عون الٰہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہئے اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارفرما دیکھے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے استعانت بالغیر نہیں۔ اگر اس آیت کے وہ معنیٰ ہوئے جو وہابیہ نے سمجھے تو قرآن پاک میں اعینونی بقوۃ و استعینوا بالصبر و الصلوٰۃ کیوں آتا ہے"۔

قرآن کریم کی یہ تفسیر " ایاك نعبد و ایاك نستعین کی معنوی تحریف ہے۔ قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں آیا کہ مقربان حق عون الٰہی کے مظہر ہیں اور ان سے استعانت جائز ہے یا ان کی امداد دراصل امداد الٰہی ہے۔ یہ حاشیہ نگار کا اپنی جانب سے اضافہ ہے۔" استعینوا بالصبر و الصلوٰۃ" کو دلیل میں پیش کرنا کم فہمی قرآن کی دلیل ہے۔ کیا صبر و صلوٰۃ انسان' جن اور فرشتے ہیں کہ وہ فریاد کو سنتے اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ کیا کوئی صاحب عقل صبر و صلوٰۃ سے مدد مانگنے کا تصور بھی کر سکتا ہے؟ اس آیت کا سیدھا سادھا مفہوم یہ ہے کہ صبر اختیار کرو اور فریضہ صلوٰۃ ادا کرو۔ اس عمل سے اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں میں خیر و برکت عطا فرمائے گا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوگی۔ اگر اس آیت سے وہابیہ نے یہی سمجھا ہے تو انہوں نے صحیح سمجھا ہے۔ کنز الایمان کا یہ حاشیہ عقیدۂ توحید کو مجروح کرتا ہے۔

"محاسن کنز الایمان" میں قرآنی آیات کے تراجم میں زیادہ تر شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ترجمہ سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن اب سے کم و بیش دو سو برس پہلے کا ہے۔ اس زمانہ میں اردو نثر نگاری دور مراہقت سے گزر رہی تھی۔ اسی دو سو برس پہلے کے ترجمہ کو شیخ الہند

نے زیادہ سلیس بنانے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں متعدد مقامات پر ان کے ترجمہ کی عبارتیں عجیب سی ہوگئیں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کی اردو کمزور تھی۔ فاضل مصنف کو فتح محمد جالندھری، مفتی محمد شفیع، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ترجموں سے مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ کا مقابلہ کرنا تھا۔

آیت نمبر ا: ذالك الكتاب لا ريب فيه ۔

ترجمہ مولانا محمود حسن: اس کتاب میں شک نہیں۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خان: وہ بلند مرتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔

اعوان صاحب مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ کی بہت کچھ تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ذالک" اشارہ قریب نہیں بعید کا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مترجمین اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں۔ (ص ۲۹)

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے:

"حضرت ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں یہاں ذالک معنی میں "ھذا" کے ہے۔ عکرمہ، سعید بن جبیر، سدی، مقاتل، زید بن اسلم اور ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں اور عربی زبان میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے ابو عبیدہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ "ذالک" اصل میں ہے تو دور کے اشارے کیلئے جس کے معنی ہیں "وہ" لیکن کبھی نزدیک کیلئے لاتے ہیں۔ اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں "یہ" یہاں بھی اس معنی میں ہے"۔ (تفسیر ابن کثیر، اردو ترجمہ)۔ (گویا قرون اولیٰ کے آٹھ جلیل القدر آئمہ تفسیر اس پر متفق ہیں کہ یہاں ذالک ہذا کے معنی میں

ہے یعنی اس کا ترجمہ "وہ کتاب" نہیں بلکہ "یہ کتاب" ہے۔)

قرآن کریم میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں: مثلاً

ذالکم حکم اللہ یحکم بینکم (الممتحنہ: ۱۰)۔

میں "ذالک" "ھذا" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (اور خود احمد رضا خان صاحب نے اس کا ترجمہ یہ سے کیا ہے۔)

مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ:

"وہ بلند مرتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں"۔

خوب ہے مگر اس میں "فیہ" کا ترجمہ چھوٹ گیا۔ مولانا مودودی نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں"۔

یہ ترجمہ دونوں معنوی پہلوؤں پر محیط ہے یہ کہ اس کتاب کے کتاب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور یہ کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

۲۔ یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون ○ (البقرہ: ۲۱)

ترجمہ: مولانا احمد رضا خان... اے لوگو! اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا ہے۔ یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیز گاری ملے۔"

"پرہیز گاری ملے" یہ کمزور زبان ہے۔

ترجمہ مولانا مودودی..... لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے لوگ جو ہو گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے۔ تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ "بندگی اختیار کرو" میں پوجنے کا مفہوم بھی آگیا اور یہ بھی کہ پوری زندگی میں اللہ کی اطاعت کرو۔

مودودی صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے:

"یعنی دنیا میں غلط بینی و غلط کاری سے اور آخرت میں خدا کے عذاب سے بچنے کی"۔

"لنعلم" کا ترجمہ اللہ کی نسبت سے "تاکہ ہم جان لیں یا ہم کو معلوم ہو

جاوے" غلط نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی خرابی ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے...... "کہ دیکھیں" ترجمہ کیا ہے۔ یہ بھی صحیح ترجمہ ہے مگر فاضل مصنف نے جو یہ لکھا ہے:

"معلوم ہو جانے کی نسبت خدا سے درست نہیں"۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا اور ہر واقعہ کا علم ہمیشہ سے ہے۔ مگر یہ قرآن کا انداز بیان ہے کہ جو چیز وقوع میں آتی ہے یا ہونے والی ہوتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہم عالم کون و فساد اور جہان زمین و زماں کے رہنے والوں کے علم و مشاہدہ کی نسبت و رعایت سے یوں فرماتا ہے۔"ہم نے جان لیا...... ہم جان لیں گے"۔

بعض فلاسفہ ان آیات سے اس فاحش غلطی میں مبتلا ہوگئے کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم کسی واقعہ کے بعد ہوتا ہے (معاذ اللہ)۔

۳۔ " اهل به لغير الله" کا جو ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی نے کیا ہے اس میں "نامزد" کے لفظ پر اعوان صاحب کو اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بریلوی حضرات کے نزدیک وہ جانور جو کسی بزرگ سے نامزد کر دیا گیا ہو مگر ذبح کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے وہ حلال ذبیحہ ہے۔ دیوبندی حضرات کا یہ کہنا ہے کہ جو جانور بقصد تقرب غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو وہ بوقت ذبح اللہ کا نام لینے سے بھی حلال نہیں ہوتا۔ یہی مسلک مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ہے۔ مولانا مودودی نے اس آیت (البقرہ... رکوع ۵) کی تفسیر میں لکھا ہے:

"اس کا اطلاق اس جانور کے گوشت پر بھی ہے جسے خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور اس کھانے پر بھی ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر بطور نذر و نیاز کے پکایا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جانور ہو یا غلہ یا اور کوئی کھانے کی چیز دراصل اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ ہی نے وہ چیز ہم کو عطا کی ہے۔ لہٰذا اعتراف نعمت یا صدقہ یا نذر و نیاز کے طور پر اگر کسی کا نام ان چیزوں پر لیا جا سکتا ہے تو وہ صرف اللہ ہی کا نام ہے۔ اس کے سوا کسی

دوسرے کا نام لینا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم خدا کے بجائے یا
خدا کے ساتھ اس کی بالاتری تسلیم کر رہے ہیں اور اس کو
بھی منعم سمجھتے ہیں۔

۴۔ ان المنفقین یخدعون اللہ وھو خادعھم، (پارہ ۵، رکوع ۱۸)۔
ترجمہ: مولانا محمود حسن: البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں، اللہ سے اور وہی
ان کو دغا دے گا۔

اس ترجمہ پر یہ اعتراض وارد کیا گیا ہے:

"دغا کا لفظ کس قدر رکیک ہے۔ اس کی وضاحت کی ضرورت
نہیں اور جب اس لفظ کو خدا کی ذات اقدس و اعظم سے
منسوب کیا جائے تو اعداء دین کو زبان طعن دراز کرنے کا
موقع مل جاتا ہے، اعلیٰ حضرت نے کس احتیاط سے یہاں
ترجمانی کے فرائض نبھائے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:
"بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے
ہیں اور وہ انہیں غافل کرکے مارے گا۔"

مولانا احمد رضا خان صاحب نے ترجمہ میں بڑی نازک احتیاط برتی ہے۔

"یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں حالانکہ
درحقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے"
(مولانا مودودی)۔

"اللہ کا غافل کر دینا......یا دھوکے میں ڈال دینا" اس ترجمہ سے اللہ کی
ذات پر کوئی حرف نہیں آتا۔ "غفلت" بھی تو بری چیز ہے۔ مولانا احمد رضا خان
کا یہ ترجمہ: "وہ انہیں غافل کرکے مار دے گا" تو "اللہ کا بندے کو غفلت میں
مبتلا کر دینا" پر بھی وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو اعتراض فاضل مصنف نے مولانا
محمود حسن کے ترجمہ پر کیا ہے۔

۵۔ ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین، (پارہ ۹، رکوع ۱۸)۔
ترجمہ مولانا محمود حسن: "اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا
اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔"
ترجمہ مولانا احمد رضا خان: اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ

تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔

ترجمہ : مولانا مودودی : وہ اپنی چال چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ کی چال سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

"مکر" کا ترجمہ "خفیہ تدبیر" یا صرف "تدبیر" شگفتہ ترجمہ ہے۔ مگر "مکر" کا ترجمہ نہ کیا جائے بلکہ ترجمہ میں "مکر" ہی رہنے دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"مفردات القرآن" (امام راغب اصفہانی) کا ترجمہ اور حواشی مولانا محمد عبداللہ فیروز پوری کے ہیں۔ اس میں لکھا ہے :

"المکر" کے معنی کسی شخص کو حیلہ کے ساتھ اس کے مقصد سے پھیر دینے کے ہیں۔ یہ دو قسم پر ہے۔ اگر اس سے کوئی اچھا فعل مقصود ہو تو محمود ہوتا ہے ورنہ مذموم۔

مولانا مودودی نے "مکر" کا ترجمہ "چال" کیا ہے جو مکر کا بڑا صحیح ترجمہ ہے۔ "چال" بری بھی ہوتی ہے اور اچھی بھی۔ اور اللہ تعالیٰ سے اسی "چال" کی نسبت کی جائے گی جس میں ذم کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ آتش لکھنوی کا شعر ہے :

شاہراہ ہستی موہوم میں وہ چال چل اپنی آنکھوں کو بچھا دیں دوست دشمن زیر پا

اس شعر میں "چال" سے محمود و پسندیدہ چال مراد ہے۔

۶۔ نسو اللہ فنسیھم (التوبہ : ۶۷)۔

مولانا محمود حسن : بھول گئے سو وہ بھول گیا ان کو۔

مولانا احمد رضا خان : وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے ان کو چھوڑ دیا۔

مولانا اشرف علی تھانوی : انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا' پس خدا نے ان کا خیال نہ کیا۔

ملک اعوان صاحب مولانا محمود حسن شیخ الہند کے ترجمہ پر گرفت فرماتے ہیں کہ مولانا محمود حسن نے "بھول جانے کے الفاظ خدا سے منسوب کئے ہیں۔ جن سے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ خدا کو بھی نسیان لاحق ہو سکتا ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان نے "چھوڑ دیا" کے الفاظ ترجمہ میں لکھے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ رب اپنے بندے کو چھوڑ کیسے سکتا ہے۔ اللہ کا باغی

سے باغی بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ذریعہ پرورش پاتا ہے۔ اگر لفظ "نسیان" کی نسبت اللہ کی شان کے منافی ہے کہ "نسیان" انسان کی کمزوری ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے کسی بندے کو چھوڑ دینے کی نسبت بھی کھٹکتی ہے۔ کیونکہ اردو میں "دوست نے دوست کو چھوڑ دیا' خاوند نے بیوی کو چھوڑ دیا' اس نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا....." بولا جاتا ہے۔ یہی "چھوڑ دیا" مولانا احمد رضا خان نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے۔ مولانا محمود حسن شیخ الہند اور مولانا اشرف علی تھانوی نے قرآن کے ترجمہ میں قرآنی الفاظ کا وہی ترجمہ کیا ہے جو ان الفاظ کے معنی ہیں۔ قرآن کریم کا یہ مخصوص اندازبیان ہے۔ "وھو خادعھم" کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے دھوکے کو انہی پر پلٹ دیتا ہے۔ یخادعون اللہ وھو خادعھم، ونسوا اللہ فنسیھم، ومکروا ومکر اللہ، واللہ یستھزئ بھم۔ سے دراصل کافروں کے افعال پر جزا (سزا) مراد ہے۔ فارسی میں قرآن کے ان لفظوں کا ترجمہ.... فراموش 'فریب' استہزاء' نسیان ہی کیا جاتا ہے۔

۷- اللہ یستھزی بھم..... یعنی خدا ریشخند و استہزاء بآ نجماعت می نماید۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ جو اپنی ذات کے بارے میں استعمال فرمائے ہیں کہ بلاغت کا معجزہ ہیں اور ان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ان کرتوتوں (فریب و استہزاء اور نسیان) کو "جزاء" کی صورت میں انہی پر پلٹ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نقائص سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلماً انما یاکلون في بطونھم نارا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے والوں کے فعل کو "آگ کھانے سے" تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ وہ لوگ دراصل آگ نہیں مال کھا رہے ہیں...... اس تشبیہ میں وہ سزا (نار) بیان کی گئی ہے جو ان کو ملے گی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی نے قرآن کے ان لفظوں کا اردو میں وہی ترجمہ کیا ہے جو ان لفظوں کا ٹھیٹ ترجمہ ہوسکتا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اعلیٰ کا تعلق ہے اس سے خیر کی نہیں شر کی بھی اور ہدایت ہی کی نہیں ضلالت کی نسبت بھی جائز ہے۔ خیر و شر سب اسی کی قدرت سے ظہور میں آتے ہیں۔ مگر بندوں کو "شر" سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت جبر و قدرت سب

پر حاوی ہے اور ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت بھی دیتا ہے اور گمراہ بھی کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تکوینی کی حکمت ہے۔

۸- ولقد همت به وهم بها (یوسف: ۲۴)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: اور اس عورت کے دل میں تو خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا خیال ہو چلا تھا۔

ترجمہ: مولانا محمود حسن: اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا۔

محاسن کنز الایمان کے مصنف ان دونوں ترجموں کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"زیر نظر آیت کے تراجم پر غور کیجئے۔ ایک تو تھانوی صاحب کا ترجمہ نہیں بلکہ اسے ترجمانی[1] بھی نہیں کہا جا سکتا۔ دوسرے تھانوی صاحب اور محمود الحسن صاحب کے تراجم سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زلیخا تو بدکاری پر آمادہ تھی ہی معاذ اللہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی آمادہ ہوگئے تھے حالانکہ یہ اجماعی عقیدہ عصمت انبیاء کی صریح مخالفت ہے۔ ان حضرات نے ترجمہ کرتے ہوئے "ھم بھا" کے بعد آنے والے "لو" کے حرف شرط کو منقطع کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ متصل ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں یہی خوبی ہے کہ انہوں نے حرف شرط متصل کرکے عصمت انبیاء کے اجماعی عقیدہ کی تائید بھی کر دی۔ ترجمہ لفظی بھی اور کوئی لفظ زائد استعمال نہیں ہوا۔ نیز دشمنان اسلام کو اعتراض کا موقع بھی نہیں ملا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ذیل ہے:

"اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا"۔

---

[1] متعدد آیات قرآنی کے ترجمہ میں مولانا احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ کی بھی یہی صورت ہے۔

کوئی شک نہیں مولانا احمد رضا خان کا مندرجہ بالا ترجمہ محتاط ترجمہ ہے اور اس سے نبی کی عصمت کا بھی تحفظ ہوتا ہے۔ "لو" کا "ھم بھا" سے معنوی تعلق ہے۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے بھی "لو" کو ماقبل کے لفظوں سے متصل ہی سمجھا ہے۔

"وہ اس کی طرف بڑھی اور یوسف بھی اس کی طرف بڑھتا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا۔ (تفہیم القرآن جلد دوم)۔ مگر بعض مفسرین و شارحین نے جو ترجمہ اور شرح و ترجمانی کی ہے وہ مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمود حسن کے ترجمہ سے ملتی جلتی ہے۔ ان مفسرین پر یہ اعتراض نہیں کیا گیا کہ ان کی اس ترجمانی نے نبی کی عصمت کو مجروح کر دیا۔ تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ :

"اس عورت نے یوسف کی طرف قصد کیا اور یوسف نے اس کا"

علامہ ابن کثیر اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں :

"سلف کی ایک جماعت سے تو اس کے بارے میں وہ مروی ہے جو ابن جریر وغیرہ لائے ہیں اور کہا گیا ہے یوسف علیہ السلام کا قصد اس عورت کے ساتھ صرف نفس کا کھٹکا تھا بغوی کی حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا فرمان ہے کہ جب کوئی میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو تم اس کی نیکی لکھ لو اور جب نیکی کو کر گزرے تو اس جیسی دس نیکیاں لکھ لو اور اگر کسی برائی کا ارادہ کرے اور پھر اسے نہ کرے تو اس کیلئے نیکی لکھ لو......" (اردو ترجمہ)

بعض مفسرین نے زلیخا کے "ھمت" اور حضرت یوسف علیہ السلام کے "ھم" کے معنی میں فرق کیا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ خطرات قلب' حدیث النفس (جس میں عزم شریک نہ ہو) ایسا "ھم" گناہ نہیں ہے۔ مثلاً ایک رجل صالح روزہ سے ہے اور اس کے ذہن میں ٹھنڈے پانی کا خیال آتا ہے۔ لیکن وہ پانی نہیں پیتا تو اس کے "ھجس" (دل کے وسوسہ اور خطرہ) پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہو گا۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کوئی یوں کہے میں اس کو قتل کر دیتا اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا..... تو اس شخص نے ارادہ تو کر لیا مگر اللہ کے خوف سے اس ارادہ

کو عملی جامہ نہیں پہنایا۔.... اس تفصیل سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ مولانا محمود حسن شیخ الہند اور مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمہ کو عصمت انبیاء کے منافی ٹھہرانا درست نہیں ہے۔

۹۔ قَالُوْ تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلَالِكَ الْقَدِيْمُ (پارہ ۱۳.... رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن[۱]: ''لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے''۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ''وہ پاس والے کہنے لگے بخدا آپ تو اپنے اسی غلط خیال میں مبتلا ہیں۔''

ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی: بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اسی پرانی خودرفتگی میں ہیں۔''

فاضل مصنف نے لکھا ہے:

> ''مولانا محمود الحسن نے اس (ضلالك) کا ترجمہ غلطی کیا ہے۔ تھانوی صاحب نے اسے ''غلط خیال'' لکھ دیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ ''ضلالت'' کو غلطی کے معنی میں استعمال کرنے کی کوئی نظیر بھی ملتی ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ ان حضرات نے ''گمراہی'' کی بجائے ''غلطی'' کا لفظ محض اس لئے لگایا ہے کہ پیغمبر کو گمراہ کہنا اس کے شان کے شایان نہیں۔ مگر ترجمہ کیلئے لغت کی تائید بھی تو ضروری ہے......''

امام عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمتہ اللہ علیہ نے '' زاد المسیر في علم التفسیر'' میں اس لفظ ''ضلال'' کے تین معنی لکھے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور ابن زید نے ''ضلال'' سے ''خطا'' مراد لی ہے۔ سعید بن جبیر نے جنون لکھا

---

[۱] یہ ترجمے جو ہم نے نقل کئے ہیں ملک شیر محمد خان اعوان نے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔ انہوں نے ہر جگہ ''محمود حسن'' کو ''محمود الحسن'' لکھا ہے۔

ہے' اور مقاتل نے الشقاء والعناء۔ اس لئے ملک اعوان صاحب کا یہ کہنا کہ "ضلال" کے معنی میں "غلطی" کی کوئی نظیر نہیں ملتی' اپنی جگہ غلط قسم کا دعویٰ ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی نے "غلطی" اور "غلط خیال" جو ترجمے کئے ہیں ان کو نا درست اور غلط نہیں کہا جاسکتا۔

مولانا مودودی نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"گھر کے لوگ بولے خدا کی قسم آپ ابھی تک پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں"۔

" ضلالك القديم" کا ترجمہ "پرانے خبط" سیاق و سباق کے اعتبار سے صحیح تر ہے اور یہ ترجمہ حضرت سعید ابن جبیر کے " انه الجنون کے مطابق ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کفار "ساحر و مجنون" کہتے تھے۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر والوں نے آپ کیلئے "ضلال" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اس کا ترجمہ "غلطی" یا "خبط" کرنے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی عصمت و عظمت پر حرف نہیں آتا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس کا خود بھی اندیشہ تھا کہ: لاجد ريح يوسف ۔ میں جو یوسف کی خوشبو (کنعان میں بیٹھے ہوئے) محسوس کررہا ہوں تو تم میرے گھر والے کہیں یوں نہ کہنے لگو: لو لا ان تفندون ۔ "میں بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں......"[1] "تفندون" کے معنی اکابر مفسرین نے تجهلون، تسفهون، تكذبون، انكار العقل من هرم بیان کئے ہیں اور یہ بھی.... لو لا ان تقولو! ذهب عقلك" تم کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ (اے بڑے میاں) تمہاری عقل جاتی رہی ہے۔

۱۰۔ و وجدك ضالًا فهدى ۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"اور پایا تجھ کو بھٹکتا ہوا پھر راہ سجھائی۔"

اس پر فاضل مصنف نے یہ اعتراض وارد کیا ہے:

"گویا معاذ اللہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھٹکے ہوئے تھے۔

---

[1] ترجمہ مولانا مودودی۔

حالانکہ یہ بات امت کے اجتماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے وہی ترجمہ کیا ہے جو شان نبوت کے شایان شان ہے اور آپ نے لکھا ہے :

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔"

مولانا احمد رضا خان صاحب نے "اپنی محبت میں" جو ترجمہ کیا ہے یہ اس آیت پر اضافہ ہے۔ اب رہا "خود رفتہ" تو "بھٹکے ہوئے" کے مقابلہ میں یہ لفظ نرم ضرور ہے مگر فرہنگ، آصفیہ میں "خود رفتہ" کے یہ معنی لکھے ہیں :

"آپے سے باہر، مدہوشی و بے خبری"

اس اعتبار سے "خود رفتہ" میں بھی خاصی حد تک وہی معنی موجود ہیں جسے بقول مصنف مولانا احمد رضا خان منصب نبوت کے شایان شان نہیں سمجھتے۔ مولانا محمود حسن نے "ضالاً" کا ترجمہ "گمراہ" نہیں "بھٹکتا ہوا" کیا ہے۔ جس کی معقول تاویل یہ ہے کہ راہ حق کی تلاش میں حضور سرگرداں تھے۔ کوئی یوں کہے :

"میں تمہاری تلاش میں کہاں کہاں بھٹکتا پھرا ہوں۔ تب کہیں جاکر تمہارا مکان ملا ہے۔"

تو اس جملہ میں "بھٹکنے پھرنے" سے گمراہ اور بے راہ روی مراد نہیں ہے بلکہ سعی جستجو مراد ہے۔ مولانا مودودی نے یوں ترجمہ کیا ہے :

"اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت کی۔"

اس آیت میں اور ما کنت تدری ما الکتب ولا الایمان اور "وان کنت من قبله لمن الغافلین "...... میں جو کچھ کہا گیا ہے اس لحاظ سے "ناواقف راہ" ترجمہ موزوں تر ہے۔ مودودی صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے۔

> "اصل میں لفظ ضالاً استعمال ہوا ہے عربی زبان میں۔ یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے ایک معنی گمراہی کے ہیں۔ دوسری معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص راستہ نہ جانتا ہو اور ایک جگہ حیران کھڑا ہو کہ مختلف راستے جو سامنے ہیں ان میں سے کدھر جاؤں۔"

صحیح راستہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اس اضطراب و حیرانی کو "ضالاً" فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ محبت و شفقت کے انداز میں فرماتا ہے کہ "فهدى"

یعنی یہ راہ تم نے اپنی فکر و عقل سے نہیں پائی اور نہ کسی دوسرے شخص نے آپ کی رہنمائی کی بلکہ یہ راہ اے نبی ہم نے تم کو سجھائی ہے۔

۱۱۔ " حتی اذا ستایئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا (پارہ ۱۳ ... رکوع ۶)

ترجمہ مولانا اشرف علی: یہاں تک کہ پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہوگئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہوگیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی۔

ترجمہ مولانا محمود حسن: یہاں تک کہ جب نا امید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔

ان ترجموں پر ملک اعوان صاحب کی گرفت۔

> "زیر تراجم پر نظر ڈلیئے۔ پہلی چیز جو ابھر کر سامنے آتی ہے وہ "اذاستایئس الرسل" کا ترجمہ مولانا تھانوی صاحب نے صاف لکھ دیا کہ پیغمبر تائید ربانی سے مایوس ہوگئے حالانکہ انبیاء کرام کا تائید خداوند سے مایوس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......"

مولانا تھانوی نے ترجمہ کے قوس میں "اس بات سے" جو لکھا ہے تو اس سے یہ مفہوم کہاں نکلتا ہے وہ تائید ربانی سے واقعی مایوس ہوگئے تھے۔

> "مولانا محمود الحسن نے "مایوس ہوگئے" کی متذکرہ بالا صورت سے بچنے کیلئے "نا امید ہونے لگے" لکھا ہے۔ گویا نا امیدی کا صدور تو نہ ہوا لیکن نا امید ہونے والے ضرور تھے۔ اس میں بھی پیغمبروں کی تائید ربانی سے مایوس ہونے کا امکان ہے۔"

مولانا محمود حسن کے ترجمہ سے یہ کہاں ظاہر و مترشح ہوتا ہے کہ انبیاء کرام نصرت الٰہی سے نا امید ہونے لگے تھے۔

> "یہاں تک کہ جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا۔" (ترجمہ مولانا احمد رضا خان)

اس ترجمہ کی فاضل مصنف نے بہت تعریف کی ہے...... لگے ہاتھوں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ترجمہ بھی ملاحظہ کیجئے:

جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہوگئے اور لوگوں نے بھی سمجھ لیا ان سے جھوٹ بولا گیا تھا۔"

مولانا رضا احمد خان صاحب کا ترجمہ خاصا اچھا ہے مگر "ظاہری اسباب کی امید نہ رہی" کے مقابلہ میں "لوگوں سے مایوس ہوگئے" قرآنی مفہوم و معنی سے قریب تر ترجمہ ہے۔

۱۲۔ قال ھئو لاء بنتی ان کنتم فعلین ۔ (الحجر:۷۱)

"بولا یہ حاضر ہے میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے"۔ (ترجمہ مولانا محمود حسن)۔

لوط نے فرمایا کہ یہ میری بہو بیٹیاں موجود ہیں اگر تم (میرا کہنا) کرو"۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی)۔

"کہا یہ قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہے۔" (ترجمہ مولانا احمد رضا خان)۔

فاضل مصنف نے مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجموں پر احتساب کیا ہے۔

> "پہلے دونوں تراجم سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب لوط علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کو بچانے کیلئے اپنی بیٹیاں پیش کر دی تھیں۔ حالانکہ یہ بات ایک اولو العزم پیغمبر تو کجا کسی بھی شریف آدمی کو زیب نہیں دیتی......"

مولانا اشرف علی تھانوی نے ترجمہ کے قوسین میں جو (میرا کہنا) لکھا ہے اس کے بعد ان کے ترجمہ پر وہ اعتراض درست نہیں قرار پاتا جو مصنف نے کیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے "میرا کہنا کرو" کا یہی مطلب ہے کہ غیر فطری عمل کو چھوڑ کر طبعی شہوت کی تسکین کیلئے جائز طریقہ اختیار کرو اور جائز طریقہ نکاح ہی ہوسکتا ہے۔ نبی کا "کہنا" کسی غیر شرعی فعل کیلئے نہیں ہوسکتا۔ ہاں! مولانا تھانوی نے قوسین میں "بہو" جو تحریر کیا ہے یہ وجدان میں خاصی کھٹک پیدا کرتا ہے۔ اس پر فاضل مصنف کی نگاہ نہیں گئی۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن نے لفظی ترجمہ کیا ہے...... عبداللہ یوسف علی نے ترجمہ میں (to marry) قوسین میں لکھ دیا ہے۔

He said: They are my daughters (to marry)
If you must act (so).

"اس نے کہا اگر ایسا کرنا ہی ہے تو میری لڑکیاں شادی کیلئے حاضر ہیں۔

یہ ترجمہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ سے موزوں تر اور صحیح تر ترجمہ ہے۔ اس کے بعد "قوم کی عورتیں میری بیٹیاں" لانے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر مولانا احمد رضا خان نے جو ترجمہ کیا ہے:

"کہا یہ قوم کی بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہے۔"

مگر وہ لوگ جس فعل بد کے عادی تھے اس کے لحاظ سے "اگر تمہیں کرنا ہے" کے ترجمہ میں بھی کھٹک باقی رہتی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کی بیٹیوں کیلئے کہا ہو یا اپنی بیٹیوں کیلئے دونوں معنی اس آیت سے نکل سکتے ہیں اور " ان کنتم فاعلین سے تسکین شہوت کا جائز ذریعہ مراد ہے۔ سورۃ ھود میں بھی اس کا ذکر آچکا ہے اور " ھن اطھر لکم فرمایا گیا ہے۔ مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمے لفظی ترجمے ہیں۔ اس لئے غلط نہیں ہیں۔

۱۳۔ وعصی آدم ربہ فغوی (طہ:۱۲۱) آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی۔ پس گمراہ ہوئے (ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)..... فاضل مصنف نے اس ترجمہ پر احتساب کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "نافرمانی" اور "گمراہی" یہ دونوں افعال عصمت انبیاء کے نقیض ہیں۔ اس کے مقابلے میں اعلیٰ حضرت بریلوی نے قرآن کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ لغت کے خلاف بھی نہیں گئے اور عصمت انبیاء پر بھی حرف نہیں آنے دیا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ پڑھئے:

"اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔"

انبیاء کرام کی عصمت اپنی جگہ مسلم ہے۔ مگر انبیاء کرام کی عصمت و عظمت کا محافظ اور صحیح قدر شناس اللہ تعالیٰ ہے' بندے نہیں ہیں۔" عصی " اللہ نے فرمایا ہے جس کے معنی "نافرمانی" لغت اور سیاق و سباق کی رو سے درست ہیں۔ شیطان نے میاں بیوی (حضرت آدم و حضرت حوا) کے دل میں وسوسہ پیدا کیا اور اس کا داؤ چل گیا؟ مولانا احمد رضا خان نے " عصی " کا جو ترجمہ "لغزش" کیا ہے اسے غلط تو نہیں کہہ سکتے مگر "لغزش" عربی کے لفظ

"زلت" کا ترجمہ ہے۔ ان کے ترجمہ کا دوسرا جزو ہے (تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی) اس میں اگرچہ خاصا تکلف پایا جاتا ہے مگر ہم اس پر گرفت نہیں کریں گے لیکن "فغوی" کا ترجمہ "بھٹک گئے" یا "اللہ کی راہ اطاعت سے بے راہ ہوگئے" بھی صحیح ترجمہ (یا ترجمانی) ہے۔

۱۴۔ "فظن ان لن نقدر علیه (الانبیاء :۸۷)۔

ترجمہ مولانا محمود حسن :"پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو۔"

اس ترجمہ کو درج کرنے کے بعد اعوان صاحب لکھتے ہیں :

"اس آیت میں مولانا محمود الحسن نے "نہ پکڑ سکیں گے اس کو" کے جو الفاظ لکھ دیئے ہیں ان سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ غالبا یونس علیہ السلام کا خیال تھا کہ خدا کی ذات ان پر قابو نہ پا سکے گی۔ ان جیسے جلیل القدر پیغمبر تو کجا کسی عام مسلمان کے متعلق بھی یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے مقابلہ میں خدا کی گرفت کو عاجز اور درماندہ خیال کرے۔

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے :

"تو گمان کیا (یونس علیہ السلام) نے کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔"

مولانا احمد رضا خان صاحب کا ترجمہ صحیح ہے مگر یہ نہیں ہے کہ یہ ترجمہ سب سے پہلے انہی کے ذہن میں آیا ہے۔ امام راغب اصفہانی نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں۔ اس ترجمہ کی مثال و ثبوت میں مصنف نے یہ آیت پیش کی ہے :

"یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ ویقدر ۔

"اللہ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہے اور تنگ فرماتا ہے۔"

فاضل بریلوی کا یہ ترجمہ بھی درست ہے۔ مگر اس آیت کے آخری جزو کا یہ ترجمہ بھی ہوسکتا ہے..... ویقدر (اور اللہ جس کو چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے)۔

مولانا محمود حسن کے ترجمہ (...ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو) کی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے یوں شرح کی ہے :

"یعنی یہ خیال کرلیا ہم اس حرکت پر کوئی دار و گیر نہ کریں
گے یا ایسی طرح نکل کر بھاگا جیسے کوئی یہ سمجھ کر جائے کہ ہم
اس کو پکڑ کر واپس نہیں لا سکیں گے گویا بستی سے نکل کر
ہماری قدرت ہی سے نکل گیا کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ
یونس علیہ السلام فی الواقع ایسا سمجھتے تھے۔ ایسا خیال تو ایک ادنیٰ
مومن بھی نہیں کر سکتا بلکہ غرض یہ ہے کہ صورتحال ایسی
تھی جس سے یوں منتزع ہو سکتا تھا۔ حق تعالیٰ کی عادت ہے
کہ وہ کاملین کی ادنیٰ ترین لغزش کو بہت سخت پیرایہ میں ادا
کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کئی جگہ لکھ چکے ہیں اور اس سے
کاملین کی تنقیص نہیں ہوتی بلکہ جلالت شان ظاہر ہوتی
ہے۔"

علامہ شبیر احمد عثمانی کی شرح و تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ علمائے دیوبند انبیاء کرام کی عصمت و عظمت کو اسی طرح مانتے ہیں جس طرح ماننا چاہئے۔ علمائے دیوبند یا اہل حدیث حضرات پر انبیاء کی عصمت و عظمت کو (معاذ اللہ) مجروح کرنے کا الزام غلط ہے۔

۱۵۔ "قال فعلتها اذا و انا من الضالین (پارہ ۱۹، رکوع ۶)"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: موسیٰ نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی تھی۔

مصنف کی اس ترجمہ پر تنقید:

"ضلالت کے ایک معنی راہ سے بے خبر ہونے کے بھی، آیت
زیر میں "ضالین" کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
مگر مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے "بڑی غلطی" کا مفہوم
دے دیا۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام کی عصمت پر حرف
آگیا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ پڑھئے:
"موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ
تھی۔""

مگر مولانا احمد رضا خان صاحب کے مندرجہ بالا ترجمہ سے زیادہ فصیح و

موزوں ترجمہ مولانا مودودی نے کیا ہے :

"موسیٰ نے جواب دیا اس وقت وہ کام میں نے نادانستگی میں کر دیا تھا۔"

علامہ ابن جوزی نے اپنی تفسیر میں " انا من الضالین " کے معنی من الْخَاطِئِین بھی لکھے ہیں۔ یعنی انی قتلت النفس خطاً ء ۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی ترجمہ میں " بڑی غلطی ہوگئی" لکھا ہے۔

۱۶۔ واستغفر لذنبك وللمئومنين والمئومنت (پارہ ۲۴ .... رکوع ۶)

ترجمہ مولانا محمود حسن : اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایمان دار مردوں اور عورتوں کیلئے۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیئے اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کیلئے بھی۔

جناب ملک شیر محمد خان اعوان نے ان دونوں ترجموں پر شدید اعتراض کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

> "....ترجموں میں ایسے الفاظ استعمال کئے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کو معاذ اللہ خطا کار بنا ڈالا...... کیا یہ تراجم دشمنان اسلام کے خلاف ایک مضبوط ہتھیار تھما دینے کا موجب نہیں ہوں گے۔ کیا ان تراجم سے عصمت انبیاء کا مسلمہ عقیدہ مجروح نہیں ہوتا...."

اس کے بعد انہوں نے اپنے اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا خان بریلوی) کے مندرجہ ذیل ترجمہ کی بہت کچھ تعریف کی ہے۔

"اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔"

"لذنبک" کا ترجمہ "اپنے خاصوں" کیا گیا ہے۔ جو عام مشہور و متداول ترجموں اور شرحوں سے مختلف ہے۔ پھر اس ترجمہ میں خاص مسلمانوں اور عام مسلمانوں کی تفریق بھی عجیب سی لگتی ہے۔

شیخ الہند اور مولانا تھانوی نے اس آیت کا جو لفظی ترجمہ کیا ہے وہی ترجمانی دوسرے اکابر مفسرین نے کی ہے۔ استغفر لذنبك کی تفسیر مولانا

مودودی نے یوں کی ہے۔

"اسلام نے جو اخلاق انسان کو سکھائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے رب کی عبادت و بندگی بجا لانے میں اور اس کے دین کی خاطر جان لڑانے میں خواہ اپنی حد تک کتنی ہی کوشش کرتا رہا ہو اس کو کبھی اس زعم میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ جو کچھ مجھے کرنا تھا وہ میں نے کر دیا ہے بلکہ اسے ہمیشہ یہی سمجھتے رہنا چاہئے کہ میرے مالک کا جو مجھ پر حق تھا وہ میں ادا نہیں کر سکا ہوں اور ہر وقت اپنے قصور کا اعتراف کر کے اللہ سے یہی دعا کرتے رہنا چاہئے کہ تیری خدمت میں جو کچھ بھی کوتاہی مجھ سے ہوئی ہے اس سے درگزر فرما۔ یہی اصل روح ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی "اے نبی اپنے قصور کی معافی مانگو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام بندگان خدا سے بڑھ کر جو بندہ اپنے رب کی بندگی بجا لانے والا تھا اس کا منصب بھی یہ نہ تھا کہ اپنے کارنامے پر فخر کا شائبہ تک اس کے دل میں راہ پائے بلکہ اس کا مقام بھی یہ تھا اپنی ساری عظیم القدر خدمات کے باوجود اپنے رب کے حضور اعتراف قصور ہی کرتا رہے۔ اسی کیفیت کا اثر تھا۔ جس کے تحت رسول اللہ ﷺ ہمیشہ بکثرت استغفار فرماتے رہتے تھے۔ ابوداؤد، نسائی اور مسند احمد کی روایت میں حضور کا یہ ارشاد منقول ہوا ہے کہ "میں ہر روز سو بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں"۔

تفسیر ابن کثیر میں حضور کی دو دعائیں درج کی گئی ہیں۔ ایک دعا کا ترجمہ یہ ہے:

"اے اللہ میں نے جو کچھ گناہ پہلے کئے ہیں اور جو کچھ پیچھے کئے ہیں اور جو چھپا کر کئے ہیں اور جو ظاہر کئے ہیں اور جو زیادتی کی ہے جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے بخش دے تو ہی میرا اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔"

و استغفر لذنبك.... (پارہ ۲۶ رکوع ۶) اور " انا فتحنالك.... ما تقدم من ذنبك وما تاخر (پارہ ۲۶... رکوع ۹) کے ترجمہ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے "استغفار" اور "ذنب" یعنی خطا کی نسبت۔ اکثر و بیشتر مفسرین اور مترجمین نے اختیار کی ہے۔ بعض اکابر مفسرین نے لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد " لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت و عظمت واضح ہوتی ہے۔ دنیا میں کسی انسان یہاں تک کہ کسی نبی کیلئے بھی یہ نہیں کہا گیا کہ تمہاری اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی گئی ہیں...... ابرار کے تسامحات ہماری نیکیوں سے بڑھ کر پاکیزہ ہوتے ہیں۔ قرآن شریف میں یہ الفاظ جو آئے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے مقام تقدیس و تقویٰ کی نسبت سے آئے ہیں۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

ان تمام تصریحات کے بعد عرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خطاکار اور گناہ گار سمجھنے والا کافر ہے۔ حضور ﷺ کی تو یہ شان ہے کہ حشر کے دن گناہ گار حضور ﷺ کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ اس کے باوجود حضور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے بے نیاز نہ تھے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے میری مغفرت ہوگی۔ اور حضور کا استغفار حضور ﷺ کے مرتبہ کے لحاظ سے ہے۔ جہاں " ترک اولیٰ" سے بھی خطاؤں کی طرح استغفار کیا جاتا ہے۔

فاضل مصنف کے ذہن میں انبیاء کرام کی عصمت کا تصور اور عقیدہ واضح نہیں ہے۔ "عصمت تنزیہی" جہاں سہو و خطا کا امکان ہی نہ ہو یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے۔ انبیاء کرام اس لحاظ سے معصوم ہیں کہ ان نفوس قدسیہ (علیہم السلام) سے ہوائے نفس کے تحت کسی غلطی کا صدور نہیں ہوا۔ ہاں! دین ہی کی خیر خواہی کیلئے کبھی کبھار " ترک اولیٰ" یا تسامح ہوگیا۔ اور اس قسم کے تسامحات کا ذکر کتنے ہی انبیاء کے حالات بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔ "سہو و تسامح" قادح نبوت نہیں ہے جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کسی نبی و رسول سے کوئی تسامح سرزد ہی نہیں ہوسکتا۔ ایسے لوگ نبیوں

اور رسولوں کو "سبوح و قدوس" سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم دو ٹوک انداز میں بعض انبیاء کرام کے تسامحات کا ذکر کرتا ہے اور ان تسامحات پر انبیاء کرام کی توبہ و انابت اور استغفار کا بھی ذکر آیا ہے۔

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر سے واپس تشریف لائے تو قوم کو گوسالہ پرستی میں مشغول پایا۔ حضرت موسیٰ کا یہ گمان اور اندازہ صحیح نہ تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے گوسالہ پرستی سے قوم کو روکنے میں ڈھیل برتی ہے۔ حضرت موسیٰ نے غضبناک ہوکر حضرت ہارون کے سر کے بال کھینچے۔ حضرت ہارون بولے کہ آپ اس طرح دشمنوں کو ہنسنے کا موقع دے رہے ہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ نے توبہ کی اور اپنے اس تسامح کی جس کا سبب غیرت توحید تھی اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی...... حضرت یونس علیہ السلام کیلئے تو قرآن کریم میں "ملیم" جیسا شدید لفظ آیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی کوتاہی بھی شدید تھی۔

قرآن نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے عمائد اور صنادید کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ اتنے میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دین کی تعلیم کیلئے درخواست کی۔ حضور ﷺ نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اس درخواست کو دعوت دین میں دخل اندازی خیال فرمایا اور چہرۂ اقدس سے ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

عبس وتولی ان جاءہ الاعمی وما یدریك لعله یزکی او یذکر فتنفعه الذکری اما من استغنی فانت له تصدی وما علیك الا یزکی واما من جاءك یسعی وهو یخشی فانت عنه تلهی

ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ وہ نابینا اس کے پاس آگیا۔ تمہیں کیا خبر شاید وہ سدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کیلئے نافع ہو؟ جو شخص بے پروائی برتتا ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی کیا ذمہ داری ہے؟ اور جو خود تمہارے پاس

دوڑا آتا ہے اور وہ ڈر رہا ہوتا ہے
اس سے بے رخی برتتے ہو۔

ابن ام مکتوم ﷺ اس واقعہ کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضور محبت کے لہجے میں فرماتے: مرحبا بمن عاتبني فيه ربي (اس شخص کیلئے خوشخبری جس کے بارے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ "عتاب" ایسے ہی فعل پر ہے جو قابل احتساب سمجھا گیا اور اس پر احتساب فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا حضور کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فرمانا: وما يدريك لعله يزكى۔

"(اے نبی) تمہیں کیا خبر شاید وہ سدھر جائے"...... رسول اللہ ﷺ کے "عالم غیب" ہونے کی صریح طور پر نفی کرتا ہے۔

عفا الله عنك لم اذنت لهم...... (اے نبی اللہ تمہیں معاف کرے تم نے کیوں انہیں رخصت دے دی...... (التوبہ: ۴۳) معافی کس چیز کی ہوتی ہے؟..... فافهم فتدبر "منافقین کو رخصت دینا" کوئی گناہ نہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور اس نرمی پر تنبیہہ کی گئی۔ مگر بر ہمی نہیں شفقت آمیز انداز میں۔

قرآن کریم میں انبیاء کرام کی لغزشوں کے ذکر و بیان سے ان نفوس قدسیہ کی عصمت و عظمت پر حرف نہیں آتا۔ اس ذکر سے یہ جتانا بھی مقصود ہے کہ بندہ چاہے نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو الوہی تقدیس کا حامل نہیں ہو سکتا۔ اور جو لوگ انبیاء کرام سے الوہی صفات منسوب کرتے ہیں وہ قرآن کی مخالفت کرتے ہیں۔ انبیاء کرام کے ان تسامحات کے بیان سے یہ بھی مقصود ہے کہ بشری تقاضے نبیوں اور رسولوں کے ساتھ بھی لگے ہوئے تھے۔ مگر عام انسانوں اور انبیاء و رسل کے شئون و احوال میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم سے دن رات گناہوں کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ ہم فسق و فجور کی پستی تک بھی پہنچ جاتے ہیں اور ہوائے نفس سے دل و دماغ مغلوب رہتے ہیں۔ انبیاء کرام سے ہوائے نفس کے تحت کوئی تسامح نہیں ہوا۔ اس لئے وہ معصوم ہیں۔ ہم سراپا گناہ' انبیاء کرام سراپا تقویٰ' ہم ہفتوں' مہینوں بلکہ برسوں تک گناہوں اور غلطیوں پر جمے رہتے ہیں' انبیاء کرام کی لغزش و تسامح پر اللہ تعالیٰ نے بروقت گرفت فرمائی اور فوراً

معاملہ درست ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کو کسی تسامح پر جمنے نہیں دیا اور ان تسامحات کی نوعیت بھی شاذ و نادر کی ہے...... "النادر کالمعدوم" انبیاء کرام کے بارے میں یہ قرآنی عقیدہ رکھتے ہوئے کہ کبھی کبھار ان سے تسامح ہوا ہے۔ انبیاء کرام سے سوء ظن کفر ہے۔ بریلوی حضرات انبیاء کرام سے سہو و تسامح کے صدور کو محال ناممکن اور انبیاء کرام کی عصمت کے منافی سمجھتے ہیں تو ان کی یہ مفرط عقیدت قرآن کے مطابق نہیں ہے۔

۱۷۔ "والنجم اذا ھوی"

ترجمہ مولانا محمود حسن: "قسم ہے تارے کی جب گرے۔"

اس ترجمہ پر فاضل مصنف نے تنقید کی ہے۔

"مولانا محمود الحسن کے ترجمہ میں ستارے گرنے کا بیان ہے جس کی کنہ و حقیقت تک پہنچنا عام قاری کیلئے ناممکن حد تک مشکل ہے۔"

نیز اس ترجمہ سے کلام خداوندی کی جامعیت و بلاغت اور مقام مصطفیٰ کی رفعت و عظمت بھی واضح نہیں ہوتی۔ لیکن اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ایسا جامع، واضح اور بلیغ ہے کہ کوئی انصاف پسند اہل ذوق داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ترجمہ انتہاء درجہ کی عقیدت و محبت کا مرقع نظر آتا ہے۔ "نجم" کے مطلب کے ساتھ اس کی مراد بھی واضح ہوگئی ہے۔ چونکہ سورۃ "والنجم" میں حضور ﷺ کی سیر آسمانی (معراج جسمانی) کا ذکر ہے اس لئے (متذکرہ ترجمہ کے مطابق) ذکر معراج ہی سے ابتدا کی گئی ہے......"

مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ترجمہ:

"اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔"

فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ یہی تفسیر:

"امام جعفر سے منقول ہے۔ (کما في المظھری والمعالم وغیرھما) مگر اکابر مفسرین کی اکثریت غالب نے "النجم" کو "ستارہ" (Star) ہی سمجھا ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور سفیان ثوری نے "النجم" سے ثریا مراد لیا ہے

اور سدی نے "زہرہ" ابن جریر اور زمخشری نے "ثریا" کی تائید کی ہے اور ابوعبیدہ نحوی نے "النجم" کو "جنس نجوم" سمجھا ہے۔ امام راغب اصفہانی کی "مفردات القرآن" میں "والنجم" "اذا ھویٰ" کے یہی معنی لکھے ہیں :

"تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے۔" (گویا آٹھ جلیل القدر آئمہ تفسیر نے نجم سے تارا ہی مراد لیا ہے۔)

"مفردات" میں "النجم" کی شرح و معنی میں ذات رسالت ماب صاحب معراج کی طرف کہیں اشارہ تک نہیں کیا۔ اگر حضرت امام جعفر صادق ؓ کا قول روایت و درایت کے اعتبار سے اکثر اکابر مفسرین کے نزدیک مستند ہوتا تو وہ اس کو ضرور قبول کر لیتے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے "النجم" کا ترجمہ "تارہ" صحیح کیا ہے۔ اس میں ذرہ برابر قباحت نہیں ہے۔ "نجوم" تو صحابہ کرام تھے۔ حضور آفتاب تھے۔

جہاں تک غلطی، لغزش اور تسامح کا تعلق ہے اس سے کوئی انسان محفوظ نہیں ہے۔ ہر بڑے سے بڑے ادیب، عالم، شاعر اور اہل قلم سے تصنیف و تالیف اور ترجمہ میں غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے غلطیوں کی نوعیت کمیت و کیفیت کے اعتبار سے کیا ہے؟

یہ تاثر جو کتابوں کے ذریعہ عوام و خواص کو ان دنوں دیا جارہا ہے کہ بریلوی مکتبہ فکر کے علماء تو رسول اللہ ﷺ کی عصمت و عظمت کے محافظ ہیں اور دیوبندی اور اہل حدیث علماء (معاذ اللہ) حضور کے رتبہ کو گھٹاتے ہیں...... کسی طرح درست نہیں ہے۔ جو حضرات حق پسند ہیں اور تحقیق کا بھی ذوق رکھتے ہیں ان کو چاہئے دیوبندی علماء کی کتابیں پڑھیں اور کتابوں کے مطالعہ سے حقیقت حال واضح ہو جائے گی۔

مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے :

۱) وانک لعلی خلق عظیم (القلم...... کنزالایمان : ص ۸۱۹)

اور بے شک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔

"خلق" میں جو جامعیت ہے وہ "خوبو" میں نہیں ہے۔ پھر "خوبو" کو "بڑی شان کی" کہنا بھی محل نظر ہے۔ اس شخص کا اخلاق اچھا نہیں ہے...... یہ روز مرہ ہے۔ یوں نہیں بولا جاتا "اس شخص کی خوبو اچھی نہیں ہے"۔ اس میں

خاصہ تکلف پایا جاتا ہے۔

۲) فاذا مس الانسان ضر دعانا (الزمر)

"پھر آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں بلاتا ہے۔ (کنزالایمان ص ۶۷۱)

"ہمیں پکارتا ہے" صحیح ترجمہ ہے۔ اس طرح تو بولتے ہیں.... لوگو! اللہ سے دعا کرو، اپنے رب کو پکارو، اس سے فریاد، التجا اور استغاثہ کرو......اس طرح کوئی نہیں بولتا.... لوگو! اللہ کو بلاؤ۔

۳) ......او ارادنی برحمة هل هن ممسكت رحمته۔

"..یا وہ مجھ پر مہر فرمانا چاہے تو کیا وہ اس کے مہر کو روک دیں گے۔" (کنز الایمان ص ۶۶۹، الزمر)۔

اردو میں فضل و کرم، رحمت اور مہربانی کی بجائے "مہر" بولنے اور لکھنے کا رواج نہیں ہے۔ "آپ کی مہربانی کا شکریہ" بولا جاتا ہے۔ "آپ کے مہر کا شکریہ" نہیں بولا جاتا۔

۴) ليتخذ بعضهم بعضاً سخريا (الزخرف)

کہ ان میں ایک دوسری کی ہنسی بنائے۔ (کنزالایمان ص ۷۱۱)

"ہنسی بنانا" نہ روز مرہ ہے اور نہ محاورہ ایسے موقعوں پر "ہنسی اڑانا" بولتے ہیں۔

۵) هدى للمتقين اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔

"متقین" کا ترجمہ "ڈر والوں" عجیب سا لگتا ہے۔ جو خاصہ کمزور ترجمہ ہے۔ دوسرے مقامات پر مولانا احمد رضا خان نے "متقین" کا ترجمہ پرہیز گاروں کیا ہے اور یہی صحیح ترجمہ ہے۔

۶) الحمد لله رب العالمين۔

سب خوبیاں اللہ کو جو مالک ہے سارے جہان کا۔

مفردات راغب اصفہانی اور دوسری لغات اور تفاسیر میں "حمد" کے معنی "ثنا" یعنی تعریف کے بیان کئے گئے ہیں۔ عبداللہ یوسف علی نے بھی "حمد" کا ترجمہ "Praise" ہی کیا ہے۔ پھر "رب" کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ "رب" ہی رہنے دیتے اور ترجمہ کرنا تھا تو "پالن ہار..... یا پالنے والا" کرنا چاہئے تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی "ربوبیت" کا اظہار فرمایا ہے۔

میں "مالک" ہونے کا مفہوم بھی شامل ہے۔...... پھر "کو" کے بعد "سزاوار ہیں" اسی قسم کے کسی "ٹکڑے" کی تشنگی محسوس ہوتی ہے۔

۷) فھی کالحجارۃ او اشد قسوہ۔

تو وہ پتھروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کرے' (البقرہ: ص ۱۸)

راقم الحروف نے بچپن میں "سخت" کے معنی میں "کرا" اپنے گاؤں اور اس کے نواح میں سنا تھا۔ مگر یہ بولی ٹھولی ہے۔ کتاب و تحریر میں "کرا" استعمال نہیں ہوتا۔ یہاں قسوہ کا ترجمہ "سخت" مناسب اور عام فہم تھا۔

۸) وعلی ابصارھم غشاوہ۔

اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے۔

"گھٹا ٹوپ" تو پالکی اور پینس وغیرہ کے اس غلاف کو کہتے ہیں جو گرد و غبار یا بارش سے بچنے کیلئے ڈالتے ہیں۔

گھٹا ٹوپ اس پری کی پالکی کا جب ہوا اوچھا
تو پاٹ ایک اس میں لے کر چادر مہتاب کا جوڑا
(انشاء)

دوسرے معنی نہایت سیاہ کے ہیں۔

باغ پر آج گھٹا ٹوپ اٹھا ہے بادل
خسرو باد بہاری کا کھنچا دل بادل
(نور اللغات)

سیدھا سادہ ترجمہ "ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے" یا "پٹی بندھی ہوئی ہے" کرنا تھا۔

۹) فساء مطر المنذرین ○

"تو کیا ہی برا برساؤ تھا ڈرائے گیوں کا (کنزالایمان ص ۵۴۱' الشعراء)۔

"ڈرائے گیوں کا" یہ آخر کس خطہ کی زبان ہے؟

۱۰) رب نجنی و اھلی مما یعملون ○

اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کام سے بچا (الشعراء ص ۵۴۱' کنز الایمان)

"کام" کی جگہ "کرتوتوں" ترجمہ ہوتا تو قرآنی مفہوم کی قریب تر ترجمانی

ہوتی۔

۱۱) کان فی اذنیہ وقرا۔

جیسے اس کے کانوں میں ٹینٹ ہے۔ (کنز الایمان' لقمن ص ۵۹۶)۔

"ٹینٹ" تو کریل کے اور کپاس کے پھل کو کہتے ہیں یا آنکھ کا وہ ابھرا ہوا دانہ جو کریل کے پھل جیسا ہوتا ہے۔ کان میں جو میل جم جاتا ہے گاؤں والے اسے "ٹینٹ" نہیں "ٹھیٹ" کہتے ہیں۔ "وقرا" کا ترجمہ "گرانی" صحیح ترجمہ ہے اور اس آیت کا بامحاورہ ترجمہ ہے: "جیسے اس کے دونوں کان بہرے ہیں۔"

۱۲) وان تعاسرتم فسترضع لہ اخری۔

پھر اگر باہم مضائقہ کرو تو قریب ہے اسے اور دودھ پلانے والی مل جائے گی۔ (کنز الایمان ص ۸۱۱ الطلاق)۔

"تعاسرتم" یعنی ضد کرنے یا تنگ کرنے کیلئے "مضائقہ کرو" استعمال کیا گیا ہے۔ اردو میں "مضائقہ کرنا" نہیں بولا جاتا۔ اگرچہ یہ لفظ "ضیق" سے مشتق ہے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ قرآن (کنز الایمان) کا ہم نے تقریباً دو گھنٹہ مطالعہ کیا۔ اس میں ترجمہ کے اتنے مقامات پر وجدان نے کھٹک محسوس کی اگر پورے ترجمہ قرآن کو پڑھنے کا موقع ملے تو......!

مولانا احمد رضا خان صاحب چونکہ رسول اللہ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے اس لئے انہوں نے "کنز الایمان" میں "النبی" کا ترجمہ غیب کی خبریں دینے (یا بتانے) والے کیا ہے۔ "نبی" کے معنی غیب کی خبریں بتانے والے کے بھی ہیں مگر اردو میں اس کا ترجمہ پیغمبر کیا جاتا ہے یا پھر "نبی" ہی ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے غیب کی خبریں بھی بتائی تھیں اور صحیح پیش گوئیاں بھی فرمائی تھیں۔ نبیوں اور امتیوں کے گزرے ہوئے واقعات کی بھی خبر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے احکام بھی بیان کئے تھے۔ لہٰذا "نبی" کا ترجمہ غیب کی خبر دینے والے کرنے سے ذات رسالت مآب کیلئے "علم غیب" کے عقیدے کو قوت ملتی ہے۔ جس کی قرآن کریم تائید نہیں کرتا۔

ایصال ثواب جائز ہے اور زیارت قبور بھی مگر عرس' تیجا' دسواں' بیسواں' چالیسواں' ذکر ولادت کے وقت قیام' اس قسم کی رسموں کیلئے کتاب و سنت اور

آثار صحابہ میں کوئی نظیر اور سند نہیں ملتی۔ حدیث صحیح میں قبروں پر چراغ جلانے والوں کیلئے لعنت آئی ہے۔ قبروں پر چراغاں، گل پوشی، صندل، مالی اور ان پر چادریں چڑھانے کی رسم دور نبوت اور عہد صحابہ بلکہ صدیوں بعد تک ان رسوم و معاملات کا کہیں اتا پتا نہیں ملتا۔ یہ کھلی ہوئی بدعات ہیں۔

"غیب" صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو "جز" کا نہیں "کل" کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بے شک غیب کی خبریں بتائی گئی تھیں۔ جب غیب بتا دیا گیا تو وہ "غیب" نہیں رہا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود کو "عالم الغیب والشہادہ" فرمایا ہے۔ اگر علم غیب کی اطلاع کا نام "غیب" ہے تو پھر ساری امت "عطائی عالم الغیب" قرار پائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو غیب کی خبریں بتائیں اور حضور ﷺ نے ان کی اطلاع امت کو کر دی۔

مشکواۃ کے باب "اعلان النکاح" میں ہے...... کہ ایک شادی میں ایک لڑکی نے جب یہ کہا:

وفینا نبي یعلم ما في غد۔

ہم میں ایک نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔

اس پر حضور نے تنبیہہ کے انداز میں فرمایا:

دعی ھذا وقولي بالذی کنت تقولین۔

یہ بات چھوڑ دے اور وہی کہہ جو کہتی تھی۔

اخرج البخاری عن ام العلاء الانصاریہ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ادری واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم...... قسم ہے اللہ کی میں نہیں جانتا، پھر قسم ہے اللہ کی میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ کیا معاملہ ہو گا میرے ساتھ اور کیا معاملہ ہو گا تمہارے ساتھ۔

قرآن کریم کیا کہتا ہے:

وممن حولکم من الاعراب منفقون ومن اھل المدینۃ (قف) مردوا علی النفاق (قف) لا تعلمھم نحن نعلمھم۔

"تمہارے آس پاس بادیہ نشینوں میں منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ (اے نبی) انہیں تو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام رحمتہ للعالمین ہیں' سراج منیر ہیں' خاتم النبیین اور شفیع المذنبین ہیں۔ حضور ﷺ کی اطاعت منصوص ہے۔ انسانیت کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ آخری اور قطعی معیار ہے۔

محمد عربی کا بروئے ہر دو سراست
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

حضور کی محبت اور اطاعت عین ایمان اور روح ایمان' مگر کائنات کا رب' مالک' رازق' رزق و اولاد دینے والا' ہر کسی کی آواز دور و نزدیک سے سننے والا' سب کے دلوں کا حال جاننے والا...... اللہ تعالیٰ ہے رسول اللہ ﷺ نہیں ہیں۔ کتاب و سنت میں ایک حرف بھی ایسا نہیں آیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریادرس' مجیب الدعوات اور حلال مشکلات ہونا ثابت کیا جاسکے۔

" ولسوف یعطیك ربك فترضی ۔"

(اور (اے نبی) عنقریب تمہارا رب اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔)

"یعنی اگرچہ دینے میں کچھ دیر تو لگے گی لیکن وہ وقت دور نہیں کہ جب تم پر تمہارے رب کی عطا و بخشش کی وہ بارش ہوگی کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ یہ وعدہ حضور کی زندگی میں اس طرح پورا ہوا کہ سارا ملک عرب جنوب کے سواحل سے لے کر شمال میں سلطنت روم کی شاہی اور سلطنت فارس کی عراقی سرحدوں تک اور مشرق میں خلیج فارس سے لے کر مغرب میں بحر احمر تک آپ کے زیر نگین ہوگیا...... پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ ایک جاہلیت میں ڈوبی ہوئی قوم صرف ۲۳ سال کے اندر اتنی بدل گئی ہو...... یہ کچھ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دنیا میں دیا اور آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ .

قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے:

یحلفون لکم لترضوا عنهم فان ترضوا عنهم فان الله لا یرضی عن القوم الفسقین (التوبہ)

"یہ تمہارے سامنے (اے نبی) قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ حالانکہ تم اگر ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہو گا۔"

یہ جو اہل بدعت نے "ذاتی" اور "عطائی" کی تفریق پیدا کی ہے اس تفریق کی جڑ قرآن کریم کی اس آیت نے کاٹ دی۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ۔

تو کہہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں اللہ کے اور نہ میں غیب جانتا ہوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کے دیئے ہوئے خزانے بھی نہیں ہیں! مگر مولانا احمد رضا خان فرماتے ہیں :

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

جیسے دنیا میں ایک دوست دوسرے دوست سے کہتا ہے کہ دوستی میں میرا تیرا نہیں ہوتا۔ جو تمہارا مال وہ میرا مال' ہم ایک دوسرے کے مال و اسباب اور دولت میں برابر کے شریک ہیں۔ یہی حیثیت اس شعر میں جناب فاضل بریلوی نے اللہ اور رسول کے مابین متعین کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر اور برابر کا ٹھہرایا ہے ...... معاذ اللہ!

وہی نور حق وہی ظل رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسمان کہ زمین نہیں کہ زماں نہیں
(حدائق بخشش)

اسلام کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ ہرچیز کو وجود اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔ (اللہ خالق کل شیئی) مگر مولانا احمد رضا خان فرماتے ہیں کہ "ظل رب" یعنی رسول اللہ ﷺ ہی سے "سب کچھ ہے" اور زمین و زماں اور افلاک سب رسول اللہ ﷺ کی ملک ہیں۔ حالانکہ ارض و سموات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی مدح میں مولانا فاضل بریلوی کہتے ہیں :

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث

حالانکہ ”کن فیکون“ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے :

مولانا احمد رضا خان کے صاحبزادے (یا پوتے) مولانا مصطفیٰ رضا اپنی تصنیف (شرح استمداد) میں تحریر فرماتے ہیں :

”اولیاء میں ایک مرتبہ اصحاب التکوین کا ہے جو چیز جس وقت چاہتے ہیں وہ موجود ہو جاتی ہے۔ جسے ”کن“ کیا وہی ہو گیا۔“

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

کار عالم کا مدبر اور کائنات کے کارخانہ کو چلانے والا کسی کی شرکت کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ ہے :

ولا علی الذین اذا ما اتوك لتحملهم قلت لا اجد ما احملکم علیه تولوا وّ اعینهم تفیض من الدمع حزنا، الا یجدوا ما ینفقون (التوبہ)

اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض کا موقع نہیں ہے جنہوں نے خود آکر (اے نبی) تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لئے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ اپنے خرچ پر شریک جہاد ہونے کی قدرت نہیں رکھتے۔

مولانا احمد رضا خان کا یہ عقیدہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو اللہ نے سب کچھ اختیار دے دیا ہے جو کوئی شیخ سے استغاثہ کرتا ہے اس کی فریاد سنتے ہیں۔ (یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ شیئاً للہ)۔

مگر صحابہ کرام جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ہر اعتبار و لحاظ سے افضل تھے ان کی مجبوری اور ناداری کا یہ عالم ہے کہ غزوہ میں شریک ہونے کیلئے ان کے پاس سواریاں تک نہیں ہیں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کیلئے سواریوں کا انتظام نہیں فرما سکے۔ اپنی اس ناداری پر صحابہ کرام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

مولانا الطاف حسین حالی نے اسی مکتبہ فکر و خیال کے عقائد و اعمال کی تصویر کشی کی ہے :

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو چاہیں خدا کر دکھائیں اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے
وہ دین جس سے توحید پھیلی جہاں میں ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں وہ بدلا گیا آ کے ہندوستان میں
ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

دین و دانش کی کتنی دردناک ٹریجڈی ہے کہ جو خدا کے نیک بندے توحید و سنت کی دعوت دیتے ہیں ان کو تو بے ایمان اور گمراہ ٹھہرایا جاتا ہے اور جو علماء بدعات کے مبلغ ہیں اور اللہ کے بندوں سے الوہی صفات منسوب کرتے ہیں اور جن کے عقائد سے توحید مجروح ہوتی ہے ان کے فضل و کمال پر کتابیں چھپ رہی ہیں کہ دین کے یہ حقیقی محافظ اور ترجمان ہیں!

ع خرد کا نام جنون پڑ گیا جنون کا خرد

اور

ع اب اس سے پست معیار مذاق عام کیا ہوگا

تبصرہ بر "ضیائے کنز الایمان"

فاران، اگست ۱۹۷۶ء

مرتبہ: مولانا غلام رسول سعیدی، ضخامت ۵۵ صفحات، بتیس پیسے ٹکٹ بھیج کر یہ کتابچہ مرکزی مجلس رضا، نوری مسجد بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مرکزی مجلس رضا لاہور...... یہ ادارہ اس غرض سے وجود میں آیا ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے عقائد و افکار ملک کے طول و عرض میں پھیلائے جائیں اور خود مولانا فاضل بریلوی کی شخصیت کو متعارف اور نمایاں کرنے کیلئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں کتابیں چھاپی جائیں اور منظم پروپیگنڈے کے ذریعہ مسلمانوں کے دل و دماغ پر اس خیال کو مسلط کر دیا جائے کہ گزشتہ سوا سو برس کی مدت میں مولانا بریلوی سے بڑا کوئی عالم و فاضل پیدا نہیں ہوا۔ اہل حدیث، علمائے دیوبند، ندوۃ العلماء اور جماعت اسلامی نے تو دین کو بگاڑا ہے۔ دین کے سنوارنے کا اور خاص طور سے انبیاء کرام کے تقدس و عصمت اور اولیاء عظام کی عظمت و احترام کے تحفظ کا کارنامہ مولانا بریلوی نے انجام دیا ہے اور ہمہ شما کا کیا ذکر ہے۔ امام غزالی، رازی، ابن عربی اور سہروردی زندہ ہوتے تو مولانا فاضل بریلوی کے مدح سرا اور ستائش گر ہوتے اور ابن عابدین اور علامہ طحطاوی مولانا بریلوی سے تلمذ کی آرزو کرتے۔

پاکستان کی یہ تنظیم جو صرف اپنے گروہ کو "اہل السنت والجماعت" کہتی ہے اور اس کے تشدد کا یہ عالم ہے کہ حرمین شریفین کے واجب الاحترام اماموں کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں سمجھتی۔ وہ جب سے میدان سیاست میں آئی ہے "بریلویت" کی پورے شد و مد کے ساتھ تبلیغ کی جارہی ہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں اس تنظیم نے عرس فاتحہ اور نذر و نیاز وغیرہ کے مسائل کے نام پر ووٹ حاصل کئے ہیں اور اب منظم منصوبے کے تحت "بریلویت" کے انہی افکار و عقائد کو عام کیا جارہا ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب کی شخصیت پر قلیل

مدت میں پندرہ کتابیں آچکی ہیں۔ ان حضرات کے یہاں روپیہ پیسہ کی اس قدر بہتات ہے کہ مرکزی مجلس رضا کی مطبوعات اس ہوش ربا گرانی کے زمانے میں مفت تقسیم ہو رہی ہیں۔ وہ سنی عوام جو تعزیئے اور علم نکالتے اور قبروں پر چڑھانے کیلئے چادریں جلوس کی شکل میں لے جاتے ہیں اور اہل قبور سے مرادیں مانگتے ہیں وہ تو بریلوی علماء کے ساتھ پہلے ہی سے ہیں۔ لکھا پڑھا طبقہ ان سے بہت ہی کم متاثر تھا۔ اس کو متاثر کرنے کیلئے لٹریچر کی مہم شروع کی گئی۔ اس کوشش کا آخرت میں کیا اجر ملے گا اس کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے مگر دنیا ان حضرات کیلئے سازگار ہے۔ بے شمار فنڈ ہے' بے پناہ پروپیگنڈہ ہے اور عوام کی خاصی تعداد کا رجحان بدعات کی جانب ہے۔ سیاست میں کامیابی کیلئے یہ عوامل و ذرائع بہت کچھ اہمیت رکھتے ہیں۔

سالہا سال سے اسلامی نظام' حکومت الٰہی اور نظام شریعت یہی اصطلاحیں مسلمانوں میں معروف و مقبول رہی ہیں۔ مگر بریلوی حضرات نے اپنی انفرادیت جتانے اور منوانے کیلئے "نظام مصطفیٰ" کو اپنایا ہے۔ ملت اسلامیہ کی وحدت کے مقابلے میں اپنی تنظیم اور جمیعت و جماعت کا تشخص اور انفرادیت ان حضرات کے پیش نظر ہے۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ترجمہ قرآن کا نام "کنز الایمان" ہے۔ اس پر شگفتہ قلم ادیب جناب ملک شیر محمد خان اعوان نے شرح کنز الایمان کے نام سے ایک کتابچہ تحریر فرمایا جس میں مولانا بریلوی کے ترجمہ کی خوبیوں کو واضح کیا گیا اور شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی کے قرآنی ترجموں سے مقابلہ کرکے بتایا گیا کہ ان حضرات نے اپنے ترجموں میں بے احتیاطی برتی ہے اور ادب کو ملحوظ نہیں رکھا۔ مگر فاضل بریلوی نے احتیاط و ادب کو ملحوظ رکھا ہے۔ یہ کتابچہ تبصرے کیلئے آیا تو ماہ مارچ ۱۹۷۶ء کے "فاران" میں اس پر مفصل تبصرہ کیا گیا۔ راقم الحروف کے اس تبصرے سے برہم ہوکر "ضیائے کنز الایمان" بہ جواب آں غزل کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اس کتابچہ "ضیائے کنز الایمان" پر مولانا عنایت اللہ چشتی نے مقدمہ لکھا ہے:۔

"میں نے پوری غیر جانبداری سے اس (یعنی ماہر القادری)

کے تبصرہ کا مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انہوں نے وقت، کاغذ اور سیاہی کا بڑا ذخیرہ انتہائی بے دردی سے ضائع کرنے کے بعد اپنے لئے کوئی توشہ آخرت تیار نہیں کیا بلکہ اپنی گمراہی، فکر و نظر اور کجروی[1] عقیدہ کا بھونڈا مظاہرہ کیا۔ ایک ایک سطر ان کی علمی و فکری بے مائگی اور گروہی تعصب کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (ص ۵۴)۔

نیتوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ مولانا چشتی نے "فاران" کے تبصرے کا جانبداری سے مطالعہ فرمایا ہے یا غیر جانبداری سے۔ مگر ان کے مقدمہ کا تلخ لہجہ اس کی غمازی کرتا ہے کہ وہ خود گروہی تعصب میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے راقم الحروف کو جی بھر کے ملاحیاں سنائی ہیں۔ بریلوی حضرات ذات رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے نہیں بلکہ اولیاء اللہ تک سے الوہی صفات منسوب کرتے ہیں۔ جس کیلئے کتاب و سنت میں کوئی دلیل اور نظیر نہیں ملتی...... راقم الحروف نے ان کے ان فاسد عقائد پر قرآنی آیات کی روشنی میں گرفت کی ہے.... تو کیا یہ گمراہی فکر و نظر ہے؟

مولانا عنایت اللہ چشتی کے ذہن میں شاید یہ بات وہم بن کر بھی نہیں آئی ہوگی کہ ان کے "اعلیٰ حضرت" کے ترجمہ قرآن میں زبان کی غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں...... مگر راقم الحروف نے ان غلطیوں کی نشاندہی کی ہے...... میں نے اپنے تبصرے میں "عصمت انبیاء" کی تفصیل کے ساتھ تعریف کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ:

"قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ (اللہ یستهزئ، وهو خادعهم، نسيهم الله، ومكر الله) جو استعمال فرمائے ہیں وہ بلاغت کا معجزہ ہیں اور ان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ان کرتوتوں (خدع و استہزا....) کو "جزء" کی صورت میں انہی پر پلٹ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نقائص سے

---

[1] عقیدے کی کجی لکھنا چاہئے تھا۔ "روی" حشو و زاید ہے۔

پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین یأکلون اموال
الیتامی ظلما انما یأکلون فی بطونھم نارا (۴=۱۰)اس
آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے والوں کے فعل
کو ''آگ'' کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ وہ لوگ
دراصل آگ نہیں مال کھا رہے ہیں۔ اس تشبیہ میں وہ
سزا (نار) بیان کی گئی ہے جو ان کو ملے گی۔''

مولانا چشتی نے اگر قرآن کریم کی تفاسیر غور و فکر کے ساتھ پڑھی ہیں...... تو انہیں راقم کی اس قرآنی فکر کی قدر کرنی چاہئے تھی۔ مگر انہوں نے اسے ''علمی و فکری بے مائگی'' قرار دیا ہے۔ مولانا کے ہاتھ میں قلم ہے۔ ان کی تحریروں کو چھاپنے کیلئے مرکزی مجلس رضا موجود ہے۔ وہ جو چاہیں لکھ سکتے ہیں لیکن اہل علم کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے۔ راقم الحروف نے ''محاسن کنز الایمان'' پر مفصل تبصرہ کرتے وقت' کاغذ اور سیاہی کا بڑا ذخیرہ بے دردی سے ضائع نہیں کیا۔ میرے اس تبصرے کو ہر طبقہ کے علماء اور اہل نظر نے سراہا ہے۔

مولانا چشتی نے میری شاعری کے بارے میں لکھا ہے :

''اگرچہ وہ طویل عرصہ سے شعر و شاعری کی وادیوں میں بھٹک
رہے ہیں لیکن آج تک ان کی شاعری کو نہ اعلیٰ ادبی حلقوں
میں قبولیت حاصل ہوئی ہے اور نہ عوامی حلقوں میں۔''

---اور---

''...وغیرہ صف اول کے نقاد تسلیم کئے جاتے ہیں مگر ذکر تو
ماہر صاحب کا ہے جن کا شمار دسویں درجہ کے نقادوں میں
بھی نہیں ہے۔''

مولانا موصوف کی رائے کی اگر میں تردید کروں اور اپنی مدافعت میں کچھ کہوں تو خود ستائی کا الزام مجھ پر عائد ہو سکتا ہے۔ تحسین و ستائش کے ہجوم میں ایسی تنقیدیں شاعر و نقاد کے پندار پر ضرب لگاتی ہیں۔ اس لئے میں چشتی صاحب کا ممنون ہوں۔

مولانا چشتی نے طنز کی ہے کہ اب میری نعتیہ شاعری کا اور رنگ ہے۔

"اور اب دیکھئے کہ ماہر القادری صاحب شان رسالت کے انکار کے سلسلہ میں کہاں سے کہاں جا پہنچے"۔

یہ مجھ پر تہمت ہے' افترا ہے' سراسر کذب بیانی ہے۔ شان رسالت کا انکار تو کفر ہے۔ دنیا میں اس ظلم کی کس سے فریاد کروں۔ ہاں! قیامت میں شافع محشر کے حضور چشتی صاحب کا گریبان پکڑ کر عرض کروں گا کہ حضور اس شخص نے شان رسالت کے انکار کی تہمت مجھ پر جوڑی تھی۔

جہاں میں اور کہیں بھی سکوں ملے نہ ملے مگر مدینہ پہنچ کر ضرور ملتا ہے
اللہ کی ہیں آخری حجت مرے حضور سارا جہاں مجاز حقیقت مرے حضور
رسول مجتبیٰ کہئے' محمد مصطفیٰ کہئے
خدا کے بعد بس وہ ہیں پھر اس کے بعد کیا کہئے

——اور——

خاتم الانبیاء' رحمت دو جہاں' حامی بے کساں شافع عاصیاں
نور کون و مکاں' ناز روحانیاں' غیرت قدسیاں' فخر پیغمبراں
ذات پر جس کی اتمام نعمت ہوا' ساتھ ہی ختم دور نبوت ہوا
ہر شرف آپ ہی کو ودیعت ہوا' قاسم کوثر و سلسبیل و جناں
بحر جود و سخا' کان بذل و عطا جس کا شیوہ رہا فضل و مہر و وفا
طاقت بے کساں' قوت بے نوا' جس کا دست کرم ابر گوہر فشاں
جس کے وصف صباحت میں گرم سخن لالہ و گل' حنا' یاسمین نسترن
روئے اقدس سے کرتے ہیں کسب ضیا انجم و ماہ قوس قزح کہکشاں

اس قسم کی تمام نعتیں پاکستان بننے کے بعد اس دور کی کہی ہوئی ہیں جس دور کو مولانا چشتی میرا "دور وہابیت" کہتے ہیں اور یہ جو آخری چار اشعار ہیں یہ نعت میں نے آج سے پانچ ماہ قبل کہی تھی۔ اس نعتیہ غزل کا ایک شعر یہ بھی ہے:

جس کا پیغام' پیغام توحید تھا' کوئی حاجت روا ہے نہ مشکل کشا
صرف تنہا خدا' صرف تنہا خدا' ہے وہی کار ساز اور وہی غیب داں

چونکہ بریلوی حضرات اللہ تعالیٰ کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ''غیب واں'' مالک کون و مکاں اور اولیاء اللہ تک کو' داتا' فریادرس ' بندہ نواز' غریب نواز اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ اس لئے غیر اللہ کی اس شان الوہیت کی نفی سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ نفی و انکار دراصل شان رسالت کا انکار اور اولیاء کرام کی تنقیص ہے۔ جس طرح عیسائیوں نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ''ابن اللہ'' ٹھہرا لیا ہے تو جو کوئی حضرت عیسیٰ کو ''ابن اللہ'' نہیں مانتا اس کو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا منکر اور تنقیص کرنے والا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ذات رسالت ماٰب کیلئے اہل بدعت نے متعدد القاب و مناصب تجویز کئے ہیں مثلاً مالک دو جہاں..... کار ساز و مشکل کشا...... فریادرس ...... دافع مصائب و آلام .....کونین کے مختار و مالک اور شہنشاہ...... دستگیر خلائق...... احمد بے میم...... تو جو کوئی بریلویوں کے تراشے ہوئے القاب و مناصب کی نفی و تردید کرتا ہے کہ دو جہاں کا مالک و مختار اللہ تعالیٰ ہے اور وہی سب کا فریادرس اور مشکل کشا ہے...... اس پر یہ حضرات شان رسالت کے انکار کی طنز کرتے اور تہمت جوڑتے ہیں۔ ان القاب و مناصب اور اختیارات کا کتاب و سنت میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ یہ ان حضرات کی اس مفرط عقیدت کے مظاہر ہیں جن سے عبدیت' الوہیت کے مشابہہ ٹھہرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے میرے رتبہ سے زیادہ نہ بڑھاؤ! اور حضور کا رتبہ سے زیادہ بڑھانا یہی ہے کہ الوہیت کی صفات ''عطا'' کے نام پر حضور سے منسوب کر دی جائیں۔ حضور نے نہیں فرمایا کہ...... میرے رتبہ کو نہ گھٹانا۔ اس لئے کہ پچھلی امتوں کے احوال آپ کے سامنے تھے۔ انہوں نے اپنے بعض نبیوں کے مرتبہ کو گھٹایا نہیں تھا بلکہ حد سے زیادہ بڑھا دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی نبی کا امتی اپنے نبی کے رتبہ کو گھٹاتا ہے تو اس کا ایمان ہی کب سلامت رہتا ہے۔ خوف الحاد و بے دینی سے نہیں ہے کہ وہ تو ظاہر ہو جاتی ہے۔ محل خطر وہ عقیدت ہے جو اس شخص کو جس سے عقیدت ہوتی ہے بڑھا کر اللہ تعالیٰ کا ہمسر بنا دیتی ہے۔ ایسی مفرط عقیدت خوفناک اور پر خطر اس لئے ہے کہ عقیدت مند اتنی کچھ زیادتی کرنے کے بعد بھی اس غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے اور جس کی محبت و عقیدت میں کیا ہے اس کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے جس مفرط عقیدت سے امت کو روکا تھا بریلوی حضرات اسی مفرط عقیدت میں مبتلا ہوگئے۔ اس لئے حضور ﷺ کی خوشنودی آخرت میں حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جو کوئی ان کے فاسد عقائد کی اصلاح و تصحیح کی سعی کرتا ہے اور کتاب و سنت کی روشنی میں صحیح صحیح دو ٹوک بات کہتا ہے اسے وہ منکر شان رسالت سمجھتے ہیں۔

نگہ کی نا مسلمانی سے فریاد

چشتی صاحب نے راقم الحروف کی مشہور نظم ""ظہور قدسی"" کے دو شعر نقل کئے ہیں۔ میں نے ایک مصرع میں ""الفقر فخری"" نظم کیا تھا مگر تحقیق کے بعد معلوم ہوا:

قال العسقلانی ھو باطل موضوع...... امام عسقلانی نے فرمایا کہ یہ باطل موضوع ہے۔ (موضوعات کبیر ملا علی قاری رحمہ اللہ)

""ضیائے کنز الایمان""..... دراصل ""محاسن کنز الایمان"" پر میرے تبصرے کا جواب ہے۔ مولانا غلام رسول سعیدی اس کے مصنف ہیں۔ انہوں نے میری زبان کی غلطیوں پر گرفت کی ہے۔

> ""ماہر صاحب! اپنے تبصرہ میں لکھتے ہیں پانچ چھ برس سے جب سے جمعیت العلماء سیاسی میدان میں آئی ہے..... اس جملہ میں ""سے"" کا تکرار ذوق لطیف پر بار گزرتا ہے۔ یوں لکھنا چاہئے کہ ""پانچ چھ برس ہوئے' جب سے جمعیت العلماء...... اس اصلاح کا شکریہ۔ مگر میرے جملہ میں کوئی ایسا سقم نہیں ہے جس کی تکرار ذوق لطیف پر گراں گزرتی ہو۔ لیکن مولانا صاحب راقم الحروف کے جملہ کو حسین بنانے کی فکر میں خود جو غلطی فرما گئے ہیں اس کو کیا کہئے گا۔ ""تکرار"" بالاتفاق مئونث ہے مگر انہوں نے ""تکرار"" کو مذکر لکھا ہے۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار مستند ادیب اور زبان داں ہیں۔ وہ اپنے مشہور ناول ""سیر کہسار"" جلد دوم' مطبوعہ نول کشور پریس) کے صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں:

""اسی وجہ سے صاحب نے نواب صاحب سے دریافت کیا تھا۔""

اس جملہ میں "سے" کی تکرار ملتی ہے۔ یہ جملہ یوں بھی لکھا جاسکتا تھا:

"یہی وجہ تھی کہ صاحب نے نواب صاحب سے دریافت کیا تھا۔"

مگر پنڈت جی نے اس مفہوم کو اسی طرح ادا کرنا مناسب سمجھا کہ راقم الحروف کے جملہ کی طرح سرشار کی عبارت میں بھی "سے" کی تکرار پائی گئی۔ اس مثال سے ظاہر ہے کہ اس طرح ایک ہی جملہ میں "سے" وغیرہ کی تکرار کا مستند اہل قلم اور زبان دانوں کے یہاں رواج رہا ہے۔ "ذوق لطیف پر بار گزرنے" کی بجائے مولانا صاحب یوں بھی فرما سکتے تھے کہ "سے" کی تکرار نہ رہنے سے جملہ زیادہ رواں اور حسین ہوگیا۔

اعتراض: اور صوبائی اور مرکزی اسمبلی (فاران ص ۲) "مرکزی اور صوبائی اسمبلی" لکھنا چاہئے تھا۔ اس قسم کی بے ترتیب عبارت ذہنی انتشار اور ناپختگی کی علامت ہے۔

جواب: مولانا موصوف نے یہ اعتراض اس اصول کے تحت کیا ہے کہ جملہ میں پہلے بڑی چیز کو لانا چاہئے۔ مگر عام طور پر اس طرح بولتے اور لکھتے ہیں...... "چاند سورج اس پر گواہ ہیں"...... "اس کا اثر صوبے میں بھی ہے اور مرکز میں بھی"...... چپراسی اور گورنر دونوں سرکار کے ملازم ہیں۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھتے ہیں:

"یہ اتنے بنگلے اور کوٹھیاں اور سڑکیں....." (سیر کہسار جلد دوم ص ۹۷)۔

"کوٹھیاں" "بنگلوں" سے بڑی ہوتی ہیں۔ مگر سرشار "بنگلے" پہلے لائے ہیں۔ تو کیا پنڈت رتن ناتھ سرشار جیسے مسلمہ زبان دان اور ادیب کی یہ عبارت ان کی ذہنی انتشار اور ناپختگی کی علامت ہے۔ بہت ہی معمولی سی بات پر نقد و احتساب کی یہ شدت و برہمی مولانا صاحب کے ذہنی تشنج کا اتا پتا دیتی ہے۔

اعتراض: صاحب جن کے نام کے پہلے "علامہ" لکھا جاتا ہے....... (فاران ص ۲۱)...... "نام کے پہلے" کی جگہ "نام سے پہلے" لکھنا محاورہ ہے۔

جواب: "سے" کی جگہ "کے" بھی بولتے اور لکھتے ہیں۔ اس قسم کے جملوں میں معاملہ راجح و مرجوح کا ہوتا ہے۔ غلط اور صحیح کا نہیں ہوتا۔

اعتراض: "تدع' یدع' ادعوا کا ترجمہ......" (فاران ص ۲۴) تدع' یدع'

عربی زبان میں کوئی لفظ نہیں ہے۔ اصل میں تدعوا اور یدعوا ہے۔

جواب : مجھے "تدعو" اور "یدعو" ہی لکھنا چاہئے تھا۔ اصل تسامح کا سبب یہ ہوا کہ لغات القرآن میں "یدع" نظر سے گزرا مگر آگے کی عبارت "واحد مذکر غائب امر" پر غور نہیں کیا۔ راقم الحروف نے "فاران" میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ عربی' فارسی' انگریزی اور ہندی میں راقم الحروف تھوڑی شدھ بدھ رکھتا ہے مگر جسے جاننا کہتے ہیں۔ اس کا تعلق اردو سے ہے اردو کے مستند ادیبوں اور مشاہیر شاعروں کے تسامحات پر میں نے گرفت کی ہے۔ ہاں! دینی علوم اور فلسفہ و کلام وغیرہ جن مسائل کو میں اچھی طرح سمجھ لیتا ہوں ان کی تشریح اس انداز میں کرتا ہوں کہ پڑھنے والے مجھے نہ جانے کیا کیا سمجھتے ہیں۔ میرا سارا سرمایہ مطالعہ ہے۔

راتیں گزار دی ہیں سہارے چراغ کے

حیرت ہے کہ مولانا غلام رسول سعیدی کو یہ نہیں معلوم کہ اردو زبان نے دوسری زبانوں کے تلفظ' معنی بلکہ بعض لفظوں کے املا تک کو بدل دیا ہے۔ انگریزی کا "اینجن" (Engine) اردو میں "انجن" بولا جاتا ہے۔ انگریزی کی لینٹرن کو اردو میں لالٹین بنا لیا گیا' ہندی کے "مندر" کی "د" پر کسرہ ہے مگر اردو میں عام طور پر مندر (د پر فتحہ) بولتے ہیں۔ عربی میں پچھنے لگانے والے کو حجام اور نائی کو "حلاق" کہتے ہیں مگر اردو والے "حجام" نائی (باربر.... حلاق) کے معنی میں بولتے ہیں۔ "فوق البھڑک" عربی قاعدہ سے بالکل غلط ترکیب ہے مگر اردو میں اس کی حیثیت "غلط العام" کی ہے۔ اس لئے اردو میں ترکیب کا چلن ہے۔ "خواہشات" کی جمع عربی اعتبار سے غلط ہے کیونکہ "خواہش" فارسی لفظ ہے۔ مگر یہ جمع بھی "غلط العام" بن چکی ہے۔ ہم عربی اور فارسی کے بہت سے الفاظ اردو لب و لہجہ اور روز مرہ کے تحت بولتے اور لکھتے ہیں۔ مثلاً عربی کے "اش اش" کو اردو میں "عش عش" لکھا جاتا ہے۔ عربی کے "ازدحام" کا اردو میں "اژدہام" املا کیا جاتا ہے۔

راقم الحروف نے "اہل سنت والجماعت" لکھا تھا۔ اس پر مولانا سعیدی نے اعتراض وارد کیا ہے :

"اہل سنت والجماعت" میں نکرہ پر معرفہ کا عطف بھی غیر مانوس ہے۔ "اہل السنت والجماعت" یا "اہل سنت و جماعت" لکھنا چاہئے۔"

جواباً عرض ہے کہ اردو میں عربی کے نکرہ معرفہ مذکر و مونث اور دوسرے قاعدوں کا عام طور پر لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اردو مستقل زبان ہے۔ جو اپنی قواعد روز مرہ و محاورہ اور مزاج کے مطابق بولنے اور لکھنے کا چلن رکھتی ہے اردو میں اہل سنت والجماعت ہی لکھا اور بولا جاتا ہے "اہل سنت و جماعت" بولنے اور لکھنے کا عام رواج نہیں ہے۔ "اہل سنت و جماعت" کے تلفظ "اہل سنتو جماعت" اور "اہل سنت و جماعت" (ال کے بغیر "و" پر فتحہ) دونوں زبان پر گراں گزرتے ہیں۔ ماہنامہ "الرشید" کا دیوبند نمبر ہمارے سامنے ہے۔ اس کے صفحہ ۱۵۸ پر ذیلی سرخی ہے۔

"علمائے دیوبند اپنے مسلک کے اعتبار سے حقیقتاً اہل سنت والجماعت ہیں"۔ یہ عنوان جو اردو زبان و املا کے عین مطابق ہے صاحب تلخیص صوفی محمد اقبال قریشی صاحب کا قائم کیا ہوا ہے اور مولانا قاری محمد طیب صاحب کی تقریر کی تلخیص ہے۔ خود قاری صاحب کے الفاظ ہیں :

"علمائے دیوبند نہ صرف اہل سنت والجماعت کے تمام اصول و قوانین کے پابند رہے ہیں۔"

مولانا قاری محمد طیب صاحب عربی بھی مولانا غلام رسول سعیدی صاحب سے زیادہ جانتے ہیں اور اردو بھی۔ اردو میں "اہل سنت والجماعت" ہی لکھا اور بولا جاتا ہے۔

اردو میں "الراوندی" کو "راوندی"...... الراغب الاصفہانی کو راغب اصفہانی یا راغب الاصفہانی لکھتے ہیں۔

الربیع بن زیاد العبسی' جاہلی شاعر ہے۔ اس کو ربیع بن زیاد عبسی یا ربیع بن زیاد العبسی ہی لکھا جائے گا۔ "الربع الخالی (جغرافیہ) کو اردو میں "ربع خالی" یا "ربع الخالی" لکھتے ہیں۔

اعتراض : "ذات اقدس " (فاران ص ۲۸) یہ صاحب عربی الفاظ میں مذکر و مونث کا فرق نہیں جانتے ورنہ ذات اقدس کی بجائے ذات مقدسہ لکھتے ذات عربی کا لفظ ہے۔ اس کیلئے صفت ہمیشہ مونث کے صیغہ میں

لائی جاتی ہے۔

جواب : فاضل معترض اردو ٹھیک طرح جانتے ہوتے تو وہ ایسا بے سروپا اعتراض نہ فرماتے۔ اردو میں "ذات اقدس" لکھنا نہ صرف یہ کہ فصیح ہے بلکہ "ذات مقدسہ" کے مقابلے میں صحیح تر ہے۔

- "ایک دفعہ حضرت حنظلہ خدمت اقدس میں آئے۔" (سیرت النبی جلد دوم ص ۲۳۴' باب مجالس نبوی)۔
- "ایک عورت بچہ کو لے کر خدمت اقدس میں آئی۔" (سیرت النبی جلد دوم ص ۲۷۲' باب عبادات نبوی)۔
- "اکثر نوکر چاکر لونڈی غلام خدمت اقدس میں پانی لے کر آئے۔" (سیرت النبی جلد دوم ص ۲۹۴)

علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی کے بعد اور پھر کسے مثال میں پیش کیا جائے۔ یہ دونوں حضرات عربی اور اردو کے مسلمہ انشاء پرداز اور عالم ہیں۔

"شمس" عربی میں مونث ہے تو مولانا سعیدی کے اصول زبان کی رو سے کیا یوں لکھا کریں: "شمس ہدایت چمکی" عربی میں "نفس" مونث بھی ہے تو مولانا سعیدی کی ہدایت و انتباہ کے مطابق یوں لکھنا چاہئے:
"اس کی نفس امارہ زوروں پر ہے اور نفس مطمئنہ دب کر رہ گئی ہے۔"......
فافہم فتدبر۔

اعتراض : تمام اولیاء دنیا کی مشکل کشائی کرتے ہیں۔ (فاران ص ۲۳) فی نفسہ دنیا کوئی عقیدہ یا مصیبت تو ہے نہیں جس کی کشائی یا عقدہ کشائی ہوگی۔ یوں لکھئے "تمام اولیا دنیا کے حاجت مند مصیبت زدہ لوگوں کی مشکل کشائی کرتے ہیں"۔

جواب : کتابت کی غلطی کے سبب "مشکل" لکھنے سے رہ گیا ورنہ تنہا "کشائی" مہمل ہے۔ پھر یہ اعتراض ؟ کوئی کہے تو کیا کہے؟ جس طرح راقم الحروف نے لکھا ہے "اس طرح لکھنے اور بولنے کا تو عام رواج ہے۔
"نادر شاہ کی فوج نے دلی کو خوب لوٹا"...... دلی سے دلی کے رہنے والے مراد ہیں اور "آدھے شہر کو قتل کر دیا" شہر کے قتل سے در و دیوار' کوٹھے'

چھپر اور حویلیاں نہیں شہر کے باشندوں کا قتل مراد ہے۔ ایسے موقعوں پر ظرف مکانی بول کر مظروف مراد ہوتا ہے اور شعر و ادب میں اس کی ہزار مثالیں موجود ہیں۔

نور اللغات میں "دنیا کے معنی جہان، عالم، دہر" اور "دنیا کے لوگ" لکھے ہیں۔ میرے جملہ میں بھی "دنیا" سے دنیا کے وہ لوگ مراد ہیں جو مشکلوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور حاجت مند ہیں۔

"مجھ پر کیا موقوف ہے تم پر تو دنیا تھوکتی ہے۔"

اس جملہ میں "دنیا" سے دنیا کے لوگ مراد ہیں۔ "دنیا کی آنکھوں میں" کے معنی ہیں "سب کی نظروں میں"...... مرزا یاس یگانہ کی غزل کا مشہور مصرع ہے:

"دنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہے گی"

اس میں دنیا والوں کو بھی "دنیا" کہا گیا ہے۔

اعتراض: یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تکوینی کی حکمت ہے۔ "فاران ص ۲۸) حکمت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ مشیت کی نہیں مشیت کیلئے ثمرہ لکھنا مناسب تھا اور تکوینی کی جگہ تکوینیہ ہونا چاہئے تھا۔ صحیح جملہ اس طرح ہو گا "یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تکوینیہ کا ثمرہ ہے۔"

جواب: گرفت کا شکریہ، مگر زور دینے اور عبارت میں فورس پیدا کرنے کیلئے یوں بھی بولتے ہیں:

"یہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی حکمت ہے"...... "یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ربوبیت ہے۔"

میں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تکوینی محض جبر نہیں ہے بلکہ اس کے اندر بھی حکمت ہے۔ میری اصل عبارت یہ ہے:

"اور اللہ تعالیٰ ہدایت بھی دیتا ہے اور گمراہ بھی کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تکوینی کی حکمت ہے۔"

مولانا غلام رسول سعیدی صاحب نے جو اصلاح دی ہے:

"اللہ تعالیٰ کی مشیت تکوینیہ کا ثمرہ ہے۔"

اس طرح تو میری عبارت عجیب سے عجیب تر ہو جائے گی۔ "ثمرہ" لانے

شروع کی۔"

اعتراض : "جو ان الفاظ کے معنی ہیں" (فاران ص ۲۸)...... ان صاحب کو واحد اور جمع کا فرق نہیں معلوم' ورنہ جو "ان الفاظ کے معانی ہیں" لکھتے۔

جواب : وہ جو ضرب المثل ہے "شعر مرابہ مدرسہ کے برد" مولانا سعیدی کی تنقید کا یہی رنگ ہے۔ نور اللغات میں لکھا ہے "معنی"...... اردو میں بطور جمع مستعمل ہے' فعل بھی جمع آتا ہے۔"

ڈھونڈے سے بھی نہ معنی باریک جب ملے
دھوکا ہوا یہ مجھ کو کہ اس کی کمر نہ ہو
(امیر مینائی)

مشہور استاد سخن ناسخ لکھنوی فرماتے ہیں :

معنی یہ ہیں کہ باغ میں ہم مے کشی کریں   جنت میں گر شراب خدا نے حلال کی

حیرت ہے کہ لائق معترض کو اردو کے عام اور مشہور لفظوں کے بھی معنی اور ان کا طریقہ استعمال معلوم نہیں ہے۔کیا انہوں نے نہیں سنا :

"اس لفظ کے معنی بتایئے۔"

یوں کوئی نہیں بولتا :

"اس لفظ کا معنی بتایئے۔"

اعتراض : عصمت کی بحث میں لکھتے ہیں....سہو و تسامح۔قادح نبوت نہیں ہے"...... "سہو و تسامح قادح عصمت نہیں ہے" یوں لکھنا چاہئے تھا کیونکہ گفتگو نبوت میں نہیں عصمت میں ہے....!

جواب : "قادح نبوت" کہنے میں کیا خرابی ہے؟ عصمت کا تعلق بھی نبوت سے ہے۔ میری عبارت کا سیاق و سباق یہ ہے کہ سہو و تسامح سے نبوت کو بٹہ نہیں لگتا اور نبوت پر حرف نہیں آتا۔

اعتراض : "ہم فسق و فجور کی پستی تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔" (فاران ص ۲۸) پستی میں لوگ جا کر گرتے ہیں پہنچتے نہیں۔ اس طرح لکھتے :

"ہم فسق و فجور کی پستی میں بھی جاگرتے ہیں"۔

جواب : "پستی تک پہنچنے" میں آخر زبان و روز مرہ کی کیا خرابی ہے۔ جو آدمی پستی میں گرتا ہے تو وہ گر کر پستی تک پہنچ جاتا ہے۔ "پہنچنے میں" تدریج پائی جاتی ہے جو "گرنے" میں نہیں پائی جاتی" میرے کہنے کا یہی مفہوم ہے کہ ہم ایک گناہ کرتے ہیں۔ پھر دوسرا گناہ کرتے ہیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ اور تدریجا" فسق و فجور کی پستی تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ دفعتا" پستی میں نہیں گرجاتے۔

اعتراض : "تو حضور محبت کے لہجہ میں فرماتے ہیں" (فاران ص ۳۸) "محبت بھرے لہجے میں" لکھنا محاورہ اور روز مرہ ہے۔

جواب : "اس نے محبت کے لہجہ میں کہا"...... اس طرح بولنے کا عام رواج ہے۔ یہ جملہ "بھرے" کا متقاضی نہیں ہے۔ مولانا صاحب کو روز مرہ اور محاورہ کا وہم ہوگیا ہے۔

اعتراض : "غیب صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو جز کا نہیں کل کا نام ہے"۔ (فاران ص ۴۴) صفت غیب کا اللہ عزوجل میں حصر کرنا غلط ہے۔ جنت و دوزخ جن اور ملائکہ بھی تو غیب ہیں۔ نیز غیب مصدر ہے۔ اور یہ "کل" جز نہیں بنتا۔ بلکہ مصدر جنس ہوتا ہے اور اس کا اپنے تمام افراد پر خواہ قلیل ہوں یا کثیر یکساں اطلاق ہوتا ہے۔

جواب : میری عبارت میں "غیب" سے "علم غیب" اور "غیب دانی" مراد ہے۔ میں نے آگے چل کر یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود کو "عالم الغیب والشھادہ" فرمایا ہے......!

مولانا سعیدی نے جنت و دوزخ کا جو ذکر کیا ہے وہ بے محل ہے۔ جنت و دوزخ ہمارے لئے غیب تو بے شک ہیں مگر جنت و دوزخ "علم غیب" نہیں رکھتیں۔ صفت غیب کا اللہ عزوجل میں حصر کرنا غلط کیوں ہونے لگا۔ جب کہ "ذاتی اور کل غیب" اللہ تعالیٰ کو ہے۔ انبیاء کو غیب کی خبریں دی گئی ہیں۔ انبیاء "مخبر صادق" اور "ترجمان اخبار غیوب" ہیں۔ عالم الغیب نہیں ہیں۔

اعتراض : "دین و دانش کی کتنی دردناک ٹریجڈی ہے"۔ (فاران ص ۴۴) ٹریجڈی میں خود درد و الم کے معنی ہیں۔ یہ جملہ تو ایسا ہے جیسے ان

پڑھ لوگ کہتے ہیں۔ ”یہ سن لائٹ سوپ صابن ہے“ یا کوئی کہے ”یہ کوہ ہمالیہ پہاڑ ہے“ صحیح جملہ اس طرح ہوگا ”دین و دانش کی کتنی زبردست ٹریجڈی ہے“۔

جواب : ٹریجڈی کا اردو میں ترجمہ ”المیہ“ کیا گیا ہے جس میں ظاہر ہے ”الم“ شامل ہے۔ مگر راقم الحروف نے ”ٹریجڈی“ میں فورس پیدا کرنے کیلئے ”دردناک“ استعمال کیا ہے۔ ”سن لائٹ سوپ صابن“ اور ”کوہ ہمالیہ پہاڑ“ کی پھبتی اس جملہ پر چست نہیں ہوتی کیونکہ ”سوپ“ کے بعد ”صابن“ اور ”کوہ“ کے بعد ”پہاڑ“ لانے سے الفاظ میں فورس پیدا نہیں ہوتا۔ بادی النظر میں مولانا کا اعتراض درست معلوم ہوتا ہے۔ مگر میں اس سلسلہ میں جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ بہت نازک باتیں ہیں!...... یہ کہ درد و الم اور غم مترادف بھی ہیں اور نہیں بھی ہیں۔ ”چوٹ لگنے سے اس کے جسم میں درد ہو رہا ہے“ بولتے ہیں یوں نہیں بولتے ”چوٹ لگنے سے اس کے جسم میں الم ہو رہا ہے` وہ بڑا بے درد ہے“ بولتے ہیں ”وہ بڑا بے الم ہے“ نہیں بولتے۔ اس لئے بہت بڑے حادثہ اور المیہ کو ”دردناک المیہ“ بولنا غلط نہیں ہوگا۔ ”تپیدن“ برق کی سرشت میں داخل ہے جو ”تپاں“ نہیں ہوگی۔ وہ ”برق“ نہیں ہوگی۔ مگر ”برق تپاں“ Ephasis یعنی زور بیان کیلئے بولتے ہیں۔ اس طرح ”انتہائی نشاط انگیز طربیہ“ بھی بول سکتے ہیں۔ ”دردناک ٹریجڈی“ کا ”شب لیلۃ القدر کی زات“ یا ”کوہ ہمالیہ کا پہاڑ“ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ ”مرثیہ“ اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی شخص کی وفات اور الم و مصائب کا ذکر ہو‘ مگر اس طرح بولتے ہیں ”اس نے بڑا دردناک مرثیہ لکھا ہے“ حالانکہ خود مرثیہ میں غم و الم شامل ہیں۔

اعتراض : ”جو خدا کے بندے توحید و سنت کی دعوت دیتے ہیں“۔ (فاران ص ۴۷) توحید کے ساتھ سنت کا ذکر بے جوڑ ہے۔ ”توحید و رسالت“ یا پھر ”کتاب و سنت“ لکھتے۔

جواب : میں نے اپنی تنقید میں شرک و بدعات کا رد کیا ہے اور اس کے مقابلہ

میں ''توحید و سنت'' کی اہمیت جتائی ہے۔ لہٰذا ''توحید و سنت'' میری عبارت میں بے جوڑ نہیں ہے۔

اسے بات کہوں، کرتب کہوں، یا حرکت...... بہرحال اسے جو بھی نام دیا جائے، ہے عجیب اور افسوسناک کہ کتابت کی غلطیوں کو فاضل ناقد نے میرے کھاتے میں ڈال دیا ہے۔ موصوف عالم دین ہیں، اردو کی سینکڑوں کتابیں انہوں نے پڑھی ہوں گی۔ کیا وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ کتابوں اور رسالوں میں کتابت کی غلطیاں بھی رہ جاتی ہیں۔ ہاں بعض غلطیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ناواقف اور کم سواد لکھنے والے کرتے ہیں۔ مثلاً ''غیظ'' کا املاء ''غیض'' اور ''بے نیل مرام'' کو ''بے نیل و مرام'' لکھنا۔

''محاسن کنز الایمان'' پر مولانا غلام رسول سعیدی صاحب کا پیش لفظ ہے۔ اس میں لکھا ہے:

''لب و لہجہ کے پیش و خم کو جس حد تک ترجمہ میں ڈھالا جاسکتا ہے''۔
(ص ۹)

میں مولانا موصوف کے اس جملہ کو مہمل کہہ کر اپنی کم فہمی اور بد نیتی کا مظاہرہ نہیں کروں گا۔ یہ کاتب کا سہو ہے کہ ''پیچ و خم'' کی جگہ ''پیش و خم'' لکھ دیا.... اسی کتاب کے صفحہ ۱۱ کی عبارت ہے.... ''اس دور میں جہاں لاگ لپٹ کے بغیر''۔

یہ غلطی مضمون لکھنے والے کی ہو سکتی ہے کہ ''لاگ لپیٹ'' تحریر فرمایا۔

''پیش لفظ میں مولانا عنایت اللہ چشتی نے یہ شعر درج فرمایا ہے:

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو اپنے ''حسن'' پر کتنا غرور تھا
(ص ۸)

مولانا غلام رسول سعیدی نے راقم الحروف کی تحریر پر جس انداز میں تنقید کی ہے اس انداز میں راقم الحروف اعتراض جڑ سکتا ہے کہ مولانا چشتی موزوں اور ناموزوں مصرعوں میں امتیاز نہیں کرسکتے...... کیونکہ یہ مصرعہ:

صاحب کو اپنے حسن پر کتنا غرور تھا

ناموزوں ہے۔ مگر میں ان کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہوں کہ کاتب

نے (حسن پہ) کو "حسن پر" لکھ دیا۔ جس سے مصرع ناموزوں ہوگیا۔ یہ کتابت کی غلطی ہے مضمون نگار کا سہو نہیں ہے۔ "سیارہ" لاہور کا خاص نمبر جولائی کے آغاز میں منظر عام پر آیا ہے۔ اس کے صفحہ ۲۲۳ پر میرے مضمون کا ایک جملہ یوں چھپا ہے.... "اس کی صنف ملاحت نہیں حلاوت ہے"...... یہ کاتب کی غلطی ہے کہ "صفت" کی جگہ "صنف" لکھ دیا اور پروف پڑھنے والوں کی نظر سے بھی چوک ہوگئی۔ کوئی معمولی سمجھ رکھنے والا بھی کتابت کی اس غلطی کو جس نے جملہ کو مہمل بنا دیا، مجھ سے (یعنی مضمون نگار) سے منسوب نہیں کر سکتا۔

اعتراض : "مولانا تھانوی" نے ترجمہ کے قوس میں "قوس کی بجائے قوسین لکھنا تھا۔"

جواب : یہ کتابت کی غلطی ہے۔ میں نے ہمیشہ بریکٹ کیلئے قوسین ہی لکھا ہے۔ چنانچہ میرے جس تبصرے (مارچ ۷۶ء) پر مولانا سعیدی نے تنقید فرمائی ہے اس کے صفحہ ۳۲ پر میری عبارت درج ہے:

"مولانا اشرف علی تھانوی نے ترجمہ کے قوسین میں جو (میرا کہنا) لکھا ہے......"

اعتراض : جو لوگ جو اہل سنت والجماعت کہلاتے ہیں" (فاران ص ۲۲) "جو لوگ جو اہل سنت" یہ کس خطہ کی زبان ہے۔ یہ عبارت نہ صرف غلط بلکہ کافی حد تک مضحکہ خیز ہے۔

جواب : ایک معمولی لکھا پڑھا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس جملہ میں دوسرا "جو" کاتب کا سہو ہے۔ کیونکہ دوسرے درجہ کا بچہ بھی ایسا مہمل جملہ نہیں لکھ سکتا۔ یہ نقد و احتساب نہیں ہے۔ اس فن کے ساتھ مذاق ہے۔

اعتراض : "یہ تاثر جو کتابوں کے ذریعہ عوام و خلوص ....." (فاران ص ۴۱) "عوام کے ساتھ خلوص نہیں خواص لکھا جاتا ہے۔

جواب : یہ تو کتابت کی اس قدر واضح غلطی ہے جس کو مضمون نگار کے سر کسی طرح بھی نہیں چپکایا جا سکتا جو حضرات زبان و ادب کے بارے میں اس قدر غیر حقیقت پسند ہیں ان سے دینی مسائل میں حق پسندی کی کس حد تک توقع کی جا سکتی ہے۔

اسی کتاب میں مولانا موصوف لکھتے ہیں:

"واؤ گر جاتی ہے"۔ (ص ۱۴) حالانکہ "واؤ" مذکر ہے۔
مولانا عنایت اللہ چشتی "پیش لفظ" میں رقم طراز ہیں:
"اور انتہائی خوش ہے وہ گھرانہ جس کے......" (ص ۳)
چشتی صاحب نے (خوش نصیب" لکھا ہوگا۔ کاتب نے "نصیب" نہیں لکھا۔
"برسوں کی محنت شاقہ اور سعی عمیق درکار ہے" (ص ۴)۔
سعی کو "عمیق" کوئی نہیں بولتا۔
"یہ رسالہ کاسۂ وہابیت کیلئے گرز البرز شکن ثابت ہوگا" (ص ۱۰)
یہ انہی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ وہابیت کسی مسلک کا نہیں "کاسہ" کا نام ہے۔ اور اس "کاسہ" کو توڑنے کیلئے "گرز البرز شکن" چاہئے۔ یعنی وہابیت کا "کاسہ" کیا ہوا ایک پہاڑ ہوا۔ جن صاحب کی تحریر میں جابجا جھول پایا جاتا ہے اور جو برمحل الفاظ استعمال نہیں کرسکتے ان سے "ضیائے کنز الایمان" پر پیش لفظ لکھوایا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"علامہ سعیدی صاحب نے ماہر القادری کی زبان و بیان کی اغلاط کی نشاندہی کرکے ان کے دعویٰ زباندانی کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔" مگر

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

حضرت مولانا غلام رسول سعیدی اگر زبان و روز مرہ کے ذکر کو نہ چھیڑتے تو "بند مٹھی" کا بھرم قائم رہتا۔ ان کے اعتراضات نے ان کی "اردو دانی" کو بے نقاب کر دیا۔ پیش لفظ کے حاشیہ میں لکھا ہے:

"فاضل محترم علامہ سعیدی صاحب مدظلہ نے یہ جواب قلم برداشتہ لکھا ہے۔ "فاران" ان کی خدمت میں روانہ کیا گیا تو تیسرے دن انہوں نے جواب لکھ کر دفتر مرکزی مجلس رضا لاہور میں بھیج دیا۔"

آخر اتنی عجلت میں جواب لکھنے کی کیا مار پڑی تھی۔ مولانا صاحب کو پوری تحقیق اور غور و فکر کے ساتھ جواب تحریر فرمانا چاہئے تھا' عجلت کا تو یہی نتیجہ ہوتا ہے جو سب کے سامنے ہے۔ زبان و بیان کی غلطیوں سے راقم الحروف محفوظ

نہیں ہے۔ انہیں میری عبارتوں سے ایسی غلطیاں نکالنی چاہئے تھیں جن کی راقم الحروف مدافعت یا تاویل ہی نہ کر سکتا۔

"محاسن کنز الایمان" میں "تعارف صاحب کنز الایمان" کے عنوان سے ایک مضمون ملتا ہے۔ لکھنے والے کا نام درج نہیں ہے۔ اس مضمون کے چند نمونے:

"سورج کروڑوں مرتبہ حجلہ مشرق سے جھانکتا اور خلوت کدہ مغرب کی کاجلی تاریکیوں......" (ص ۲۱)

"کاجلی تاریکیوں" کا بھلا کوئی جواب ہے۔

"اس کا نام خدائے قدوس نے سورج کی کرنوں کے ساتھ آسمان کی وسیع البسط چھاتی پر ہمیشہ ثبت کر دیا ہے۔ اب حادثات حیات کا کوئی بیداد جھونکا اور زمانے کی سنگدل ٹھوکر اسے مٹا نہیں سکتی۔" (ص ۲۵)

"وسیع البسط چھاتی" یہ آخر کیا انداز بیان ہے۔ اس عبارت میں "چھاتی" کا استعمال وجدان کیلئے اذیت دہ ہے۔ "حادثات حیات کا جھونکا" ہی میں خاصہ تکلف پایا جاتا ہے مگر یہ "بیداد جھونکا" کیا ہوتا ہے؟ پھر "ٹھوکر" کو سنگدل کہنا اس پر مستزاد!

ڈاکٹر مولانا فضل الرحمٰن انصاری مرحوم خود کو بریلوی کہتے تھے۔ مگر بریلوی دارالتکفیر نے دیوبند کے جن علماء کو کافر ٹھہرایا ہے ان کے ناموں کے ساتھ مولانا انصاری "حضرت" اور "رحمتہ اللہ علیہ" استعمال کرتے تھے۔ مولانا مرحوم کی انگریزی کتابیں بے شک فکر انگیز ہیں...... ورنہ عام طور پر بریلوی حضرات کے یہاں فکر کے ساتھ انشا پردازی بھی خاصی کمزور ہے۔ یہی سبب ہے کہ سو برس کی مدت میں سیرۃ النبی (علامہ شبلی نعمانی) "ارض القرآن" (مولانا سید سلیمان ندوی) حکمائے اسلام (مولانا عبدالسلام ندوی) النبی الخاتم (مولانا مناظر احسن گیلانی) ترجمان السنہ (مولانا بدر عالم میرٹھی) قصص القرآن (مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی) خطبات مدراس (مولانا سید سلیمان ندوی) دعوت و عزیمت (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) الجہاد فی الاسلام اور پردہ (سید ابوالاعلیٰ مودودی) جیسی کوئی کتاب مکتبہ بریلی پیش نہ کر سکا۔

گزشتہ تبصروں کی عبارتیں دہراؤں تو یہ تنقید پوری کتاب بن جائے گی۔ مختصراً عرض ہے کہ راقم الحروف نے "محاسن کنزالایمان" کی عبارت جس کا تعلق مولانا بریلوی کے مدح و توصیف سے ہے نقل کرتے ہوئے لکھا تھا کہ یہ "واقعہ ہے یا مبالغہ"...... مولانا سعیدی نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

> "......رہے ابن عابدین اور سید طحطاوی تو اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاویٰ میں ان لوگوں کی متعدد فقہی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ اس لئے ان کو اعلیٰ حضرت کے تلامذہ[ؒ] کے منزلہ میں ذکر کرنا واقعہ کے مطابق ہے۔ مبالغہ نہیں ہے۔"

امام ابویوسف نے اپنے استاد امام اعظم کے بعض اجتہادات سے اختلاف کیا ہے۔ ظاہر ہے یہ اختلافات امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے اجتہاد کے تسامحات ہی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس بناپر کیا یوں کہہ سکتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ زندہ رہتے تو امام ابویوسف کی شاگردی کرتے۔ راقم الحروف نے مرزا غالب کے بعض شعروں کی کمزوریاں بتائی ہیں...... کیا کوئی میرا مداح اہل قلم اس طرح لکھنے کی حماقت کرسکتا ہے کہ مرزا غالب ماہر کے زمانے میں ہوتے تو ماہر سے شرف تلمذ کی آرزو فرماتے۔ بریلوی علماء تاویل و توجیہ کے فن میں کتنے کمزور ہیں اور لطف یہ ہے کہ الم غلم بعید از قیاس تاویلیں کرکے مطمئن بھی ہو جاتے ہیں۔ مبالغہ آرائی تو بریلویوں کی گھٹی میں پڑی ہوتی ہے۔

نظام حیدر آباد کو حکومت برطانیہ نے "ہراگزالیٹڈ ہائی نس" کا خطاب دیا تھا۔ جس کا ترجمہ "اعلیٰ حضرت" کیا گیا۔ پھر نظام دکن کے علاوہ نواب حمید اللہ خان والی بھوپال کو بھی ریاست کے لوگ "اعلیٰ حضرت" کہنے لگے۔ یہ لقب کسی عقیدت یا روحانی منصب کی بناپر نہیں دیا گیا تھا اس کا تعلق دنیوی جاہ و منصب سے تھا۔ مگر بریلوی رسول اللہ ﷺ دوسرے انبیاء کرام اور صحابہؓ کے ناموں کے ساتھ "حضرت" لکھتے ہیں اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کو "اعلیٰ حضرت"

لہ اس عبارت کا آخری جملہ یہ تھا "اگر ابن عابدین اور سید طحطاوی کے سامنے یہ فقہی آئینے ہوتے تو اعلیٰ حضرت سے تلمذ کی آرزو کرتے۔"

کے لقب سے پکارتے ہیں۔ کیا یہ مبالغہ نہیں ہے؟ یہ بات اس لئے کھٹکتی ہے کہ حضرت اور اعلیٰ حضرت سے دینی علم و فضل، روحانیت اور عقیدت وابستہ ہے اور یہ پڑھ کر دکھ ہوتا ہے کہ سیدالمرسلین و الاخرین جن کے نعلین کی دھول پر ہزاروں "احمد رضا خان" نچھاور کئے جاسکتے ہیں وہ صرف "حضرت" اور مولانا احمد رضا خان "اعلیٰ حضرت"۔ بریلوی علماء اور اہل قلم کی کتابوں میں صحابہ کرام کے اسمائے گرامی ملتے ہیں لیکن ناموں (ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابوذر، سعید بن عبادہ...... رضی اللہ عنہم) کے ساتھ۔ مگر فرط ادب سے یہ لوگ "احمد رضا خان" نہیں لکھتے "اعلیٰ حضرت" یا "فاضل بریلوی" لکھتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں ان کے پیشوا (مولانا احمد رضا خان) کا نام کہیں کہیں ملتا ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی جن کے احترام و عقیدت سے ہمارے ذہن و قلب لبریز ہیں ان کی مشہور کتاب " التکشف عن مہمات التصوف " پر "فاران" میں مفصل تبصرہ کیا گیا اور جہاں جہاں تسامح نظر آیا اس پر گرفت کی گئی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی "تفہیم القرآن" (جلد ششم) پر "فاران" میں مفصل تبصرہ آچکا ہے اور جہاں زبان و روز مرہ کا تسامح ہمیں کھٹکا ہے اس کا اظہار کر دیا گیا ہے۔

فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" (از پروفیسر محمد مسعود احمد) یہ لکھا ہوا بھی ملا کہ:

"فاضل بریلوی نے جن علوم و فنون میں دسترس حاصل کی ان کی تعداد ۵۴ سے متجاوز ہے۔"

یعنی ۵۴ کے بعد بھی تعریف سے جی سیر نہیں ہوا۔ اس پر "متجاوز" کا اضافہ کرنا پڑا۔ اس طرح ان علوم و فنون کی تعداد ساٹھ کے لگ بھگ ہونی چاہئے۔ ان علوم میں۔

"ارثماطیقی، لوگارثمات، مثلث، مسطح، جفر، ریجات، نجوم، اوفاق......

بھی شامل ہیں۔ مولانا احمد رضا خان نے جب بریلی میں رہ کر درس نظامی پڑھا ہے تو یہ علوم آخر انہوں نے کن علماء سے پڑھے؟ پھر ساٹھ کے قریب علوم و فنون کی تعلیم کیلئے ساٹھ برس تو چاہئیں۔ علوم و فنون کی یہ تعداد کتنی مبالغہ آمیز ہے۔

خود مولانا احمد رضا خان اپنی تعلیم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں :

"میں نے اپنے والد صاحب سے (محض) جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے قواعد محض اس لئے سیکھے تھے کہ علم میراث میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔"

جمع، تفریق اور ضرب و تقسیم تو دوسری جماعت کا طالب علم بھی جانتا ہے۔

"شرح چغمینی شروع کی تھی کہ والد مکرم نے منع کر دیا کہ کیوں ان میں وقت صرف کرتے ہو۔"

مولانا احمد رضا خان صاحب ہی کے بیان سے معلوم ہوا کہ انہوں نے درس نظامی کے عام طالب علموں کی سطح پر "شرح چغمینی" بھی نہیں پڑھی۔

مگر...... "یہ تمام علوم بارگاہ رسالت میں تمہیں خود بخود سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ سب کچھ جو آپ دیکھ رہے ہیں اسی بارگاہ اقدس و اعظم کا فیضان ہے۔ میں اپنے مکان کی چار دیواری میں بیٹھا ہوا خود ہی یہ اشکال بناتا اور مسائل حل کرتا رہتا ہوں۔"

(محاسن کنزالایمان ص ۲۳)

مولانا احمد رضا خان کے والد کو کس طرح معلوم ہوگیا تھا کہ ان کے لائق فرزند کو ہیئت، ریاضی، جفر..... وغیرہ علوم بارگاہ رسالت میں سکھا دیئے جائیں گے۔ کیا وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قبر مبارک یا برزخ میں کوئی درس گاہ قائم فرمائی ہے۔ جہاں حضور ﷺ اپنے امتیوں کو تعلیم دیا کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرام کو حضور فلسفہ و منطق کے علوم پڑھا دیتے۔ حالانکہ صحابہ کرام کے درمیان فقہی مسائل میں اختلاف ہوتا تھا تو ان مسائل کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی روح مقدسہ کی جانب متوجہ ہونے سے ان مسائل کا حل مل جائے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے رسول اللہ ﷺ خواب میں تشریف لاکر کسی مسئلہ میں تعلیم و ہدایت اور رہنمائی فرما دیں۔ افسوس ہے کہ لوگ حقائق و واقعات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور محض خیالی تیر تکے لڑاتے ہیں۔ اگر سرکار ﷺ کی وفات کے بعد حضور کی بارگاہ سے

مسائل دریافت کئے جاسکتے تھے تو حضرت فاطمہؓ فدک کا مسئلہ بارگاہ رسالت سے دریافت کر سکتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ جنگ جمل میں روح رسول سے رہنمائی حاصل کرتیں' اور صفین میں امیر معاویہ پوچھ لیتے کہ حضور میرے لئے کیا حکم ہے؟ ہم دونوں (علی و معاویہ) میں کون حق پر ہے۔

پھر کتنے اکابر علماء ہیں جنہوں نے علوم دینی حاصل کرنے کیلئے کیسی کیسی ریاضتیں اور مشقتیں کی ہیں۔ انہوں نے بلا وجہ یہ پاپڑ بیلے۔ مولوی احمد رضا خان کی طرح بارگاہ رسالت سے یہ علوم حاصل کر لیتے۔ اہل بدعت اپنے محض خیال سے ایک عقیدہ تراشتے ہیں اور اس کی کوئی تردید کرتا ہے تو اسے شان رسالت کا منکر قرار دیتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان کے والد نے جو بات علوم و فنون کی تعلیم کے سلسلہ میں کہی ہے ان میں ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ دینی علوم تو اپنے والد سے حاصل کئے اور ''ہیئت' جفر' ارثماطیقی'' جیسے علوم جن کے بارے میں انہوں نے خود کہا ہے:

''......ان میں کیوں وقت ضائع کرتے ہو۔''

ان علوم کی تعلیم مولانا احمد رضا خان نے بارگاہ رسالت سے حاصل کی۔ حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں دین و اخلاق کے علاوہ کسی صحابی کو فلسفہ و منطق' ریاضی اور ہیئت و فلکیات کی تعلیم نہیں دی...... جب حضور نے اپنی زندگی میں یہ کام نہیں کیا تو کون شخص اس کو باور کر سکتا ہے کہ حضور وفات پانے کے بعد ان علوم کی تعلیم عالم قدس میں دیا کرتے ہیں۔

بعض اولیاء اللہ کے ملفوظات میں اس قسم کے واقعات کہیں کہیں ملتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی طرف وہ متوجہ ہوئے اور احادیث کی صحت یا کسی مسئلہ کے حل کی طرف رہنمائی مل گئی۔ مگر ہم ایسے واقعات کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب![1] اگر کوئی مسلمان ان واقعات کو نہ مانے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ مگر یہ کہیں نہیں ملتا کہ بارگاہ رسالت سے کسی

---

[1] ایسے واقعات کے سلسلہ میں ہم اصولی بات عرض کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام کا یہ معمول نہیں رہا۔

عالم دین یا مسلمان طالب علم نے ریاضی و منطق، اقلیدس، ٹرگنامیٹری اور فلسفہ و ہیئت کے مسئلے سیکھے ہوں۔ یہ عجوبہ صرف مولانا احمد رضا خان کے سوانح حیات میں ملا اور خدا جانتا ہے کہ راقم الحروف ششدر ہوکر رہ گیا اور بریلوی مکتبہ فکر کی خرابی عقائد اور مبالغہ آرائی پر یقین اور زیادہ محکم ہوگیا۔

بعض مسائل پر گفتگو کرنے سے قبل ایک اصولی بات عرض کردوں......

تفاسیر، احادیث، فقہ اور تصوف و تاریخ میں ہر طرح کی باتیں ملتی ہیں۔ کسی نہ کسی کتاب میں ہر غلط سے غلط عقیدے کی تائید میں کوئی نہ کوئی قول ضرور مل جائے گا۔ تفاسیر میں بعض مفسرین نے ایسی اسرائیلی روایات پر اعتماد کیا ہے جن سے انبیاء کرام کے اخلاق و کردار پر حرف آتا ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ انبیاء کرام سے کبھی کبھار سہو و تسامح بھی ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بروقت گرفت کے بعد درست ہوگیا۔ مگر کسی نبی نے ہوائے نفس کے تحت (معاذ اللہ) کوئی اخلاقی غلطی نہیں کی...... اس لئے وہ روایتیں جن میں کسی نبی کے کردار پر حرف آتا ہے رد کر دی جائیں گی۔ ملت اسلامیہ یا یوں کہئے سواد اعظم کا ہر دور میں یہ عقیدہ رہا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے مگر اسرائیلی روایتوں سے متاثر ہوکر بعض مفسرین نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح مانا ہے۔ ان مفسرین کی یہ بات قبول نہیں کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ نہیں فرمایا کہ میں نے انبیاء اور اولیاء کو دنیا کی دستگیری اور مشکل کشائی کے اختیارات تفویض فرما دیئے ہیں...... اور میں نے ان بزرگوں کو یہ قدرت عطا کی ہے کہ وہ دور و نزدیک سے مصیبت زدوں کی فریاد سنتے ہیں اور ان کی مصیبتوں کو دور کرتے ہیں......

اس لئے جن پچھلے بزرگوں کی بھی کتابوں میں ایسے اقوال ملیں گے جن میں انبیاء و اولیاء کیلئے اختیارات و قدرت ثابت ہوگی۔ تو ان اقوال کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بدعت کو گمراہی بتایا ہے۔ اس لئے بدعات کی قسمیں قبول نہیں کی جائیں گے۔ جیسا کہ فاضل ناقد نے اپنے کتابچہ میں لکھا ہے کہ فلاں فلاں بزرگوں نے بدعت کی پانچ قسمیں کی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کے مقابلے میں ان بزرگوں کا قول نہیں مانا جائے گا۔ ہرگز نہیں مانا جائے گا۔ بدعت حسنہ ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ "سیئہ" ہی ہوگی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے بڑی اچھی بات کہی کہ مجھے تو بدعت میں حسن نظر نہیں آتا۔

حضرت عمرؓ نے جس چیز کو "اچھی بدعت" کہا ہے وہ لغوی اعتبار سے کہا تھا خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مقدس میں صحابہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے اور حضور ﷺ نے بھی کئی بار ایسا کیا۔ ہاں! حضور نے ہمیشہ اس پر عمل نہیں فرمایا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ باجماعت تراویح کو مسلمان فرض نہ سمجھ لیں۔ حضور کی وفات کے بعد یہ اندیشہ جاتا رہا اور جو چیز حضور ﷺ کی خود پسندیدہ تھی حضرت عمرؓ نے اس پر مسلمانوں کو جمع کر دیا اور تراویح با جماعت پڑھی جانے لگی۔

"اس پر بعض لوگوں کو جب بدعت ہونے کا شبہ ہوا تو حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ اچھی بدعت ہے۔ یعنی یہ نئی بات تو ہے مگر اس نوعیت کی نئی بات نہیں ہے جسے شریعت میں مذموم قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ نے بالاتفاق اس رواج کو قبول کرلیا اور اس کے بعد ساری امت اس پر عمل کرتی رہی۔ ورنہ یہ کون تصور کر سکتا ہے کہ شرعی اصطلاح میں جس چیز کو بدعت کہتے ہیں اس کو رائج کرنے کا ارادہ حضرت عمر کے دل میں پیدا ہوا تھا اور صحابہ کی پوری جماعت بھی آنکھیں بند کر کے اسے قبول کرلیتی۔" (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی' "توحید نمبر" فاران)۔

مزارات پر میلے ٹھیلے' عرس' قبروں کی گل پاشی' چادروں کے جلوس' قبروں پر چراغاں' نذر و نیاز' فاتحہ' اہل قبور سے استمداد اور استعانت' تیجا' دسواں' بیسواں' چالیسواں...... ان بدعات پر "تراویح" کا جسے حضرت عمر نے "نعمت البدعہ" فرمایا تھا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ ان میں کون سا ایسا طریقہ ہے جسے "تراویح" کی طرح رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام نے اختیار کیا تھا۔ یا جس کا کوئی تصور یا دھندلا سا نقش عہد صحابہ میں پایا جاتا تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہزاروں روایات حضور نبی کریم علیہ الصلواۃ والتسلیم کے بارے میں جو ہم تک پہنچی ہیں۔ یہ "سیرت رسول" کا ذکر نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ وہ اپنی محفلوں میں رسول اللہ ﷺ کی حیات

طیبہ کے واقعات بیان کرتے تھے اور ہر صحابی اپنی ذات سے سنت رسول پر عامل تھا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ ہر صحابی ''سنت رسول'' کا ذاکر اور مبلغ تھا۔ اس لئے ''سیرت النبی'' کے جلسوں کا انعقاد ''بدعت'' کیوں ہونے لگا۔ دیوبندی اور اہل حدیث کے یہاں سیرت النبی کے جلسے منعقد ہوتے ہیں اور ایک ایک دیوبندی عالم نے اپنی زندگی میں سیرت مقدسہ پر ہزاروں تقریریں کی ہیں۔ ان حضرات کے بارے میں یہ بدگمانی کہ ذکر رسول سے وہ جلتے ہیں تہمت کے سوا اور کچھ نہیں۔

حضور کی وفات کے بعد خلفائے راشدین اپنی محفلوں میں حضور کی سنت اور سیرت کا بیان تو کرتے تھے کہ سیرت رسول کا ذکر ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے۔ مگر خلفائے راشدین نے بارہ ربیع الاول کو جشن نہیں منایا' نہ اس دن جلوس نکالا' نہ چراغاں کیا' نہ ''محفل میلاد'' قسم کی کوئی رسم ان کے یہاں پائی جاتی تھی' نہ وہ حضور ﷺ کی ولادت کی روایتیں بیان کرتے وقت ''قیام'' کرتے تھے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ نہ تھا کہ جہاں صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے وہاں حضور تشریف لاتے ہیں۔ نہ وہ درود و سلام میں رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ کرتے تھے۔ اپنے پیشواؤں اور اوتاروں کے دن ''ہندو' عیسائی اور یہودی'' مناتے ہیں۔ مسلمانوں کا تعلق حضور کی ذات اقدس سے ایک دن کا نہیں ہے' ہر لمحہ اور ہر لحظہ کا تعلق ہے۔

اک لمحہ ان کی یاد سے غفلت ہے معصیت — آنکھوں پہ ہر تصور جاناں چاہئے
جب پی لیا ہے بادۂ حب نبی کا جام — پھر اس کے بعد ہوش میں آنا نہ چاہئے
(راقم الحروف)

شروع شروع میں جب میلاد کی محفلوں کا ہندوستان میں آغاز ہوا تھا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نکیر کی تھی کہ یہ کیا نئی چیز رواج پا رہی ہے۔ جو حق پسند علماء محفل میلاد اور قیام پر نکیر کرتے ہیں وہ معاذ اللہ ذکر رسول کے مخالف نہیں ہیں اور نہ ذکر رسول کی اہمیت' افادیت اور برکت کے منکر ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ صحابہ کرام' تابعین اور تبع تابعین نے اس رسم کو اختیار نہیں کیا۔ اس لئے ہم بھی ان کے اتباع میں اس رسم کو دین میں شامل نہیں سمجھتے بارہ ربیع الاول کو ذکر رسول کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔ مگر یہ

عجیب بات ہے کہ ماہ ربیع الاول کے علاوہ سیرت پر جو جلسے ہوتے ہیں ان کو بھی "محفل میلاد" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ حالانکہ "محفل میلاد" اسی اجتماع کو کہتے ہیں جو بارہ ربیع الاول کو منعقد کیا جائے۔ یا پھر جس محفل میں حضور ﷺ کی ولادت کا ذکر ہو۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بریلوی اور بدایونی علماء سیرۃ النبی کے جلسہ میں پہنچے' ان سے پہلے سیرت پر تقریریں ہو چکی ہیں' انہوں نے دریافت کیا کہ کیا قیام ہوا؟ جواب ملا نہیں ہوا۔ بس پھر وہ اسٹیج پر آکر وعظ فرمانے لگے :

> "جب حضرت آمنہ کا نکاح حضرت عبداللہ سے ہوا تو دو سو عورتیں رشک و حسد سے مر گئیں...... ایام حمل میں حضرت آمنہ کو عام عورتوں کی طرح کوئی تکلیف نہیں ہوئی...... جبرئیل نے کہا اظہر یا سید المرسلین.... اظہر یا رحمت للعالمین......"

اور اس کے بعد کھڑے ہوکر درود و سلام پڑھنے لگے۔ اگر بر سبیل تنزل ذکر ولادت کے وقت قیام مباح اور مستحب بھی ہو تو مباح اور امر مستحب کو لازم اور واجب و فرض قرار دینا اور اس کے ترک کرنے والے کو مبغوض سمجھنا شرعاً درست نہیں ہے۔

انبیاء کرام کو رسول اللہ ﷺ نے "علاتی بھائی" فرمایا ہے۔ ہمارے نزدیک تمام انبیاء محترم ہیں اور ہم نفس نبوت کے لحاظ سے انبیاء کرام کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔ قرآن کریم میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔ اگر ذکر ولادت کے وقت انبیاء کرام کی تکریم و تعظیم کیلئے قیام کرنا باعث ثواب ہوتا تو جب بھی ولادت مسیح سے متعلق قرآنی آیات کی تلاوت ہوتی تو حضور صحابہ کرام کو "قیام" کا حکم دیتے اور اپنے "علاتی" بھائی کی تعظیم کیلئے خود بھی کھڑے ہو جاتے۔

محفل میلاد اب سے تقریباً آٹھ سو برس پہلے ایک بادشاہ کی نکالی ہوئی رسم ہے۔ اسی طرح قبروں پر قبوں کی تعمیر' مزارات کے اخراجات کیلئے جاگیروں کے عطیے' چراغاں کا اہتمام' مزاروں کی زیارت کیلئے پاپیادہ شد رحال' قبروں پر اڑھانے کیلئے قیمتی غلاف...... ان تمام بدعات کا آغاز بادشاہوں نے کیا ہے۔ یہ بادشاہ بے تحاشہ دولت خرچ کرکے اس بہانے اپنی نجات و مغفرت کی توقع رکھتے

تھے۔

پھر ان بادشاہوں اور امیروں نے تعظیم و عقیدت میں اولیاء اللہ کو صحابہ کرام پر ترجیح دی ہے۔ عراق میں متعدد صحابہ کرام کے مزارات بے چراغ و بے غلاف ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا مزار بصرہ سے چند میل کے فاصلے پڑ ہے۔ راقم الحروف ۱۹۳۴ء میں وہاں حاضر ہوا تو وہاں نہ کسی متولی اور مجاور کو پایا اور نہ چراغ رکھے ہوئے دیکھے' نہ پھولوں کے ہار پڑے ہوئے پائے گئے۔ نہ وہاں فاتحہ پڑھنے کیلئے لوگوں کو آتا جاتا دیکھا۔ اس کے برخلاف حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی قبر پر زائرین کا میلہ لگا رہتا ہے۔ اس مزار کے متولی اور صاحب سجادہ کے اقربا جو "نقبا" کہلاتے ہیں وہ مترفہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ بادشاہوں نے مزار شیخ کیلئے جاگیریں بھی وقف کی تھیں۔ عقیدت مند شیخ کے مزار کو چومتے ہیں' اس پر پھول چڑھاتے ہیں' مرادیں مانگتے ہیں اور ہر مہینہ کی "گیارہویں" کو تو مزار کے احاطہ میں میلہ اور نمائش لگی ہوتی ہے۔ حالانکہ حضور نے خود اپنی قبر مبارک پر میلا لگانے کی ممانعت فرمائی تھی۔ باب الشیخ میں حضرت شیخ جیلانی کے خاندان کے لوگ رہتے ہیں۔ یہ حضرات صحیح العقیدہ ہیں مگر نذر و نیاز اور ہدیوں کی وجہ سے ان باتوں کو گوارا کر لیتے ہیں۔ یہ بات میں اس بناپر کہہ رہا ہوں کہ ۱۹۳۴ء میں سید محمد نقیب الاشراف تھے۔ میں مولانا عبدالقدیر بدایونی کی ہمراہی میں عراق گیا تھا۔ مولانا مرحوم کے اس خانوادے سے کئی پشت سے نیاز مندانہ تعلقات تھے۔ اس لئے مزار شیخ کے سامنے کی عمارت جو "کافی شریف" کہلاتی ہے وہیں ہم نے قیام کیا۔ پیر ابراہیم صاحب جو ۱۹۳۵ء میں بمبئی سے عراق جانے کے بعد نقیب الاشراف ہوگئے تھے ان کے بڑے صاحبزادہ پیر شمس الدین صاحب ہمارے میزبان تھے۔ بمبئی کے ایک صاحب "سیٹھ محمد موسیٰ" سے مشرکانہ عقائد اور بدعات پر میری بحث رہتی تھی۔ ایک دن میں نے پیر شمس الدین صاحب کی خدمت میں اس بحث و نزاع کا ذکر کیا۔ وہ سیٹھ موسیٰ کو مخاطب کرکے اور مزار شیخ جیلانی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولے :

"یہ ہمارے جد شیخ عبدالقادر جیلانی کسی کو کچھ نہیں دے سکتے۔ ان کی تعلیمات کو ہم تم سے بہتر جانتے ہیں......"

مولانا غلام رسول سعیدی نے اپنے کتابچہ میں لکھا ہے :

"اگر سرے سے بدعت کی یہ تقسیم ہی آپ کو تسلیم نہیں تو مصحف شریف میں جو سورتوں کے نام آیات کی تعداد اور رکوع وغیرہ لکھے جاتے ہیں اس کو کیا کہئے گا۔ مسجد کی محراب پر کیا حکم لگائیں گے گھڑیوں کے حساب سے مقررہ وقت پر نماز پڑھنے کو کس کے کھاتے میں رکھئے گا؟"

ماشاء اللہ کیا دینی فکر ہے۔ کیا اسلامی دانش و حکمت ہے اور کیسی عجب سمجھ ہے......!

خود رسول اللہ ﷺ کے دور مقدس میں بعض صحابہ کرام پاجامے پہنتے تھے اور حضور تہبند! تو صحابہ کا یہ عمل بدعت اور خلاف سنت نہ تھا اور نہ حضور ﷺ نے اس پر نکیر فرمائی۔ اس سے سامنے کی بات ہر شخص کے ذہن میں آسکتی ہے کہ تمدن و تہذیب کی چیزوں اور طریقوں پر بشرطیکہ ان کے استعمال سے شریعت کا کوئی اصول نہ ٹوٹتا ہو۔ اللہ اور رسول نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ خود حضور نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے ایک غزوہ میں خندق کھدوائی تھی۔ جنگ میں یہ مدافعانہ طریقہ اہل فارس کے یہاں مروج تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمدن کی ضرورتوں کیلئے دوسری قوموں کے مفید طریقے بھی مسلمان اختیار کرسکتے ہیں۔ دفاتر ہیں' اسمبلیاں ہیں' ہر طرح کی مشینیں اور فیکٹریاں ہیں۔ درس گاہیں اور تعلیمی ادارے ہیں' ان میں داخلے کے قواعد و ضوابط ہیں' دفاتر اور کارخانوں کا Routine ہے' ہوائی جہاز اور ملیں ہیں...... ان میں کسی چیز میں "بدعت" کی ادنٰی سی جھلک بھی نہیں پائی جاتی۔ ان ایجادات سے اور انتظامی امور سے کسی قسم کی کوئی عقیدت وابستہ نہیں ہے۔ لوگوں کی سہولت کیلئے قرآن کریم میں اعراب لگانا اور سورتوں اور رکوعوں کی تعداد کا تعین اور تقسیم بھی بدعت نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا جیسا لباس میں پہنتا ہوں ٹھیک ویسا ہی لباس امت کو پہننا چاہئے یا جس وضع کی مسجد مدینہ میں تعمیر ہوئی ہے بس اسی نمونے پر تمام مسجدوں کا بنانا ضروری ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں مختلف شہروں میں مختلف نمونے کی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ ہاں! ان میں دو چیزیں مشترک

تھیں کہ تمام مساجد کا رخ کعبۃ اللہ کی سمت تھا اور کسی مسجد میں کوئی بت یا تصویر نہیں تھی۔ نئی نئی وضع کی مسجدوں کی تعمیر پر صحابہ نے نکیر نہیں کی۔ ہاں! ایک شخص جو عید کی نماز سے پہلے نوافل پڑھ رہا تھا اس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ٹوکا کہ رسول اللہ ﷺ نے عید سے قبل نوافل نہیں پڑھے۔ اس لئے اے شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کیا عجب ہے تجھے عذاب سے دوچار ہونا پڑے۔ اس مثال سے "بدعت" کسے کہتے ہیں؟ سمجھ میں آسکتی ہے بشرطیکہ کسی کے دل میں بدعت سے نفرت ہو اور سنت رسول ؐ سے محبت۔

بدعتی سے فاسق و فاجر بہتر ہوتا ہے کہ وہ فسق و فجور کو برا سمجھتا ہے۔ اس لئے زندگی کے کسی نہ کسی دور میں تائب ہو جاتا ہے مگر بدعتی چونکہ بدعت کو خیر و برکت کا باعث سمجھتا ہے اور اپنے اس فعل پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی توقع رکھتا ہے اس لئے بدعتی کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت کا اولین تقاضا یہ ہے کہ شرک و بدعت سے انتہائی بیزاری اور نفرت دل میں پائی جائے اور توحید و سنت سے دلی لگاؤ اور فطری محبت ہو! شرک آمیز عقائد کے جواز کیلئے بعید از قیاس تاویلیں اور نکتہ چینیاں اور بدعات کو جائز و حسین ثابت کرنے کا داعیہ...... اور اس پر عشق رسول کا دعویٰ بالکل زیب نہیں دیتا۔

بدعت کا آغاز کس طرح ہوتا ہے اس کیلئے دو واقعے بیان کرتا ہوں۔ راقم الحروف جس گاؤں (کسیر کلاں، ضلع بلند شہر یوپی) کا رہنے والا ہے وہاں کے مسلمان بریلوی عقائد رکھتے تھے مگر بی بی فاطمہ کی صحنک اور کونڈوں کی رسموں سے کوئی واقف نہ تھا۔ قصبہ ذبائی سے ایک عورت ہمارے یہاں بیاہ کر آئی۔ اس نے اپنے یہاں سب سے پہلے "کونڈوں" پر فاتحہ دلوائی۔ اس کے بعد یہ بدعت چل پڑی اور پھر گھر گھر میں "کونڈے" ہونے لگے۔

پاکستان بننے کے بعد کراچی میں سیرۃ النبی کے جلسے بکثرت ہوتے تھے۔ راقم الحروف کو اکثر و بیشتر جلسوں میں مدعو کیا جاتا۔ اب جلسوں میں یہ ہونے لگا کہ جب قرآن کریم کی تلاوت ہوتی تو لوگ کھڑے ہو جاتے۔ کئی جلسوں میں یہ صورت دیکھنے میں آئی۔ ایک جلسہ میں مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے اسٹیج پر آکر کہا کہ عیسائیوں کی نکالی ہوئی رسم ہے کہ جب بائبل گرجاؤں میں پڑھی جاتی ہے تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کتاب و سنت، آثار صحابہ اور ائمہ فقہ و حدیث بلکہ

صوفیوں تک کے اقوال میں اس فعل کیلئے کوئی نظیر نہیں ملتی۔ میری گزارش کا لوگوں نے اثر قبول کیا اور یہ بدعت ٹھپ ہوکر رہ گئی۔ میں نکیر نہ کرتا تو ''قیام میلاد'' کی طرح قرآت قرآن کے وقت ''قیام'' بھی باعث ثواب اور مستحب سمجھا جاتا۔ یہ بدعت ''تعظیم قرآن'' کے نام پر چل پڑتی۔

راقم الحروف نے جو یہ لکھا تھا:

''قرآنی لغات میں دعوت کے معنی پوجنے کے نہیں بلکہ بلانے کے دیئے گئے ہیں۔''

تو یہ لکھ کر میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ مفردات امام راغب اصفہانی ترجمہ کے ساتھ میرے یہاں موجود ہے۔ اس میں ان لفظوں (ادعو' یدعو' تدعو' تدعون' ندعو) کے معنی میں ''عبادت اور پوجنا'' نہیں ملا۔ اسی طرح لغات القرآن میں جس کی شروع کی چار جلدیں مولانا عبدالرشید نعمانی نے مرتب کی ہیں اور بعد کی دو جلدیں مولانا دائم جلالی نے! اس میں بھی اس لفظ کے مشتقات کے معنی ''بلانے' پکارنے'' ہی کے لکھے ہیں۔ مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کی ''قاموس القرآن'' میں بھی یہی صورت نظر آئی..... تو جتنی قرآنی لغات میرے پاس ہیں ان میں یدعو' تدعو..... کے معنی پوجنے کے نہیں بلانے کے دیئے گئے ہیں۔ میں نے ''قرآنی آیات'' کا حوالہ دیا تھا۔ یہ نہیں لکھا تھا کہ تفاسیر اور قرآن کے ترجموں میں بھی ان الفاظ (یدعو' تدعو' ندعو) کے معنی میں صرف ''بلانا'' لکھے ہیں '' پوجنا'' نہیں لکھے۔

مولانا سعیدی صاحب نے مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ الہند کے ترجمے اصل آیات کے ساتھ نقل کئے ہیں۔ ان میں بے شک بلانا نہیں ''عبادت'' ہی لکھا ہے۔ فاضل معترض نے تحریر فرمایا ہے کہ حافظ سیوطی اور علامہ آلوسی ''تدعون'' کی تفسیر ''تعبدون'' سے کرتے ہیں اور شیخ ابو السعود' علامہ اسماعیل حقی اور محمود آلوسی نے بھی ''انما ادعو ربی'' کی تفسیر ''انما اعبد ربی'' کے ساتھ کی ہے۔ ان کی یہ تحقیق معلومات افزا ہے۔ مگر ہم نے مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ کے بارے میں یہ لکھا تھا:

''مولانا احمد رضا خان نے اپنے مزعومہ عقائد کو ذہن میں رکھ کر قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ اس لئے متعدد آیات کا ترجمہ صحت معنوی اور قرآن کے منشاء

کے اعتبار سے خاصہ محل نظر ہے۔"

"محل نظر" اور "غلط" مترادف المعانی نہیں ہیں۔ بعض مقامات پر **مولانا** بریلوی کا ترجمہ ہمیں کھٹکا ہے۔ اس لئے ہم نے غلط نہیں "خاصہ محل نظر" کہا اور اس طرح تنقید میں احتیاط کے پہلو کو مد نظر رکھا۔

فاضل ناقد کی یہ بات درست ہے کہ شیخ الہند نے اور خود مولانا اشرف علی تھانوی نے بعض مقامات پر "تدعون"....من یدع مع اللہ...... وغیرہ آیات کے ترجمہ میں "عبادت" ہی لکھا ہے۔ مگر شیخ الہند نے...... فلا تدع...... الھا آخر کا ترجمہ "عبادت" نہیں "مت پکارو" ہی کیا ہے اور صحیح کیا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اس آیت کے ترجمہ میں تو بے شک "عبادت" ہی لکھا ہے مگر یہی آیت سورۃ القصص (پارہ ۲۰) میں آئی ہے۔ فرق بس اتنا ہے کہ "الشعراء" کی آیت میں "فلا" ہے اور اس آیت میں "ولا" ہے۔

" ولا تدع مع اللہ الھًا آخر...... (القصص ۲۸=۸۸)" کا ترجمہ مولانا تھانوی نے "مت پکار" ہی کیا ہے۔

مولانا شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی نے "الشعراء" کی آیت کے ترجمہ میں "فلا تدع" سے عبادت نہیں "مت پکارنا" ہی مراد لیا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کا ترجمہ قرآن بڑی اہمیت اور وزن رکھتا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ترجمہ قرآن زبان کی صحت اور پیرایہ بیان کی خوبی کے لحاظ سے بھی اپنا آپ ہی جواب ہے۔ انہوں نے بھی "مت پوجو" نہیں "مت پکارو" ترجمہ کیا ہے۔ اردو کے اکثر و بیشتر قرآنی ترجموں میں "لا تدع......" کا ترجمہ "مت پکارو" ہی ملتا ہے اور یہی ترجمہ اقرب الی الصحت ہے۔ عبداللہ یوسف علی نہ دیوبندی تھے نہ بریلوی۔ انہوں نے اس آیت (فلا تدع....) کا ترجمہ "مت پوجو" نہیں کیا "مت پکارو" ہی کیا ہے۔

"So call not any othergod with God."

"فلا تدع.....الھا آخر" سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو دور و نزدیک سے استمداد و استعانت کیلئے پکارتے ہیں وہ اس طرح ان کو معبود بنا دیتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی چونکہ انبیاء و اولیاء کو مدد کیلئے دور و نزدیک سے پکارنے کے قائل ہیں اس لئے یہاں اور جس جگہ

بھی "یدعو" اور "تدعو" کا ترجمہ "پکارنا" اقرب الیٰ الصحت ہوتا وہاں انہوں نے "پوجنا" ترجمہ کیا ہے تاکہ غیر اللہ کو عرض غم اور مدد و استعانت کیلئے پکارنے کا عقیدہ صحیح سالم رہے۔ جس کسی کا وجدان اور ضمیر توحید کے تقاضوں کو پہچانتا ہو گا وہ قرآن کے ترجمہ میں توحید کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھے گا اور جو کوئی انبیاء و اولیاء کو حلال مشکلات اور فریاد رس و دستگیر..... سمجھتا ہو گا وہ ترجمہ قرآن میں اپنے عقیدے کی ضرور رعایت رکھے گا۔

جہاں صرف خالص "عبادت" کہنا مقصود ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے "یعبدون... تعبدون فرمایا ہے۔ اس لفظ کا اصل مادہ ہی "ع ب د" ہے مگر یدعو.... تدعو کی اصل "د ع و" ہے اور "الدعا" کے معنی ندا ہی ہیں۔

"...... ارئیتکم...... ما تشرکون (الانعام ۶=۴۰'۴۱)

"ذرا غور کرکے بتاؤ اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی مصیبت آ جاتی ہے یا آخری گھڑی آ پہنچتی ہے تو کیا اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو۔ بولو! اگر تم سچے ہو۔ اس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو۔ پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم سے ٹال دیتا ہے' پھر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو۔"

ان آیتوں میں صحیح تر بلکہ قرآنی منشاء کے مطابق ترجمہ عبادت کرنا اور پوجنا نہیں "پکارنا" ہے۔ خود قرآن کریم میں "یعبد" اور "یدعو" کے معنی میں جو فرق ہے اس کو بتایا گیا ہے۔

" قل انی نھیت ان اعبد الذی تدعون من دون اللہ (الانعام ۶=۵۶)۔

"اے نبی! ان سے کہو کہ تم اللہ کے سوا جن دوسروں کو پکارتے ہو ان کی عبادت کرنے سے مجھے منع کیا گیا ہے۔"

مگر اس آیت کا ترجمہ بھی مولانا احمد رضا خان نے یوں کیا ہے:

"تم فرماؤ مجھے منع کیا گیا ہے کہ انہوں پوجوں' جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔"

اس آیت میں مولانا بریلوی کے علاوہ جس کسی نے بھی "تدعون" کا

ترجمہ "پکارتے ہو" کی جگہ "پوجتے ہو" کیا ہے صحیح نہیں کیا۔ مولانا احمد رضا خان نے "کہو" کے بجائے "فرماؤ" لکھ کر رسول ... ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ عقیدت و تکریم کا پہلو ملحوظ رکھا ہے مگر اس طرف ان کی نگاہ نہیں گئی کہ بادشاہوں کے خطاب و کلام کے بھی آداب و مراتب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو "ملک الملوک" ہے۔ بادشاہ اپنے کسی وزیر، قاصد، ایلچی اور نائب و نمائندہ سے یوں نہیں کہے گا...... "رعایا میں جاکر میرے منشور کا اعلان فرما دو... یا... تم میری طرف سے یہ ارشاد کر دو۔"

" ایاك نعبد و ایاك نستعین " کی مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے جو تفسیر کی ہے اس پر "فاران" میں نقد و احتساب کیا گیا تھا کہ یہ قرآن کی معنوی تحریف ہے۔ مگر مولانا سعیدی صاحب نے اپنے کتابچہ میں ناقص عبارت نقل فرمائی ہے :

> "......باقی آلات و خدام و احباب وغیرہ سب عون الٰہی کے مظہر ہیں، بندے کو چاہئے اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کار فرما دیکھے۔"

اس عبارت پر کون احمق معترض ہو سکتا ہے...... محل اعتراض بریلویوں کے صدر الافاضل صاحب کی یہ تفسیر ہے :

> "اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے، استعانت بالغیر نہیں۔ اگر اس آیت کے وہ معنی ہوئے جو وہابیہ سمجھے تھے تو قرآن پاک میں اعینونی بقوۃ و استعینوا بالصبر و الصلوٰۃ کیوں آتا۔"

یہ تفسیر غلط اور قرآن کے منشاء کے خلاف ہے۔ مولانا غلام رسول سعیدی کو بھی مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی مندرجہ بالا عبارت میں کھٹک محسوس ہوئی۔ اس لئے اپنے کتابچہ میں اسے حذف کر دیا۔ مولانا شاہ عبدالعزیز کی عبارت کا جو اقتباس پیش کیا گیا ہے اس میں یہ کب لکھا ہے کہ "اولیاء اور انبیاء" سے مدد چاہنا "جائز ہے" مظہر عون الٰہی سے شاہ صاحب کا یہی مطلب ہے کہ آلات، خدام اور احباب اور دنیوی حکام اہلکاروں اور کارپردازوں سے مدد چاہنا شرک نہیں ہے۔

"ایاك نعبد و ایاك نستعین" کی جو تفسیر مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے کی ہے وہ شدید قابل اعتراض ہے اور وہ آیت جو استعانت اور عبادت میں خاص اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے مخصوص ہے اس میں بھی انہوں نے غیر اللہ سے استعانت و استغاثہ کے جواز کیلئے نکتے پیدا کئے ہیں۔ (معاذ اللہ)

> "بریلوی حضرات کا مسلک وہ نہیں جو گول مول انداز میں ماہر صاحب نے لکھا ہے۔ اہل سنت کا یہ مسلک ہے کہ کسی بزرگ کے ایصال ثواب کیلئے جانور کو نامزد کر دیا جائے تو جائز ہے۔" (ص ۲۳)

"ایصال ثواب" کیلئے کسی بزرگ کے نام سے جانور کو نامزد کر دینا جائز نہیں ہے۔ دیوبندیوں کا یہ مسلک درست ہے۔ یہی مسلک شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا تھا۔

علماء بریلوی نے "عطاء" اور ذاتی و غیر ذاتی کا ایسا چکر چلا رکھا ہے کہ وہ آیات جو اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے محکمات کا درجہ رکھتی ہیں ان میں بھی یہ حضرات اپنے غلط مسلک کے جواز کیلئے نکتے پیدا کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں آیا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کونین کے خزانے عطا فرما دیئے تھے بلکہ اس کی نفی آئی ہے کہ:

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ (الانعام' ۵۰)

مگر اس آیت کے معنی مولانا سعیدی نے کس طرح محرف کئے ہیں۔

"تم کہو کہ میں ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مالک نہیں ہوں۔"

اس آیت کے معنی میں "ذاتی طور پر) کا اضافہ تحریف نہیں تو اور کیا ہے۔

مولانا صاحب کے اس نظریہ کی بنیاد پر تو یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ "حقیقی اور ذاتی رب" تو اللہ تعالیٰ ہی ہے' ہاں انبیاء اور اولیاء "عطائی رب" ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار عطا کرنے سے "رب" بنے ہیں۔

مولانا موصوف نے جو معنی بیان کئے ہیں اس کے بعد اس آیت کی تفسیر ملاحظہ کیجئے:

> "......تاکہ جب آپ کی قدرت اور تصرف کے عظیم مظاہر لوگوں کے سامنے آئیں تو ان کے نزدیک آپ کی ذات

الوہیت سے مشتبہ نہ ہو اور وہ یہ سمجھ لیں کہ آپ اپنی
قدرت کے ان تمام کمالات کے باوجود اللہ کے بندے اور
رسول ہیں اور آپ سے جو کچھ ظہور میں آتا ہے وہ اصل
میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے ہی ہوتا ہے۔ آپ کی
ذاتی قدرت کار فرما نہیں ہوتی۔"

جس چیز کی اللہ تعالیٰ "نفی" فرما رہا ہے مولانا صاحب اس کا اثبات کر رہے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اس جسارت کو کیا کہا جائے جس طرح قرآن کریم میں بار بار اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے کہ میں اس کائنات کا مالک ہوں' رب ہوں' ناصر و کارساز ہوں' سب کچھ میرے دست قدرت میں ہے' میں ہی ہر کسی کی مصیبت کو دور کرتا ہوں' مجھی سے مانگو اور دعا کرو۔ اسی طرح کسی آیت میں یہ بھی فرما دیا جاتا کہ میرے دیئے ہوئے خزانوں اور قدرت و اختیار کی بناپر میرے رسول دنیا کو خزانے بانٹا کریں گے اور ہر مصیبت زدہ کی مصیبت دور کیا کریں گے اور ان سے استغاثہ کیا کرنا کیونکہ میری عطا نے ان کو مشکل کشا' خلق کا حاجت روا اور ذاتی نہیں عطائی سمیع و بصیر بنا دیا ہے۔

انبیاء کے پاس دیئے ہوئے خزانوں کا ہونا' یہ کافروں اور مشرکوں کا انداز فکر ہے۔ کفار قریش یہی کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی اور رسول ہے جس کے پاس کوئی خزانہ نہیں ہے۔

".... ان یقولوا لو لا انزل علیہ کنز" (سورۃ ھود: ۱۲)

"اس بات پر وہ کہتے ہیں کہ اس (نبی) پر خزانہ کیوں نہیں اترا۔"

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خزانہ ہوتا تو حضور کفار و مشرکین کی اس طنز کی تردید فرما دیتے کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خزانے دے رکھے ہیں۔ (مگر تم کو دکھائی نہیں دیتے)۔

مولانا غلام رسول نے انا اعطینک الکوثر کی تفسیر[1] میں علامہ اسماعیل حقی اور علامہ آلوسی کی عربی عبارتیں درج کی ہیں کہ :

---

[1] "ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے" (مولانا سعیدی ص ۲۴) مگر "کوثر" کو تو عام طور پر مذکر بولا جاتا ہے۔

"کوثر سے مراد خیر کثیر اور دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں ہیں۔"
حالانکہ صحیح تفسیر "حوض کوثر اور خیر کثیر" ہے۔
مگر قرآن کیا کہتا ہے:

قل لا املك........ یؤمنون (الاعراف ۷:۱۸۸)
"اے محمد! کہو کہ میں اپنی ذات کیلئے کسی نفع اور نقصان[1] کا اختیار نہیں رکھتا' اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔ حالانکہ اگر مجھے علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لئے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو ایک خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔"

کیا اس کا ترجمہ اور تفسیر اس انداز میں کی جائے گی کہ "میں اپنی ذات کیلئے ذاتی طور پر نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا' ہاں! اللہ نے ویسے مجھ ہر شے پر قدرت و اختیار دے رکھا ہے......" اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے عالم الغیب اور اللہ کے دیئے ہوئے خزانوں کے مالک ہونے کی نفی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خود نبی کی زبان سے کہلواتا ہے کہ اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں۔ مگر اہل بدعت نے ان آیات محکمات کے مقابلہ میں اپنا "علم کلام" ایجاد کیا ہے جس کی دلیلوں کے بل بوتے پر اللہ تعالیٰ کے کلام کی ایسی ایسی عجیب و غریب تاویلیں کی جاتی ہیں کہ قرآن کے مفہوم و منشاء کی تائید و اثبات کی جگہ "نفی" کا پہلو پیدا ہو جاتا ہے۔ مندرجہ بالا آیت واضح طور پر بتاتی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے کہلوایا ہے کہ میں کیا ہوں؟...... یعنی "نذیر و بشیر" ہوں' مالک دو جہاں اور عالم الغیب نہیں ہوں۔

معجزات برحق ہیں مگر ان معجزات سے یہ مفہوم پیدا کرنا کہ دونوں جہان میں تصرف اور تمام عالم کی دستگیری' کارسازی اور مشکل کشائی کے تمام اختیارات اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرما دیئے تھے۔ یہ عقیدہ قرآن کے مطابق نہیں ہے۔

---

[1] "السوء" کا ترجمہ عام طور پر "برائی" کیا جاتا ہے۔ مولانا مودودی نے "نقصان" کیا ہے۔

غزوۂ خیبر میں حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھوں میں آشوب تھا۔ حضور نے لعاب دہن لگایا اور آنکھیں اچھی ہوگئیں۔ لیکن دوسری طرف یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ کے زخم کو خود حضور نے دست مبارک میں مشقص لے کر داغا لیکن زخم اچھا نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ وہ وفات پاگئے۔ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو عالم بالا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ عالم قدس کی سیر کرادی اور حضور وہاں پہنچے جہاں کسی نبی اور فرشتہ کی رسائی نہیں ہوئی۔ اور یہ سب تھوڑی سی مدت میں ہوا:

در کی زنجیر بھی جنبش میں ہے بستر بھی ہے گرم
رک گئی گردش افلاک و زمین آج کی رات
(راقم الحروف)

مگر ہجرت کی شب میں یہ نہیں ہوا کہ پلک جھپکتے آپ اور آپ کے رفیق حضرت ابوبکر مدینہ پہنچ جاتے۔ اس سفر میں حضور کو مشقت اٹھانی پڑی۔ غار ثور میں کفار قریش کی ہیچل سن کر حضرت ابوبکر ؓ کو تشویش ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا "میں تمہارے ساتھ ہوں" پھر تم کیوں فکر و ملال کرتے ہو بلکہ حضور نے "ان اللہ معنا" فرمایا کہ ہم دونوں کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے۔ ہماری حفاظت بھی وہی فرمائے گا اور دشمن کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ مکہ میں بیٹھ کر حضور کے خلاف سازش کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو مدینہ میں اس کی اطلاع دے دیتا ہے۔ مگر ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں کہ حضرت یمان کو کافر سمجھ کر مسلمان شہید کر دیتے ہیں اور حضور بھی وہاں موجود ہیں لیکن حضور کو بھی صحابہ کی طرح اس کی خبر نہیں ہوتی۔ ایک عورت جو مسجد نبوی میں جھاڑو دیتی تھی جب شب میں وفات پاگئی اور اس کا کفن دفن بھی ہوچکا تو دوسرے دن حضور ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ وہ عورت کہاں ہے' جواب دیا گیا کہ رات اس کا انتقال ہوگیا۔ حضور نے فرمایا مجھے اطلاع کیوں نہیں دی۔

غزوۂ تبوک میں یہ معجزہ بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیت دیکھنے میں آئی کہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے دھارے رواں ہیں اور حضور ﷺ کے معجزہ "خیر کثیر" کا یہ واقعہ شاہد ہے کہ چھوٹے سے پیالہ کا دودھ دس صحابہ نے خوب سیر ہوکر پیا۔ پھر بھی پیالہ کا دودھ کم نہیں ہوا...... مگر یہ بھی دیکھنے میں آیا

کہ حضور کے گھر میں ایک وقت کے کھانے کا بھی غلہ وغیرہ نہ تھا اور حضور کو تین وقت کا فاقہ کرنا پڑا۔ بعض صحابہ کو پیٹ بھر کر کھانا بھی میسر نہ آتا تھا اور حضور کو ان کی ناداری کا علم تھا مگر آپ ان کیلئے طعام و غذا کا بندوبست نہ فرما سکے۔ جب مال غنیمت آتا تھا تو حضور انتہائی فیاضی کے ساتھ مال تقسیم فرماتے تھے کہ نادار غنی ہو جاتے تھے اور خود اپنے یہاں فقر و ایثار اور بے غرضی اور للہیت کی یہ کیفیت کہ آپ کی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سر اقدس پر اوڑھنی بھی ثابت نہ تھی۔ ایک سائل حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور کے پاس دینے کیلئے کچھ نہ تھا۔ سرکار نے اس سائل سے فرمایا کہ تم میرے نام پر قرض لے لینا' میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا۔

پورے قرآن میں ہر نبی کے صاحب اختیار اور غیب داں ہونے کی نفی ہے۔ فرشتہ آتا ہے تو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اسے پہچان نہیں سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو گھونسہ مارا اور وہ شخص مر گیا۔ آپ گرفتار ہو جانے کے خوف سے برسوں باہر رہے۔ حضور دنیا جہان کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے تھے مگر قرآن کہتا ہے کہ ہدایت کا دینا اور سیدھی راہ پر چلانا یہ رسول اللہ ﷺ کے قبضہ اختیار سے باہر تھا۔ ہدایت کا دینا یا نہ دینا اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے۔ حضور مستجاب الدعوات تھے۔ مگر قرآن یہ بھی کہتا ہے:

"اے نبی! تم ایسے لوگوں کیلئے معافی کی درخواست نہ کیا کرو' اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کے معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا۔

(التوبہ=۹: ۸۰)

بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ کون و مکان میں تصرف کا کامل اختیار اور اقتدار اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو دے رکھا ہے اور قرآن بتاتا ہے کہ رسولؐ کی ہر دعا کا قبول ہونا بھی لازمی نہیں تھا۔ اگرچہ حضور مستجاب الدعوات تھے۔

بریلوی حضرات اول تو قرآن کی محکم آیات سے اپنے عقائد کو صحیح ثابت کرنے کیلئے عجیب عجیب نکتے پیدا کرتے ہیں جو قرآنی مفہوم و منشا کے مطابق نہیں ہوتے۔ یہی کرتب وہ احادیث میں دکھاتے ہیں: مثلاً

" انما انا قاسم و اللہ یعطی "

کاکس زور شور سے اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام خزانے رسول اللہ ﷺ کو عطا کر دیئے ہیں۔ معطی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے' رسول اللہ اس عطا کے قاسم ہیں۔ اصل حدیث کی ابتدائی عبارت یہ لوگ حذف کر دیتے ہیں۔

"من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین انما انا قاسم و اللہ یعطی۔"

(جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں تو بانٹنے والا ہوں اور اللہ دینے والا ہے۔)

یہاں عطا سے مراد مال اور رزق و دولت کی عطا اور تقسیم نہیں ہے بلکہ تفقہ کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ علم و حکمت حضور کو عطا فرماتا تھا اور حضور صحابہ کرام کو حکمت کی تعلیم دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دین کی جو حکمت عطا فرمائی تھی وہ حدیث کی کتابوں میں محفوظ' مرقوم اور مسطور ہے اور کوئی شخص نبوی تعلیم و حکمت سے بے نیاز ہوکر دین میں فلاح و سعادت حاصل نہیں کر سکتا۔

"الکوثر" کی تفسیر میں مولانا سعیدی لکھتے ہیں :

"کوثر سے مراد دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں مراد ہیں۔ تمام مفسرین کے نزدیک اس آیت مبارکہ کا یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو خیر کثیر اور دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں دی ہیں۔ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا" انی اعطیت مفاتیح خزائن الارض" مجھے تمام خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔" (بخاری جلد اول)۔

ایک طرف یہ حدیث دوسری طرف قرآن کریم کی یہ آیت :

" قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ۔

اے نبی تم کہہ دو کہ میرے پاس اللہ کے (دیئے ہوئے) خزانے نہیں ہیں۔

ظاہر ہے جو حدیث قرآن کی مخالف ہوگی اسے قبول نہیں کیا جاسکتا اور وہ بھی کسی فقہی مسئلہ میں نہیں بلکہ بنیادی اعتقادی مسئلہ میں...... مگر حدیث صحیح بخاری کی ہے اور قرآن کے مخالف نہیں ہے۔ ہاں! قرآن کی مخالف اس وقت ہوگی جب اس کے وہ معنی کئے جائیں جو اہل بدعت کرتے ہیں اور عام طور پر یہ لوگ اسی حدیث سے استدلال کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے خزانوں

کی کنجیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی ہیں۔ حالانکہ قرآن جس کی نفی کرتا ہو حدیث اس کا اثبات کرے یہ ناممکن ہے۔ پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

"ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں اور رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے اور جب میں سو رہا تھا تو مجھے دکھایا گیا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں۔"

اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا زمین پر اپنے امتیوں کے قبضہ و تسلط اور حکومت کی طرف اشارہ اور پیش گوئی ہے جو عالم مثال میں آپ کو دکھایا گیا تھا۔ خود حضور کے مبارک دور میں عرب پر آپ کا قبضہ ہوچکا تھا اور مسلمانوں کی تاریخ میں ایک ایسا دور گزرا ہے کہ اس وقت کی دنیائے معلوم کا بہت بڑا رقبہ نبی آخر کی امت کے زیر نگین تھا اور تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کی حکومت بلکہ حکومتیں رہی ہیں۔

مشکواۃ کی حدیث کے اس ٹکڑے:

واحلت لی الغنائم و جعلت لی الارض مسجداً و طهوراً۔

(اور میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں اور زمین میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی جگہ بنائی گئی ہے۔)

" احلت لی "" میرے لئے حلال کئے گئے" میں وہ تمام غنائم شامل ہیں جو آپ کے امتی جہاد کے ذریعہ حاصل کریں گے اور "زمین میرے لئے مسجد بنائی گئی" میں وہ تمام رقبہ زمین شامل ہے جو حضور کے امتی قیامت تک اپنے سجدوں سے معمور کریں گے۔ اسی طرح " اوتیت بمقاتیح خزائن الارض" میں عرب کے سوا وہ تمام رقبۂ زمین شامل ہے جو آپ کے امتیوں کے قبضہ میں آیا اور قیامت تک آتا رہے گا۔

اگر یہ حدیث خواب کا واقعہ نہ ہوتی تو بھی اس کے یہی معنی لئے جاتے کہ کتاب اللہ سے ٹکراؤ نہ ہو مگر حضور کا یہ فرمانا" انا نائم رأیتنی "جب میں سو رہا تھا تو مجھے دکھایا گیا"۔ حدیث کے اس ٹکڑے نے مسئلہ کو آسان تر بنا دیا۔ اس پر شاید یہ اعتراض وارد کیا جائے کہ انبیاء کرام کے خواب سچے (رویائے صادقہ) ہوتے ہیں۔ مگر یہ بھی ہوا ہے کہ انبیائے کرام کو واقعات عالم مثال میں دکھائے

گئے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستاروں اور چاند سورج کو خواب میں دیکھا کہ وہ انہیں سجدہ کررہے ہیں۔ یہ مثالی واقعہ اس طرح سچا ہوکر رہا۔

و رفع ابویہ علی العرش وخروا لہ سجدا۔

شاید کہا جائے کہ یوسف علیہ السلام نے جب خواب دیکھا تھا تو وہ اس وقت کمسن تھے۔ نبوت کہاں ملی تھی اس کے جواب میں حدیث پیش کی جاتی ہے' خواب میں جو شے نظر آئی اس کی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاویل فرمائی۔

عن انس .... قد طاب۔

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک رات اس حالت میں کہ سونے والا دیکھا کرتا ہے۔ دیکھا' گویا کہ میں عتبہ بن رافع کے گھر میں ہوں اور ہمارے سامنے رطب (تازہ کھجور) لائے گئے تو میں نے اس کی یہ تاویل کی کہ ہمارے لئے دنیا میں رفعت اور آخرت میں انجام (اچھا ہے) اور ہمارا دین مکمل اور احسن ہوگیا۔"

مولانا سعیدی کی درج ذیل عبارت پڑھئے اور ان کی "فکر عجیب و غریب" کی داد دیجئے۔

"یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالٰی نے اشتباہ الوہیت دور کرنے کیلئے اپنے آپ کی زبان سے کہلوایا کہ تم کہو میرے پاس (ذاتی طور پر) اللہ تعالٰی کے خزانے نہیں ہیں......"

قرآن کریم کو ان لوگوں نے کھیل بنا لیا ہے (استغفراللہ......معاذ اللہ)۔

اگر قرآن میں صرف "خزائن" آتا تو بھی اس کے یہی معنی لئے جاتے کہ اللہ تعالٰی اپنے رسول کے پاس خزانے ہونے کی نفی کررہا ہے۔ مگر آیت میں "خزائن اللہ" آیا ہے یعنی وہ خزانے جو اللہ تعالٰی کے (ذاتی) ہیں۔ اللہ تعالٰی نے مجھے نہیں دیئے!

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کے دیئے ہوئے خزانے اور ہر طرح کے اختیارات ہوتے تو کوئی صحابی نادار نہ رہتا۔ کسی صحابی کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی......کیونکہ حضور پر صحابہ کی تکلیف گراں گزرتی تھی (.... عزیز علیہ ما)

اور آپ صحابہ کی بھلائی کیلئے بہت حریص تھے۔ (حریص علیکم)۔

اگر صحابہ کرام کا بریلویوں کی طرح یہی عقیدہ ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام خزانے اور اختیارات عطا فرما دیئے تھے...... تو در اقدس پر ہر وقت سائلین کی بھیڑ لگی رہتی۔ کیا صحابہ نے مال غنیمت کے علاوہ حضور کے حجرہ مقدسہ میں سونے' چاندی' زر و جواہر کے ڈھیر لگے ہوئے دیکھے کہ حضور ضرورت مندوں کو تقسیم فرما رہے ہیں' وہ بعض صحابہ جن کے پاس پہننے کیلئے پورا لباس بھی نہ تھا ان کو حضور کیا لباس عطا فرمایا کرتے تھے۔ یا آپ کی نگاہ کے تصرف سے ان نیم برہنہ صحابہ کے جسم آپ ہی آپ لباس سے مزین ہوجاتے تھے۔

پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ بریلوی حضرات رسول اللہ ﷺ کی طرح تمام اولیاء کے صاحب تصرف اور صاحب اختیار ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور جس طرح رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ کرتے ہیں اسی طرح اولیاء اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ کیلئے قدرت و اختیار آخر کہاں سے ثابت کیا جاتا ہے؟

ویکون الرسول علیکم شہیدا۔

کا ترجمہ مولانا احمد رضا خان نے یوں کیا ہے:

"یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔"

ترجمہ میں "نگہبان" کا اضافہ یہ مولانا بریلوی کا اپنا ذوق اور عقیدہ ہے۔ "نگہبان" صرف دیکھنے والے کو نہیں "محافظ" کو بھی کہتے ہیں۔ بسوں اور لاریوں پر "اللہ نگہبان" لکھا ہوتا ہے جس کے یہی معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے کہ وہی نگہبان ہے" کائنات کا نگران' نگہبان اور حفاظت کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین۔

مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمود حسن نے اس آیت کا ترجمہ غلط نہیں کیا۔ مگر مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ جامع اور صحیح تر ہے۔

"اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے۔"

مولانا مودودی کا ترجمہ:

"اے محمد! ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو دراصل یہ دنیا والوں کے حق میں

ہماری رحمت ہے۔"

محل اعتراض کیوں ہے اس ترجمہ سے یہی مترشح اور ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی بعثت دراصل اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی۔ مولانا سعیدی نے اس پر طنز کی ہے:

"کیا سبب ہے کہ مودودی صاحب حضور ﷺ کو سرے سے رحمت ملنتے ہی نہیں۔"

مولانا موصوف کا یہ الزام درست نہیں ہے۔ اس ترجمہ کے حاشیہ میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "ہم نے تم کو تمام دنیا والوں کیلئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔"

دونوں صورتوں میں مطلب یہ ہے کہ

"نبی ﷺ کی بعثت دراصل نوع انسانی کیلئے خدا کی رحمت اور مہربانی ہے......"

فان یشاء اللہ یختم علٰی قلبک ۔

شاہ عبدالقادر: سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر۔

مولانا محمود حسن: سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر۔

مولانا اشرف علی تھانوی: سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے۔

مولانا مودودی: اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر مہر کر دے۔

مولانا احمد رضا خان: اور اللہ چاہے تو تمہارے اوپر اپنی رحمت و حفاظت کی مہر فرما دے۔

مولانا بریلوی کے ترجمہ کی تعریف کرتے ہوئے فاضل معترض لکھتے ہیں:

"خود فیصلہ کر لیجئے کہ روح قرآن اور اس کے مطالب و مقاصد اور بارگاہ نبوت کے آداب کے مطابق کس کا ترجمہ ہے۔

حالانکہ مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ سیاق و سباق آیات کے لحاظ سے غلط ہے۔ ان کے ترجمہ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی رحمت و حفاظت سے دور تھے۔ اللہ جب چاہے گا آپ پر رحمت و حفاظت کی مہر لگا دے گا۔ پھر یہاں "قلبک" کا ترجمہ "تمہارے اوپر" نہیں

"تمہارے دل پر" ہی کرنا چاہئے تھا جیسا کہ دوسرے فاضل مترجمین نے کیا ہے۔

یا معشر الجن........... الا بسلطٰن (الرحمٰن)

مولانا اشرف علی تھانوی: اے گروہ جن اور انسان کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان و زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ (تو ہم بھی دیکھیں) نکلو، مگر بدوں زور کے نہیں نکل سکتے" (اور زور ہے نہیں پس نکلنے کا وقوع بھی متحمل نہیں)۔

مولانا سعیدی صاحب نے اس پر تنقید فرمائی ہے:

"تھانوی صاحب کے اس ترجمہ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ انسان کرۂ ارض سے باہر نہیں نکل سکتا۔ حالانکہ چند سال پہلے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ انسان کرۂ ارض سے باہر نکل کر چاند پر جا پہنچا تھا۔ اس قسم کے ترجموں سے نئی نسل کے ذہنوں میں اسلام کے خلاف شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے قرآن کریم کو ترجمہ کی مدد سے سمجھنا ہے اور جب سائنسی مشاہدات کے خلاف ان کا ترجمہ نظر آئے گا تو قرآن پر ان کا ایمان اور ایقان ڈگمگانے لگے گا۔"

یہ تنقید حقیقت میں تنقید برائے تنقید ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے مندرجہ بالا ترجمہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جسے پڑھ کر نئی نسل کا ایمان قرآن کریم کے بارے میں مذبذب ہو جائے۔ مولانا تھانوی نے ترجمہ میں "کرۂ ارضی" کہاں لکھا ہے۔ انہوں نے قرآن کی آیت کا صحیح ترجمہ کیا ہے...... "آسمان و زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ" جب اللہ تعالیٰ نے زمین کے ساتھ آسمان کی قید بھی لگا دی تو چاند پر پہنچنے والے آسمان کی حدود سے باہر کہاں نکلے ہیں۔ قرآن کریم میں "سمٰوات" آیا ہے۔ سائنس دان "آسمانوں" کے بارے میں بھی عجیب خیالات رکھتے ہیں۔ وہ اسے حد نظر کہتے ہیں۔ مولانا بریلوی نے اس آیت کا یوں ترجمہ کیا ہے:

"اے جن و انسان کے گروہ! اگر تم سے ہوسکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ، جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے۔"

" الا بسلطٰن " کا ترجمہ "اسی کی سلطنت" ہے محل غور ہے۔ سلطان کے معنی سلطنت کے بھی ہیں۔ مگر اس آیت میں زور اور قوت مراد ہے اور "اس کی سلطنت" اس عبارت کے آخری لفظوں کا ترجمہ صحیح مفہوم نہیں تھا۔ مولانا سعیدی نے اس ترجمہ کی بہت کچھ تعریف کی ہے۔

والذین ھم للزکوۃ فاعلون۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: اور جو (اعمال و اخلاق میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خان: اور وہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں۔

مولانا بریلوی کے ترجمہ کی طرح اکثر و بیشتر مترجمین نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ مگر علامہ شبیر احمد عثمانی حواشی میں لکھتے ہیں:

> "بعض مفسرین نے یہاں زکوٰۃ کو طہارت (پاکیزگی) یا تزکیہ نفس کے معنی میں بھی لیا ہے۔ گویا آیت حاضرہ کو " قد افلح من تزکی" اور " قد افلح من زکاھا" کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ مراد ہو تو اس کے مفہوم کو عام رکھا جائے۔ جس میں بدن کا' دل کا اور مال کا پاک رکھنا سب داخل ہے۔ زکوٰۃ و صدقات بھی ایک طرح کی مالی تطہیر ہے۔

خذ......... وتزکیھم (التوبہ...... رکوع ۱۳)

مولانا غلام رسول سعیدی نے لکھا ہے:

"لیکن ہمیں سخت حیرت ہوئی جب ہم نے دیکھا کہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اس آیت میں زکوٰۃ کا ترجمہ "تزکیہ" کیا ہے۔"

مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر پڑھ کر شاید مولانا سعیدی صاحب کی حیرت دور ہو جائے۔ مغرب زدہ نوجوان کو مطمئن کرنے کیلئے مولانا سعیدی صاحب "جن" کا کیا ترجمہ کریں گے جب کہ مغرب زدہ نوجوان کسی ایسی مخلوق کا وجود ہی نہیں مانتے جو نظر نہیں آتی۔ سرسید احمد خان نے "جن" کا ترجمہ "وحشی اور پہاڑی انسان" کیا اور بالکل غلط کیا۔ قرآن کریم کے ترجمہ میں نئی نسل کی سمجھ کی رعایت، بعض مقامات پر شدید غلطی کا سبب بن سکتی ہے اور بنی ہے۔

اعتراض : نسو اللہ فنسیھم ...... اعلیٰ حضرت اس ترجمہ میں لکھتے ہیں

"وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے ان کو چھوڑ دیا۔"

ماہر صاحب لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ سے کسی بندے کو چھوڑ دینے کی نسبت بھی کھٹکتی ہے۔"

اس جملہ کی اردو بہت کمزور ہے۔ یوں لکھنا چاہئے تھا:

"اللہ تعالیٰ کی طرف کسی بندے کو چھوڑنے کی نسبت بھی کھٹکتی ہے۔" اب اس طرز نگارش پر کوئی کیے تو کیا کہے۔ اردو کا یہ حال ہے اور قرآن کریم کے ترجمہ پر گفتگو ہو رہی ہے۔

(مولانا سعیدی)

فاضل ناقد نے اپنے جملہ میں "طرف" بڑھا کر آخر جملہ کے حسن میں کیا اضافہ کر دیا۔ اور راقم الحروف کے جملہ میں "طرف" نہ ہونے سے کیا کمی رہ گئی۔ مقصود اعتراض کرنا ہے چاہے وہ کتنا ہی پوچ کیوں نہ ہو...... "کسی نقص کی اللہ تعالیٰ سے نسبت کفر ہے۔" اس جملہ میں کیا غلطی ہے؟ کوئی یوں کہے "کسی نقص کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کفر ہے"۔ تو "طرف" نے کس خوبی کا اضافہ کر دیا۔

جہاں "سے" آسکے وہاں اللہ تعالیٰ سے "طرف" اور "جہت" کی نسبت سے گریز کرنا ہی اولیٰ ہے۔

ماہر صاحب لکھتے ہیں:...... اردو میں دوست نے دوست کو چھوڑ دیا' خاوند نے بیوی کو چھوڑ دیا' اس نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا بولا جاتا ہے۔" (فاران ص ۲۸)

بجا ہے لیکن ثابت کیا ہوا۔ ارے صاحب دوست نے دوست کو چھوڑ دیا کیا مطلب؟ یہی نا کہ اس پر نظر عنایت کرنا چھوڑ دی' اس پر مہربانی کرنا چھوڑ دی۔

کیا دوست دوست سے "ترک تعلق" نہیں کر سکتا کہ اس سے دوستی کا کوئی واسطہ ہی نہ رکھے۔ راقم الحروف نے یہی عرض کیا تھا کہ جس طرح دوست دوست کو چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس طرح مخلوق کو نہیں چھوڑ سکتا...... ہم نے لکھا تھا کہ "بھول گئے سو وہ بھول گیا ان کو" (ترجمہ شیخ الہند) "انہوں نے خدا

کا خیال نہ کیا' بس خدا نے ان کا خیال نہ کیا" (ترجمہ مولانا تھانوی) پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہی اعتراض مولانا بریلوی کے ترجمہ :

"وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ ان کو چھوڑ بیٹھا۔"

پر بھی عائد ہوتا ہے کیونکہ "رب" اپنے نافرمان بندوں کو کس طرح چھوڑ سکتا ہے۔

تنقید طویل سے طویل تر ہوتی چلی جاری ہے۔ "ضالاً" "استغفار" اور "ذنب" کے بارے میں ہم اپنے تبصرے میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اب کہاں تک کہی ہوئی باتوں کو دہرائیں۔ مولانا محمود حسن اور مولانا اشرف علی تھانوی نے ان آیتوں کا لفظی ترجمہ کر کے شان رسالت میں معاذ اللہ بے ادبی اور تنقیص نہیں کی۔ ان حضرات نے لفظی ترجمہ کیا ہے اور قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں کوئی عیب نہیں۔

مولانا غلام رسول سعیدی نے راقم الحروف کو چیلنج کیا ہے :

"اگر ماہر صاحب کی بات میں ذرہ برابر بھی صداقت ہے تو وہ اکابر مفسرین میں سے دو چار کے ہی حوالے پیش کر دیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو "گناہ" یا "خطا" قرار دیا ہو۔"

یہ عبارت عام قارئین کو متوحش کر سکتی ہے کہ ماہر القادری حضور کے عمال کو "گناہ" یا "خطا" قرار دیتا ہے حالانکہ بحث قرآنی ترجمہ کی چلی تھی کہ مولانا تھانوی اور شیخ الہند نے قرآنی لفظ "ذنب" کا جو ترجمہ "گناہ اور خطا" کیا ہے..... اس پر ملک شیر محمد خان اعوان نے شدید اعتراض وارد کیا تھا کہ کیا ان تراجم سے عصمت انبیاء کا مسلمہ عقیدہ مجروح نہیں ہوتا...... یہ سوال تو اعوان صاحب کو اللہ تعالیٰ ہی سے کرنا چاہئے کہ اس نے انبیاء کیلئے "استغفار کرنے" اور "ضال و ذنب" کے الفاظ کیوں استعمال کئے ہیں۔ ماہ مارچ ۷۶ء کے شمارے میں "محاسن کنزالایمان" پر تنقید کرتے ہوئے راقم الحروف نے "عصمت انبیاء" پر تفصیل سے بحث کی ہے...... اور لکھا ہے :

"ان تمام تصریحات کے بعد عرض ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاکار اور گنہگار سمجھنے والا کافر ہے۔"

اس کے بعد راقم الحروف پر طنز کرنے اور ہدف تنقید بنانے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ بریلوی حضرات مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ کی تعریف کرتے ہیں کہ ان کے ترجمہ سے وہ خرابی دور ہوگئی جو شیخ الہند اور مولانا تھانوی کے ترجموں میں پائی جاتی ہے...... مگر جو حضرات اردو نہیں جانتے عربی جانتے ہیں وہ انبیاء کے استغفار اور "ذنب" کے وہی معنی سمجھیں گے جو قرآن کریم کے متن میں اصل الفاظ آئے ہیں۔ ہاں! انہیں کھٹک محسوس ہوگی تو اہل الذکر سے دریافت کریں گے۔

مولانا سعیدی صاحب نے راقم الحروف کو چیلنج کیا ہے:

"اگر ماہر صاحب کی بات میں ذرہ برابر صداقت ہے تو وہ اکابر مفسرین میں سے دو چار حوالے پیش کر دیں جنہوں نے حضور ﷺ کے افعال کو گناہ یا خطا قرار دیا ہو"۔ (ضیائے کنز الایمان ص ۴۱)

اس کے جواب میں عرض ہے کہ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں یہی معنی لئے ہیں اور اس کی شرح و تفسیر میں حضور ﷺ کی دو دعائیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک دعا ہم نے "محاسن کنز الایمان" پر تبصرے میں نقل کرچکے ہیں۔ دوسری دعا یہ ہے:

اللهم اغفرلي خطيئتي وجهلي و اسرافي في امري وما انت اعلم به مني..."

اے اللہ میری خطاؤں کو، میری ناواقفیت کو اور میرے کاموں میں جو مجھ سے زیادتی ہوگئی ہو معاف فرمادے۔ اور تو ہر چیز کو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے......"

مولانا سعیدی صاحب نے ہم پر یہ الزام لگایا ہے:

"ابن کثیر کی نقل کردہ اس دعا (اللهم اغفرلي ما قدمت.......) کا جو ترجمہ ماہر صاحب نے پیش کیا ہے اس میں "ذنب" کا لفظ نہیں ہے۔ ماہر صاحب کے اس وضع الحدیث پر اپنی طرف سے کیا کہوں۔ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث پیش کرتا ہوں"........ "جو

شخص میری طرف وہ بات منسوب کرتا ہے جو میں نے نہیں
کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔"

یعنی مولانا صاحب نے راقم الحروف کو جہنمی قرار دے دیا ہے

دراز دستی ایں کوتہ آستیناں بیں

پہلے تو میں یہ عرض کر دوں تفسیر ابن کثیر کے اردو ترجمہ (مطبع نور محمد اصح المطابع 'کراچی) سے حدیث نبویؐ کا یہ ترجمہ نقل کیا گیا ہے :

"یعنی اے اللہ میں نے جو کچھ گناہ پہلے کئے ہیں اور جو کچھ پیچھے کئے ہیں..."

پھر "ذنب" کا لفظ قرآن کریم میں آیا ہے۔ اس کی تشریح میں حافظ ابن کثیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دعائیں نقل کرتے ہیں جن میں سے ایک دعا میں "استغفار" کے ساتھ "خطیئتی" (میری خطائیں) بھی آیا ہے۔ دوسری حدیث میں "خطاء" یا "ذنب[1]" بے شک نہیں آیا مگر مغفرت "حسنات" کی چاہی جاتی ہے یا اس چیز کی جو "حسنات" کی ضد ہوتی ہے۔ تفسیر ابن کثیر کے مترجم نے " اللهم اغفرلي ما قدمت ...... " کے ترجمہ میں "گناہ" لکھ دیا تو کیا زیادتی کی جب کہ علامہ ابن کثیر نے اس سے اوپر وہ دعا نقل کی ہے جس میں "خطیئتی" حضور نے فرمایا ہے اور یہ دونوں دعائیں " واستغفر لذنبك...... " کی شرح و تفسیر کے تحت درج کی گئی ہیں!...... کیا اس چیز کا نام "وضع حدیث" ہے؟ یہ لوگ اپنے عقیدے کے مخالفین کے ساتھ ایسی ہی زیادتیاں کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ "دشمنان رسول" کو کیسا ذلیل کیا؟

"ملا علی قاری رحمہ الباری میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرائض رسالت مصالح امت اور تبلیغی امور میں اشتغال کی وجہ سے بعض وقت مشاہدہ ذات و صفات میں منہمک نہ رہتے۔ بس استغفار کا حکم اس عدم انہماک کی طرف راجع ہے نہ کہ معصیت کی طرف۔"

مگر سوال یہ ہے کہ "مشاہدۂ ذات و صفات میں بعض اوقات حضور کا منہمک نہ رہنا"...... اسے کیا کہا جائے گا؟ اس عدم انہماک کا ترجمہ کوئی شخص

[1] قرآن میں "ذنب" "ضلال" "غافل" یہ الفاظ انبیاء کرام کے مقام ارفع و اعلیٰ کی نسبت سے استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کا قیاس عام انسانوں کے حالات پر نہیں کیا جا سکتا۔

"غفلت یا عدم توجہی" کر دے تو اس کو گردن زدنی ٹھہرایا جائے گا...... پھر ایک بہت بڑے صوفی کا (جن کا نام ذہن میں نہیں آرہا) یہ قول پڑھا تھا کہ ایک لمحہ کیلئے بھی میں مشاہدۂ ذات سے غافل ہوں تو میں کافر ہو جاؤں...... اس صورت میں وہ صوفی مشاہدۂ ذات میں حضور سے بڑھ کر قرار پاتے ہیں۔

پھر یہ کس حدیث میں لکھا ہے کہ حضور ہروقت مشاہدۂ ذات میں مستغرق رہتے تھے اس کا حوالہ دیا جائے۔ ہم ایسی صحیح حدیث سے اب تک بے خبر ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قول کی کیا توجیہہ کی جائے گی۔

"کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں غور کرو ذات میں غور نہ کرو۔"

پھر قرآن کی تفسیر اور فقہی امور میں صوفیاء کے اقوال سند و نظیر میں پیش نہیں کئے جاتے۔ ان کے اقوال میں بڑی پیچیدگیاں اور خطرے ہیں۔ اسی لئے اپنے کتابچہ میں مولانا نے ابن بطال کا یہ قول نقل کیا ہے:

"انسان فطرتاً حق عبادت ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اگر وہ زندگی کا ہر سانس عبادت میں گزار دے پھر بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ پس آپ کو جس استغفار کا حکم دیا گیا ہے وہ قصور فطری کی بناپر ہے نہ اس وجہ سے معاذ اللہ آپ نے گناہ کیا تھا۔"

اس سے نیچے کی عبارت میں حضور سے "عجز فطری" منسوب کیا گیا ہے۔ جماعت اسلامی کا کوئی انشا پرداز یا اہل حدیث اور دیوبند کا عالم یہی الفاظ لکھ دیتا تو بریلوی اس پر گمراہی' بدزبانی اور تنقیص رسالت کے فتوے داغ دیتے کہ دیکھا ان بے دینوں نے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے جو ہر طرح کے گناہ' خطا اور عجز و قصور سے پاک ہے "قصور فطری" اور "عجز فطری" منسوب کر دیا یعنی قصور و عجز تو آپ کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اور فطرت میں شامل تھا......! (معاذاللہ)

"یہ صحیح حدیث ہے... قسم اللہ کی میں نہیں جانتا' پھر قسم اللہ کی میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ کیا معاملہ ہو گا۔ میرے ساتھ اور کیا معاملہ ہو گا تمہارے ساتھ..."

دوسری احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور نے دس صحابہ (عشرہ مبشرہ) کے جنتی ہونے کی پیش گوئی فرمائی تھی اور حضور کی پیشگوئی غلط نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ قیامت کے دن حضور کو اپنے "شافع و مشفع" ہونے کا

ہر کسی کی فریاد سنا' ہر کسی کی مصیبت کو دور کرنا' مریضوں کو شفا دینا' مخلوق کو رزق عطا کرنا' دنیا کے کارخانے کو چلانا..... اس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ وہ شخص قرآن و حدیث کی مخالفت کرتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ تمام اختیارات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے عطا کر دیئے ہیں۔ صحابہ کرام مصیبت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکارا کرتے تھے۔ اور نہ تابعین اور تبع تابعین نے ایسا کیا۔ قرآن کریم میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الوہی اختیارات کی نفی آئی ہے۔ احادیث میں بھی یہ نہیں ملتا کہ حضور نے فرمایا ہو کہ "اے میرے امتیو! تم مجھ سے استغاثہ کیا کرنا کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خلق کا حاجت روابنا کر بھیجا ہے" بلکہ استغاثہ کی ممانعت آئی ہے۔ علامہ ابو زہرہ مصری کی کتاب "المذاہب الاسلامیہ" کے صفحہ ۲۸۰ پر یہ حدیث نقل کی گئی ہے:

انہ لا یستغاث لی و انما یستغاث باللہ۔

(استغاثہ مجھ سے نہیں کیا جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کیا جاتا ہے۔ (امام طبرانی نے یہ روایت اپنی کتاب معجم کبیر میں درج کی ہے)۔

بریلوی حضرات کا یہی مسلک ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور اولیاء کرام سے الوہی صفات "عطا" کے نام پر منسوب کریں اور بدعات کے جواز کیلئے نکتے تراشیں اور حق پسند علماء کو جو توحید کے تقاضوں کو پہچانتے ہیں کافر ٹھہرائیں۔ یہ حضرات قرآن کریم کی آیتوں کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جن پر "معنوی تحریف" کی تعریف صادق آسکتی ہے۔ بریلوی علماء عام طور پر جن روایتوں سے استشہاد کرتے ہیں وہ کمزور اور معلل روایتیں ہوتی ہیں۔

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلویوں کے سب سے بڑے عالم تھے اور انہی کے دور حیات میں بریلی کو "دارالتکفیر" کہا جاتا تھا۔

شرک آمیز عقائد اور بدعات کی اشاعت و تائید کا اگر بریلویوں کو حق حاصل ہے تو کیا ہمیں توحید و سنت کی مدافعت کا حق حاصل نہیں ہے؟

تم المجلد السابع ویتلوہ الثامن ان شاء اللہ العزیز

خطبات بہاولپور

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

تقریظ: حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری، شیخ الحدیث دارالعلوم (وقف) دیوبند

ڈاکٹر حمید اللہ کا شمار دنیا کے بہترین عالموں اور مصنفوں میں ہوتا ہے، اصلاً وہ حیدر آباد کے رہنے والے ہیں، لیکن عرصۂ دراز سے فرانس میں مقیم ہیں اور اس یورپی ملک میں رہ کر تبلیغی اور دعوتی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ فرانس میں قیام پذیر مسلمانوں کی دینی رہنمائی کیلئے ان کی ذات بڑی غنیمت ہے، خاص طور پر وہ ان لوگوں کیلئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں جو دین اسلام قبول کر کے رہنمائی اور رہبری کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

ایک بہترین مبلغ اور داعی کے ساتھ ساتھ وہ ایک زبردست مصنف بھی ہیں، سیرت النبیؐ ان کا خاص موضوع ہے، سیرت کے اجتماعی اور سیاسی پہلوؤں پر مختلف زبانوں میں ان کی متعدد تصانیف منظرِ عام پر آچکی ہیں اور قبولیتِ عامہ حاصل کر چکی ہیں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت شرح اور بسط، تحقیق اور تدقیق کے بعد لکھا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابیں علمی اور تحقیقی حلقوں میں خاص طور پر پسند کی جاتی ہیں۔

خطبات بہاولپور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بارہ لیکچرس کا مجموعہ ہے یہ تمام لیکچر انہوں نے پاکستان کی بہاولپور یونیورسٹی میں اس کے وائس چانسلر کی دعوت پر مسلسل بارہ روز تک دیئے۔ تمام اجتماعات میں اہل علم کی مکمل حاضری رہی۔ ہر اجتماع کی صدارت کسی مشہور شخصیت نے کی۔ لیکچر کے بعد سوال و جواب کا وقفہ بھی ہوا یہ کل بارہ موضوعات ہیں:

۱۔ تاریخ قرآن مجید ۲۔ تاریخ حدیث شریف ۳۔ تاریخ فقہ ۴۔ تاریخ اصول فقہ و اجتہاد
۵۔ اسلامی قانون بین الممالک ۶۔ دین (عقائد، عبادات، تصوف) ۷۔ عہد نبوی میں مملکت اور نظم و نسق
۸۔ عہد نبوی میں نظام دفاع اور غزوات ۹۔ عہد نبوی میں نظام تعلیم ۱۰۔ عہد نبوی میں نظام تشریع و عدلیہ
۱۱۔ عہد نبوی میں نظام مالیہ و تقویم ۱۲۔ عہد نبوی میں تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ۔

اب یہ تمام گراں قدر علمی اور تحقیقی خطبات کتابی شکل میں اہل علم کے مطالعہ کیلئے شائع ہو چکے ہیں۔ حافظی بکڈ پو نے نہایت اہتمام کے ساتھ یہ کتاب شائع کی ہے۔ کاغذ، طباعت، جلد ہر چیز اعلیٰ ہے، حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری نے اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:۔

''ہر خطبہ جاندار، معلومات سے لبریز، تحقیقات کا مرقع، لاریب کہ دوران مطالعہ کچھ ایسی معلومات اس بے بضاعت کا سرمایہ ہوئے، جن سے سابق میں جیب و دامن خالی تھے۔'' اس اعتراف و شہادت کے بعد آپ حضرات اس گراں قدر کتاب کے مطالعہ سے محروم رہیں اس کی امید نہیں ہے۔

حافظی بک ڈپو، دیوبند۔ ۲۴۷۵۵۴ (یوپی)